یہ سُورۃ باعتبار نزول کے مدنی ہے اور بعض آیات و احکام نزولِ قرآن کے بالکل آخری دَور کے ہیں مگر بلحاظ ترتیب پہلی سُورۃ ہے اور سورۃ فاتحہ میں جو دعا، ہدایت اور صراطِ مستقیم کے لیئے کی گئی تھی۔ قرآنِ کریم اسی کا جواب اس سورۃ سے شروع فرماتا ہے۔

چونکہ مدینہ منورہ کی زندگی میں مکہ مکرمہ کی نسبت ایک بنیادی فرق تھا کہ وہاں مخاطب مشرکین و کفار تھے مگر یہاں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے کو مسلمان اور اللہ کا مقرب جانتے تھے اور خود کو موسٰے علیہ السلام کا حقیقی پیروکار۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ امتدادِ زمانہ سے انھوں نے تعلیماتِ موسوی کو نہ صرف فراموش کر دیا تھا بلکہ کُتبِ الٰہی کو تحریف سے بھر دیا تھا۔ اور عبادات کی جگہ رسُومات نے اور ایمانیات کی جگہ خرافات نے لے لی تھی۔ بایں ہمہ اپنے حق پر ہونے کے مدعی بھی تھے سو قرآن کریم نے سب سے پہلے ایمان اور کُفر کو واضح کر دیا۔ لہٰذا سب سے پہلی آیت جو اس کتاب کے بارے ارشاد ہوئی۔ اور جو ایمان کی بُنیاد ہے وہ یہ ہے :-

رکوع نمبر ۱ آیات ۱ تا ۷

الٓمّٓ ۱

THE COW

Revealed at Al-Madinah

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ
لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى
لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ ﴿۲﴾
الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ
وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا
رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۙ ﴿۳﴾
وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ
اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَآ اُنۡزِلَ

شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
الم ﴿۱﴾ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں
(کہ کلامِ خدا ہے۔ خُدا سے) ڈرنے والوں
کی رہنما ہے ﴿۲﴾
جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ
نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے
اُس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾
اور جو کتاب (اے محمد) تم پر نازل ہوئی
اور جو کتابیں تم سے پہلے (پیغمبروں پر)

In the name of Allah, the Beneficent, the Merciful.

1. Alif, Lām, Mīm.[1]

2. This is the Scripture whereof there is no doubt, a guidance unto those who ward off (evil);

3. Who believe in the unseen, and establish worship, and spend of that We have bestowed upon them;

4. And who believe in that which is revealed unto thee

مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ
هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٤﴾

نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے
اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں ﴿٤﴾

(Muhammad) and that which was revealed before thee, and are certain of the Hereafter.

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ ۖ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾

یہی لوگ اپنے پروردگار (کی طرف) سے ہدایت پر
ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں ﴿٥﴾

5. These depend on guidance from their Lord. These are the successful.

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ
أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

جو لوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کیلئے
برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے ﴿٦﴾

6. As for the disbelievers, whether thou warn them or thou warn them not it is all one for them; they believe not.

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ
سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی
ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے
اور ان کے لئے بڑا عذاب (تیار) ہے ﴿٧﴾

7. Allah hath sealed their hearing and their hearts, and on their eyes there is a covering. Theirs will be an awful doom.

اسرار و معارف

الٓمٓ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۛ-

الٓمٓ حروفِ مقطعات ہیں جو اکثر مذکور ہوئے ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور معانی میں اُلجھنا غیر ضروری۔ انہا اسرار بین اللہ ورسولہٖ - یہ اللہ اور اس کے رسُول کے درمیان راز ہیں۔ مومن کو معنی جانے بغیر بھی ان کا فائدہ مل جاتا ہے۔

یہ ایسی کتاب ہے جس میں ادنیٰ درجے کے شبہ کی بھی گنجائش نہیں یعنی اس کتاب سے جو جوابِ دُعا ہے استفادہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اے مخاطب! تو اس کے کسی مضمون یا کسی خبر کو جو گذشتہ یا آئندہ کے بارے ہو یا کسی بھی بیان میں ادنیٰ سا شبہ بھی نہ رکھے کہ واقعتاً کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اکثر کتابیں جو ایسے مضامین پر مشتمل ہوں اور ماوراء الطبیعاتی یا ایسے حقائق پر مبنی ہوں جو حواس کے ادراک سے بالاتر ہوں تو خود ان کے مصنفین کو بھی یقین کامل حاصل نہیں ہوتا کہ ساری بات کی بنیاد گمان پر ہوتی ہے مگر اس کتاب کا نازل کرنے والا اللہ ہے۔ جس کا علم قدیم ہے ازلی اور ابدی ہے کامل و مکمل ہے۔ لہٰذا اس کی بیان کردہ حقیقتیں شک و شبہ کی رسائی سے بہت بالاتر ہیں پھر اس رفعِ شک کے لئے اللہ کریم نے ان تمام واسطوں اور ذریعوں کی صداقت و امانت کی گواہی دی ہے جو انسانوں تک اس کے پہنچنے کا سبب ہیں۔

خالق کا کلام بندے تک پہنچنے کے ذرائع

سب سے پہلا واسطہ اور سبب وہ فرشتہ ہے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اُس کے پہنچانے کا ذریعہ ہے اللہ کریم نے فرمایا ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین کہ وہ بہت طاقتور اللہ کے نزدیک بہت معزز اور تمام فرشتوں کا سردار اور بہت امانت دار ہے ایسا طاقتور کہ کوئی بھی اپنی طاقت کے ساتھ اُس

سے وحی چھین نہیں سکتا یا جبراً اس کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ اس میں کسی طرح کی آمیزش کرے اور اگرچہ فرشتے نوری مخلوق ہیں مگر ان میں بھی عام و خواص تو ضرور ہیں تو یہ کوئی عام سا فرشتہ بھی نہیں بلکہ مطاع ہے ایسا فرشتہ جس کی سارے فرشتے بھی اطاعت کرتے ہیں ۔ گویا فرشتوں کا سردار اور عنداللہ بہت معزز اور بزرگی کا حامل ہے پھر ایسا امانت دار کہ جس کی دیانت و امانت پر اللہ خود گواہ ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کا ذریعہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو انتہائی قوی، معزز اور امین ہے ۔

دوسرا واسطہ اللہ سے مخلوق تک اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو صدق مجسم ہے جن کی صداقت پر نہ صرف قرآن گواہ ہے بلکہ ان کی امانت پر اس کے بدترین دشمن یعنی کفار مکہ بھی گواہ ہیں جو اُسے "صادق و امین" کے نام سے پکارتے ہیں اور جس کی بے داغ زندگی اس کی نبوت پر بہت بڑی شہادت ہے ۔

جہاں معجزاتِ قاہرہ اور دلائلِ باہرہ اُس کی نبوت کا ثبوت ہیں وہاں اُس کی قبل بعثت کی زندگی بھی اتنی طیب طاہر اور پاک صاف ہے کہ کبھی کسی بھی طرح کا جھوٹ یا غلط بیانی نہیں پائی جا سکتی بلکہ اس حیاتِ مبارکہ کو سب دلائلِ نبوت پر ایک تفوق حاصل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بعثت فیکم عمراً من قبلہ یعنی میں نے تمہارے درمیان ایک حیات بسر کی ہے کیا تم مجھ پر غلط بیانی کا الزام لگا سکتے ہو؟ حتّٰی کہ اس حیاتِ طیبہ کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے لعمرک یعنی تیری زندگی کی قسم! تیری زندگی گواہ ہے ۔

سُبحان اللہ! اور فرمایا: وانک لعلیٰ خلق عظیم۔ تیرے اخلاق ان بلندیوں کو چھوتے ہیں جو بشر کی رسائی کی حد ہے تو گویا اللہ سچا ہے اُس کا پیغام لانے والا فرشتہ شک سے بالاتر اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم صادق و مصدق ۔ یہ ساری بُنیاد راستی سچائی اور حق ہے لاریب فیہ ہے مگر کیا کیا جائے کہ ساری مخلوق کو یہ واسطہ بھی براہِ راست نصیب نہیں بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان ایک پورے طبقہ کا واسطہ ہے جنہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کلام باری کو سُنا، سمجھا، سیکھا اور ساری خدائی تک پہنچایا۔

عدالتِ صحابہؓ کا ثبوت

اگر خدانخواستہ یہ واسطہ اور ذریعہ ہی مجروح قرار پائے تو پھر "لاریب فیہ" بھی ثابت نہ ہو سکے گا۔ نیز فرشتہ اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو حملہ کرنے کی جرأت کم ہوگی مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ وہ درجہ معصومیت نہیں رکھتے تو معترضین کو یہاں حملہ کرنا زیادہ آسان ہوگا اور اگر کوئی اعتراض نہ بھی کرے مگر واقعتاً وہ لوگ غلط بیانی کر جائیں تو کیا ہو۔ یہی کہ دین کی ساری عمارت مشکوک قرار پائے تو اللہ پاک نے سب سے زیادہ احوال ان حضرات کے ارشاد فرمائے قرآن کریم کو جگہ جگہ ان کی مدح سے مزین فرمایا ۔ یہاں تک ان کا ایمان مثالی ایمان فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا اور ان کے قلوب مثالی قلوب یعنی اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ اور ان کی صداقت مثالی صداقت یعنی اولٰئک ھم الصادقون ۔ اور ان کی زندگی قابلِ اتباع اور

واجب الاتباع قرار دے دی والذین اتبعوھم باحسان - یہ نہ صرف ان کے حالات کا مشاہدہ قرار دیا بلکہ فرمایا میرے علمِ ازلی میں یہ بات موجود تھی اور میں نے ان کی پیدائش سے بیشتر تورات و اناجیل میں ان کے اوصاف ارشاد فرما دیئے تھے کہ یہ میری مثالی مخلوق ہوگی اور انبیاء کے بعد ان کی مثل نہ چشمِ فلک ان سے پہلے پائے گی نہ بعد میں دیکھ سکے گی اور واقعی یہ ضروری تھا کہ قیامت تک باقی رہنے والے دین کو رسول ﷺ سے لے کر اقوامِ عالم بلکہ ساری انسانیت کو پہنچانے والے لوگ ایسے ہی مثالی کردار کے حامل ہوتے ۔ جن کی ہر کوشش دین کے لئے اور ہر محنت دین کی خاطر ہو اور حق تو یہ ہے کہ نہ صرف مکہ و مدینہ منورہ کی زندگی میں رُوم و ایران کی جنگوں اور قیصر و کسریٰ کے مقابلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دین کی حفاظت کا حق ادا فرمایا بلکہ آج بھی ان کی ذواتِ مقدسہ اس بارگاہ کی پہرہ دار ہیں اور آج بھی اگر ان کو ہٹا دیا جائے تو دین مخلوق تک پہنچ ہی نہیں سکتا ۔ وہ لسانِ نبوت ہیں ، ترجمانِ نبوت ہیں ۔ انھوں نے قرآن کو براہِ راست حضور اکرم ﷺ سے سُنا ، سیکھا ، سمجھا اور پھر آپ کے سامنے اس پر عمل کر کے اپنے عمل کی صحت کی سند حاصل کی ۔ صدیاں بیت گئیں ، کفر کے ظلمت کدے سے اُٹھنے والی ہر لہر ان ہی سے جا ٹکرائی مگر ہمیشہ کی طرح اپنا پاش پاش سر لے کر پھر اُنھی اندھیروں میں گم ہو گئی بلکہ بعض نادان دوستوں نے بھی اُن مقدس ہستیوں پر مقدمہ چلانا چاہا ۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ طبری اور کلبی گواہ ہیں ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معاذ اللہ مُلزم اور آج کے محققین مُنصف ، سُبحان اللہ !

پنجابی کی ایک مثال ہے " ذات دی کوڑ کرلی ، شہتیراں نوں جپھے " مگر اس سب کے باوجود ان کی شان ویسی کی ویسی ہے نہ بے داغ ہے کہ خود قرآن کریم کی لازوال شہادتیں کسی کا کچھ بس نہیں چلنے دیتیں ۔ جب یہاں تک بات درست ہو گئی تو اب بے شک ثابت ہوا کہ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۔

عظمتِ صحابہ پر یہ لاریب گواہ ہے اور اس بات کا واضح ثبوت کہ مقامِ صحابیت خود ایک خصوصیت کا حامل ہے جو بجز صحبتِ رسول نصیب نہیں ہو سکتی ۔ یہ کہنا کہ الصحابۃ کلھم عدول کا کلیہ صرف احکامِ دین پہنچانے کی حد تک درست ہے ذاتی زندگی میں ان کا صالح ہونا اس سے ثابت نہیں ۔ یہ ایسی بات ہے جسے عقل تسلیم نہیں کرتی کہ ایک شخص بیک وقت بدکار بھی ہو اور راست باز بھی ۔ پھر راست باز بھی ایسا کہ اللہ کا آخری کلام ، اللہ کی مخلوق تک پہنچانے کا سبب اور ذمہ دار قرار پائے ۔ معترضین کو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی حکایت بطور ثبوت مل گئی مگر کاش اسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کی بجائے ان کی مثال کو توبہ کے حوالے سے مدحِ صحابہ میں بیان کیا جاتا جو اس کا اصلی مقام تھا ۔ اور ایسے واقعات کی فہرست میں بھی تریسٹھ ۶۳ برسوں میں صرف دو واقعات ملتے ہیں ۔ لہٰذا دین اور حقانیتِ دین کے زندہ ثبوت یہی معزز مقدس اور بزرگ ہستیاں ہیں ۔

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یہ رہبری کرتا ہے ان لوگوں کی جو متقی ہوں ہدایت ، رہنمائی کے معنوں میں تو ساری انسانیت کے لئے ہے

دعوت الی الحق تو سب کے لئے ہے مگر رہبری صرف ایسے لوگوں کے لئے جو اپنے میں اس کے ساتھ چلنے کی استطاعت پیدا کرلیں۔ یہ قوت ہے تقویٰ۔ جس کا اردو ترجمہ "ڈر" لکھا ہوتا ہے۔ مگر یہ لفظ، یہاں اس کی مراد کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اس کا اصل مقصد ایک خاص ڈر ہے جو کسی محبوب ہستی کی ناراضگی کا ڈر ہو۔ جو کسی کے روٹھ جانے کا اندیشہ ہو، جو ہر حال میں کسی پر نثار ہونے کی تمنا ہو۔ یہ وہ جذبہ ہے جو تمام خواہشات اور ارادوں کو، تمام آراء اور مشوروں کو صرف اس وجہ سے روک دے کہ ایسا کرنے سے میرا رب مجھ سے خفا نہ ہو جائے اور اگر بمقتضائے بشریت غلطی صادر ہو بھی جائے تو احساسِ گناہ دل میں کانٹے کی طرح چبھتا اور توبہ پر مجبور کر دیتا ہو۔ یہ تقویٰ ہے۔ ولم یصروا علی ما فعلوا۔ حصولِ تقویٰ کے لئے کونسا راستہ ہے اور متقیوں میں کیا اوصاف پائے جاتے ہیں؟

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ سب سے پہلی بات ایمان بالغیب ہے۔ کہ ایسے لوگ ان تمام باتوں پر جو حواسِ انسانی کی رسائی سے باہر ہیں، رسول پاک ﷺ کے بتانے سے ایمان لاتے اور تصدیق کرتے ہیں۔ سب سے بڑا غیب خود ذاتِ باری ہے جس کی قدرت اس کی تخلیق سے تو ہویدا ہے مگر جو نہ نظر آتا ہے نہ جس کی کوئی مثال بیان کی جا سکتی ہے پھر تمام حقائقِ اُخرویہ دوزخ و جنت، عذاب و ثواب، قبر، سوال و جواب قبر حشر و نشر، فرشتے، لوحِ محفوظ۔ غرض ہر وہ شے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے مگر حواسِ انسانی مادی کے ادراک سے بالاتر ہے اُسے صدقِ دل سے مانتے ہیں اور یہ ماننا صرف اعتماد علی الرسول ﷺ پر منحصر ہے ورنہ کوئی حیلہ عقلی وہاں تک رسائی نہیں رکھتا۔

آج کے دور میں چونکہ اس اعتماد میں بہت کمی آگئی ہے ایک طویل دور درمیان میں حائل ہے اور بقول دخل الزمان بیننا و فرق بیننا ان الزمان ھفرق الاحباب۔ (زمانہ ہمارے درمیان در آیا اور ہمیں جدا کر دیا بے شک زمانہ دوستوں کو جدا کرنے والا ہے)۔ اس درازیٔ مدت اور نئی روشنی کے اندھیروں نے آج کے مسلمان سے وہ درد چھین لیا ہے جو قربِ نبوی سے دل میں پیدا ہوتا ہے اور بغیر کسی عقلی دلیل کے سب سے بڑی دلیل پہ اعتبار کراتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمادینا سب سے بڑا ثبوت ہے اور بس۔ اس ساری حقیقت پر ایمان انسان کو مجبور کر دیتا ہے کہ عملی زندگی کو اس روش پر ڈھالے جو قربِ الٰہی کا سبب ہو۔ جس کا سب سے پہلا زینہ صلوٰۃ ہے۔

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ یعنی صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں۔ اقامتِ صلوٰۃ، صرف نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ صلوٰۃ کا ایک خاص اہتمام کرنا ہے وقتِ جماعت مسجد میں حاضری کا احساس ایک فکر جو ارکانِ وضو سے لے کر ارکانِ صلوٰۃ تک کارفرما ہو اور پھر نہ صرف صلوٰۃ ادا کرتا ہو بلکہ حقیقتاً تو اقامتِ صلوٰۃ یہ ہے کہ جہاں جہاں سے گزرتا جائے وہاں کے لوگوں کو بھی صلوٰۃ کا عادی بناتا جائے تب لطف ہے نماز قائم کرنے کا۔ مگر یہ ما و شما کا مقام نہیں تو کم از کم وقت پر اور درست طریقے سے اپنی صلوٰۃ ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ ایمان باللہ اور حضورِ باری کے اس اثر کو دیکھو کہ جن چیزوں پہ کافر جان دیتے ہیں وہ ان سب چیزوں

کو اللہ کے حکم پر نثار کرتا ہے اگرچہ انفاق کا ترجمہ ادائے زکوٰۃ اور صدقات کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تو فرائض و واجبات کی ہی بات نہیں بلکہ عملی زندگی کے معاشی پہلو پہ بات ہو رہی ہے۔

یہ صرف معاشیات ہی ہیں جو انسانی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہیں جو چوری چکاری سود و رشوت کا سبب ہیں جن کی اصلاح تمام مکاتبِ فکر کے ماہرین چاہتے ہیں بلکہ یہ ایک تمدن کا حصّہ ہے اور قرآن کریم نے اس کی اصلاح کا جو طریقہ اختیار فرمایا ہے وہ ان سب سے الگ ہے یعنی وہ خرچ اللہ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں ظاہر ہے جس شخص کو اللہ کے قانون کے مطابق خرچ کرنا ہوگا اسے غلط راستے سے کمانے کی کیا ضرورت ہے پھر یہاں تو بات سیدھی سی ہے کہ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یعنی اس رزق میں سے جو ہم انہیں دیتے ہیں کہ جب دینے والا اللہ ہے تو حصولِ زر کے لیے ناجائز ذرائع کی کیا ضرورت؟ ظاہر ہے کہ صرف انسانی نقطۂ نظر کا فرق ہے ورنہ جب رزق اللہ کی طرف سے ہے تو یقیناً وہی ملے گا جو مقرر ہے چاہے چوری کرے، چاہے تو مزدوری کرے اور پھر انسان کو تمام چیزیں اللہ کی طرف سے بطور رزق ہی ملی ہیں جسم و جان، عقل و خرد، قوت و طاقت، علم و ہنر ہر کمال اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا مصرف اللہ کی راہ میں اور اللہ کی رضا کے لیے ہے یہ صرف حکایت نہیں بلکہ تاریخ عالم اس مقدس معاشرے کی گواہ ہے جو اس طرز پر تعمیر ہوا اور جس کے آثار اب بھی باقی ہیں اور جو انشاء اللہ تاقیامت رہیں گے۔

تصوّف چھپا کر رکھنے کی چیز نہیں

اس میں تصوّف کے لیے بھی اشارہ ملتا ہے کہ جس قدر بھی چیزیں اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں ان سب میں تصوّف قیمتی دولت ہے اسے چھپا کر نہ رکھے بلکہ اللہ کی مخلوق تک پہنچائے۔

ایک مسلمان جس طرح حصولِ رزق کے لیے حلال و حرام کا مکلّف ہے اُسی طرح خرچ کرنے کے معاملے میں بھی اس کی کوئی پائی مرضیاتِ باری کے خلاف خرچ نہ ہو۔ اور یہی وہ سنہری اصول ہے جسے سوائے اسلام کے کسی نے بیان نہیں کیا۔ حالانکہ یہ سب سے مؤثر ہے کہ جب اخراجات محدود و مقرر ہوں گے تو بے حد آمدنی کی خواہش بھی نہ اُبھرے گی اور یہ سب اس وقت ہوگا جب انسان کُلّی طور پر اطاعتِ رسول ﷺ اختیار کرے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ جو آپ ﷺ پر نازل ہوا اس سب کو صدقِ دل سے مانیں اور جو کلامِ الٰہی آپ ﷺ سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا اس سب کو اللہ کا کلام مانتا ہو اگرچہ عمل صرف اُس آخری کلام پر ہوگا۔ مگر ایمان تمام ارشاداتِ باری پر ضروری ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ کا کلام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں کوئی بات اللہ کی طرف سے نازل ہوئی اس کا منکر کافر ہوگا۔ خواہ وہ بات بھی اس تک نہ پہنچی ہو۔ جیسے کوئی کہہ دے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہونے والے صحائف کو نہیں مانتا اگرچہ اُسے علم ہی نہ ہو کہ ان میں کیا بات ارشاد ہوئی تھی۔ وہ مومن نہ رہے گا۔

ختمِ نبوّت کی دلیل

اگر حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی نئی نبوت یا نزولِ کلام کا امکان ہوتا تو پہلے نازل ہونے والے کلام کی نسبت اس کے بارے بہت کچھ ارشاد ہوتا کہ لوگوں کو وہ حالات پیش آنے والے تھے اور اُن کا منکر بھی کفر کی زد سے بچ نہ سکتا تھا۔ مگر یہاں صرف مِنْ قَبْلِكَ پر اکتفا اس بات پر بہت بڑی دلیل ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر نبوت اور نزولِ کلام تمام ہوئے۔ اگر عیسےٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو مومن اُن پر پہلے سے ایمان رکھتے ہیں مگر کوئی نیا نبی اور نیا کلام آنے کا کوئی امکان نہیں۔ جن لوگوں نے ایسے دعاوی کیے ہیں۔ اُنھوں نے محض ہوا میں قلعے بنانے کی ناکام کوشش کی ہے خود گمراہ ہو کر دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اور آخرت کے ساتھ پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اگرچہ آخرت بھی ایمان بالغیب ہی کا ایک رُکن ہے مگر ایسا عظیم رُکن ہے کہ جس پر ساری انسانی زندگی کی تعمیر کی بنیاد ہے۔ اس پر بہت پختہ یقین کی ضرورت ہے ایک ایسا یقین، جو قدم کو اُٹھنے سے پہلے تھام لے۔ اور یہ سوچنے پر مجبور کردے کہ اس کا اُخروی نتیجہ کیا ہوگا؟ اب اُسے اس کیا ہوگا؟" کا جواب بھی اور پھر کیا کروں کا جواب بھی محمد رسول اللہ ﷺ سے مل سکے گا اور اُس کی زندگی سُنّت کے مطابق ڈھلتی چلی جائے گی۔ والا فلا یہاں یومنون کی جگہ یوقنون اسی بات کو واضح کر رہا ہے اور دورِ حاضر کی بداعمالی کا بنیادی سبب اسی یقین کی کمی ہے۔ یقینِ کامل نام ہے دل کی تصدیق کا۔ دل کے مان جانے اور دل کے اعتبار کرنے کا۔ لہٰذا جن لوگوں کو اوصافِ بالا نصیب ہیں۔ اولٰئک علی ھدًی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون ۝ ، یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہیں جو اُس نے اپنی شانِ ربوبیت سے بتایا ہے کہ اس کی شانِ ربوبیت کا تقاضا تھا۔ جس طرح بدن کی ضرورتوں کا احساس اور تکمیل کے طریقے ہر ذی رُوح کو فرمائے اِسی طرح رُوحِ انسانی کی زندگی اور آرام کے لیے بھی طرق ارشاد فرما دیے جن لوگوں نے اُسے اختیار فرمایا وہی لوگ ہیں جو حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

دُنیا کا ہر انسان ہر کام میں فلاح اور کامیابی کے لیے کوشاں ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ کامیاب ہو مگر لوگوں نے کامیابی و ناکامی کے معیار اپنی طرف سے مقرر کر رکھے ہیں۔ جو کسی طور درُست قرار نہیں دیئے جا سکتے حقیقی معیار وہ ہے جو اس کائنات کے خالق نے ارشاد فرمایا ہے اور جس کی تعلیم حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہر دَور میں انسانی معاشرے کی راہنمائی کرتی رہی اور بالآخر حضور نبی کریم ﷺ پر یہ سلسلہ تمام ہوا۔ اگر آپ کی بعثت کے بعد بھی کسی کو ایمان نصیب نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ قبولِ ایمان کی استعداد ہی نہیں رکھتا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ضائع کر چکا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی جو لوگ آپ ﷺ کی تعلیمات خود آپ کی زبانِ حق ترجمان سے سُن کر پھر ایمان نہیں لاتے تو وہ ایمان لا ہی نہیں سکتے کہ نہ اس سے بڑھ کر کوئی نبی ہے اور نہ کلام۔ اس بات کو جاننے

کے لئے یوں غور کریں کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں اور نہ اکیلے رُوح کا۔ بلکہ جسم و جان مل کر انسان کہلاتے ہیں۔ جسم کی ضروریات ہیں۔ یہ بے شمار چیزوں کا محتاج ہے جن میں لباس اور غذا سب سے زیادہ ضروری اور اس کی بقاء و تعمیر کا سبب ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ اس کی صحت و علاج معالجہ ہیں اگر صحت درست نہ ہو تو نہ غذا کام کرتی ہے اور نہ لباس خوشی دیتا ہے۔ یہاں دو چیزیں ہیں کہ غذا ہر جگہ سے اور ہر کسی سے فراہم ہو سکتی ہے مگر دوا اس طرح نہیں یہ دینے والے لوگ مخصوص ہوتے ہیں جو ہمارے جسم کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں اس کی بیماری کو، اس کے سبب کو اور علاج کو جانتے ہیں ہم ہمیشہ اُن سے رجُوع کرتے ہیں۔ جسم مادی ہے اور اس کی غذا بھی مادی ہے۔ دوا بھی مادہ سے آتی ہے۔ پھر اس کا معالج ہر وہ شخص بن جاتا ہے جو اس فن کو حاصل کرے خواہ نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، بات فن کو حاصل کرنے کی ہے۔

رُوح امرِ باری ہے اور بہت لطیف شے ہے حتیٰ کہ فرشتے سے بھی لطیف تر، ضروریات اس کی بھی اُتنی اور اُسی طرح کی ہیں۔ جیسی بدن کی۔ مگر یہ مادی نہیں بلکہ لطیف ہے پھر اس کا معالج ہر کوئی نہیں بن سکتا۔ یہ ایسا قیمتی فن ہے جس کے لئے افراد ازل سے چُنے گئے بلکہ تخلیق ہی خصوصی طور پر کیے گئے۔ کوئی کتنی بھی محنت کرے اس کمال کو نہیں پا سکتا۔ اصطلاحِ شریعت میں ان کو نبی کہا گیا ہے پھر یہ حضرات بھی اپنی طرف سے کچھ تجویز نہیں کرتے بلکہ اس کی غذا، اس کی دوا خود اللہ مہیا کرتا ہے۔

نبی میں وہ قوت ہوتی ہے کہ براہِ راست خطابِ باری سے مستفیض ہوتا ہے اور دوسری مخلوق اس کی وساطت سے۔ یہ اتنا اہم کام ہے کہ ہر کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ بلکہ اللہ نے جن کو بنایا اُنہی کو بنایا۔ پھر انھوں نے مخلوق تک یہ بات پہنچائی کہ جیسے گندم، بدن کی بنیادی غذا ہے اللہ کا ذکر، رُوح کی بنیادی غذا ہے جیسے کھانا کھانے کے اوقات اور طریقے ہیں جس طرح جسمانی صحت کے لئے دوا ہے اُسی طرح ذکر و عبادت کے اوقات اور اس کے طریقے ہیں اور رُوح کی دوا توبہ و استغفار ہے۔ جس طرح بعض چیزوں کے کھانے سے پرہیز جسمانی صحت کے لئے ضروری ہے اسی طرح بعض افعال سے پرہیز روحانی صحت کی ضرورت ہے۔ یہ سب چیزیں اسی طرح ضرُوری ہیں جیسے ہم جسمانی ضروریات کو اہم جانتے ہیں۔ پھر جس قدر انبیاء علیہم السلام دُنیا میں تشریف لائے اُن سے آخر وہ ہستی آئی جو سب کی سردار اور ساری کائنات کے لئے اللہ کی رحمت ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ رات ہے اور مجھے دکھائی نہیں دیتا تو چراغ روشن کریں گے اگر پھر بھی کچھ نہیں دِکھتا تو بجلی وغیرہ کی روشنی کریں گے پھر بھی کچھ نظر نہ آیا تو سُورج کے طلُوع ہونے کا انتظار۔ اگر سُورج طلوُع ہونے کے بعد بھی اُسے کچھ نظر نہ آئے تو پھر اس کی قوتِ بینائی ضائع ہو گئی اور وہ اندھا ہو گیا۔

بالکل اُسی طرح بعثتِ رسُول ﷺ کے بعد بھی جو کافر رہا وہ لاعلاج ہُوا۔ غور کریں کہ جسمانی حُسن حضور ﷺ کا کائنات میں بے مثل، باتوں میں وہ شیرینی جو صرف آپ ﷺ کا خاصہ ہے اور بات اللہ تعالیٰ کی، زبان رسُول اللہ ﷺ کی، خطابت کا لُطف الفاظ کی بندش، زبان کی شیرینی اور لبِ رُخسار کا حُسن بھی جو یہاں ہے وہ کہیں نہیں اور تقدس بھی بے مثال۔ اب یہ بات بھی جس کے دِل میں نہ

اُتنے شاید اُس کے پاس دِل ہی نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ہدایت کا منبع اور نُور کا مینار تو آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے جو آپ سے بھی مستفیض نہ ہوا وہ کہاں ہو سکے گا؟

ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم۔ ان کے دلوں پر اللہ نے مُہر کر دی ہے کانوں پر بھی اور ساتھ ہی آنکھوں پر بھی پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ ہم دل کو ایک پمپنگ مشین سمجھتے تھے مگر یہ تو بڑی شے نکلا ذرا سوچیں تو دماغ کیا ہے؟ رگوں کا ایک مجموعہ۔ مگر اس میں کیا کچھ خزانے دفن ہیں۔ اور کس قدر علوم کو سیکھنے کی قوت ہے کس قدر یادداشتیں اور کتنی وُسعت ہے؟ اپنے اس سارے کمال کے باوجود خطابِ الٰہی کا سزاوار نہ ٹھہرا مگر یہ نعمت دل کے حصے میں آئی۔ فرمایا: نزل به الروح الامین علی قلبك۔ یعنی کلامِ الٰہی کا نزُول قلب پر ہوا۔ گویا قلب کی استعداد اس سے کروڑوں گنا زیادہ نکلی۔ اس کی وُسعت ناپیدا کنار اور عظمت ناپ کے پیمانوں سے بالاتر نکلی۔ یہ صرف لوتھڑا نہیں اور نہ صرف مشین ہے بلکہ ایک وسیع کائنات ہے ایک مکمل جہان ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے قلوب فیضانِ باری کو قبول کرتے اور تقسیم کرتے ہیں اور مومنین کے قلوب ان سے انوار کو اخذ کرتے ہیں۔ مگر کفر ایسی بلا ہے جو قلوب سے یہ استعداد چھین لیتی ہے جیسے خودکشی کرنے والا جب اپنے آپ کو گولی مارتا ہے تو موت تو اُسے اللہ ہی دیتا ہے مگر اس کا سبب وہ خود بنا۔ اسی طرح ایک غلط کار انسان کی مسلسل غلط کاری دل کی موت کا سبب بن جاتی ہے اور اللہ اس کے دل پر مُہر کر دیتا ہے جس کا سبب اس کا اپنا کردار ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اگر توبہ کرے تو خیر ورنہ ہر گناہ سے سیاہی بڑھتی رہتی ہے جو آخر کار سارے دل کو سیاہ کر دیتی ہے اسی کو دل کا اندھا پن اور دل کی موت کہا گیا ہے اگر انسان جسمانی زندگی سے زندہ بھی رہا تو کیا ہوا؟ بے شمار جانور یہ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی اصل فضیلت تو اس کی رُوحانی زندگی تھی جسے اس کی نادانی نے کھو دیا۔ یہاں ایک لطیفہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ خالق اور مخلوقِ خدا کے درمیان ایک تعلق ایسا لطیف تر ہے جو ان کا ذاتی ہے اور بجز ذاتِ باری کوئی نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کو بھی تب اطلاع ہوئی جب اللہ نے بتایا کہ ان افراد یا اس قسم کے افراد کے ساتھ میرا تعلق اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ اب اُن کو توبہ نصیب نہ ہو گی تو یہ تعلق چونکہ ہر انسان کا علیحدہ ہے اس لیے ہر آدمی پر نزولِ رحمت بھی الگ طرح سے ہوتا ہے۔

اجتماعی ذکر کی حکمت

یہی وجہ ہے کہ مشائخ اجتماعی ذکر کی تلقین فرماتے ہیں کہ ایک شخص پر ایک رنگ کی رحمت ہو گی تو دوسرے پر دُوسری طرح کے انوار۔ لہٰذا اگر کافی لوگ ہوئے تو انوار بھی رنگارنگ ہوں گے۔ گویا ایک گلدستہ بن رہا ہے اور یہ راز صلوٰۃ باجماعت میں بھی ہے۔ یہ سب انعامات دل کی دُنیا میں ہیں جنہوں نے یہ دولت ہی ضائع کر دی یا اس طرف متوجہ ہی نہ ہوئے ان کو اس وقت خبر ہو گی جب مادّی جہان اور اس کی نعمتیں نہ رہیں گی اور صرف وہ انعامات باقی ہوں گے جن کا مدار دل کی زندگی، رُوح کی زندگی اور اس کی استعداد

پر ہے۔ دماغ اور زبان کا اقرار عند اللہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک تصدیقِ قلبی ساتھ نہ ہو تو گویا جس طرح جسم مادی دُنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ پیغامِ الٰہی کی تصدیق کر کے دِل بھی زندگی کے میدان میں وارد ہوا۔ مگر اس کے بعد لوگ صرف جسم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور یہ نومولود قلب سسکتا بلکتا رہ جاتا ہے اور بالآخر چند ہچکیاں لے کر موت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوگ مسلمان گھرانوں میں جنم لینے کے بعد کس کس طرح کُفر کی دلدل میں پھنس رہے ہیں۔ اعضاءِ ظاہری کی سلامتی کے ساتھ بے چارے دل اور اس کے سمع بصر کو کھو بیٹھے۔

اعاذنا اللہ منہا۔

الٓمٓ ۱/۲ — رکوع نمبر ۲ — آیات ۸ تا ۲۰

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے ⑧

8. And of mankind are some who say: We believe in Allah and the Last Day, when they believe not.

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ
وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑨

یہ (اپنے پندار میں) خدا کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں ⑨

9. They think to beguile Allah and those who believe, and they beguile none save themselves; but they perceive not.

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ
مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ۬
بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩

اِن کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا خدا نے اُن کا مرض اور زیادہ کر دیا اور اُن کے جھوٹ بولنے کے سبب اُن کو دُکھ دینے والا عذاب ہوگا ⑩

10. In their hearts is a disease, and Allah increaseth their disease. A painful doom is theirs because they lie.

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ
قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ⑪

11. And when it is said unto them: Make not mischief in the earth, they say: We are peacemakers only.

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ
لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

دیکھو یہ بلاشبہ مُفسد ہیں لیکن خبر نہیں رکھتے ⑫

12. Are not they indeed the mischief-makers? But they perceive not.

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ
النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ
السُّفَهَآءُ ۗ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ
وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں بھلا جس طرح بیوقوف ایمان لے آئے ہیں اُسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سُن لو کہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے ⑬

13. And when it is said unto them: Believe as the people[2] believe, they say: Shall we believe as the foolish believe? Are not they indeed the foolish? But they know not..

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚ
وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ
قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭

اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (پیروانِ محمدؐ سے) تو ہم ہنسی کیا کرتے ہیں ⑭

14. And when they fall in with those who believe, they say: We believe; but when they go apart to their devils they declare: Lo! we are with you; verily we did but mock.

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ
فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮

اِن (منافقوں) سے خدا ہنسی کرتا ہے اور اُنہیں مہلت دیئے جاتا ہے کہ شرارت و سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں ⑮

15. Allah (Himself) doth mock them, leaving them to wander blindly on in their contumacy.

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو اُن کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ وہ ہدایت یاب ہی ہوئے ﴿١٦﴾

16. These are they who purchase error at the price of guidance, so their commerce doth not prosper, neither are they guided.

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

اُن کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے (شب تاریک میں) آگ جلائی جب آگ نے اسکے اِرد گرد کی چیزیں روشن کیں تو خدا نے اُن لوگوں کی روشنی زائل کر دی اور انکو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے ﴿١٧﴾

17. Their likeness is as the likeness of one who kindleth fire, and when it sheddeth its light around him Allah taketh away their light and leaveth them in darkness, where they cannot see,—

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

(یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے رستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے ﴿١٨﴾

18. Deaf, dumb and blind, and they return not.

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

یا اُن کی مثال مینہ کی سی ہے کہ آسمان سے (برس رہا ہو اور) اُس میں اندھیرے پر اندھیرا (چھا رہا) ہو اور (بادل) گرج (رہا) ہو اور بجلی (کوند رہی) ہو تو یہ کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے کانوں میں اُنگلیاں دے لیں اور خدا کافروں کو (ہر طرف سے) گھیرے ہوئے ہے ﴿١٩﴾

19. Or like a rainstorm from the sky, wherein is darkness, thunder and the flash of lightning. They thrust their fingers in their ears by reason of the thunder-claps, for fear of death. Allah encompasseth the disbelievers. (in his guidance).

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) اُن کی آنکھوں (کی بصارت) کو اُچک لیجائے جب بجلی (چمکتی اور) اُن پر روشنی ڈالتی ہے تو اُس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر خدا چاہتا تو اُنکے کانوں (کی شنوائی) اور آنکھوں (کی بینائی دونوں) کو زائل کر دیتا۔ بلاشبہ خدا ہر چیز پر قادر ہے ﴿٢٠﴾

20. The lightning almost snatcheth away their sight from them. As often as it flasheth forth for them they walk therein, and when it darkeneth against them they stand still. If Allah willed, He could destroy their hearing and their sight. Lo! Allah is Able to do all things.

اسرار و معارف

یہاں کُفر کی دوسری قسم بیان ہوئی ہے جسے نفاق کہتے ہیں اور یہ اپنے ضرر کے اعتبار سے شدید تر ہے۔ پہلی پانچ آیات میں مومنین کی تعریف۔ پھر دو آیات میں کفر کی وضاحت کے بعد تیرہ آیات میں نفاق اور منافق کے حالات ارشاد ہوئے ہیں تاکہ اس کی خوب وضاحت ہو جائے جس طرح منافق ضرر میں بڑھا ہوا ہے اسی طرح نفاق کا عذاب بھی دوسری قسم کے کُفر سے زیادہ ہو گا۔

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یعنی کفار سے نیچے کے درجے میں اُن کو رکھا جائے گا کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں مگر وہ مومن نہیں ہیں اور مومن نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں بھئی! اللہ کو کیسے دھوکا دے سکتے ہیں فرمایا، اس طرح کہ یہ اللہ کے ایماندار بندوں کو دھوکا دیتے ہیں بظاہر خود کو مسلمان ظاہر کر کے بباطن ان سے دشمنی رکھتے ہیں تو اللہ کے ان مخلص بندوں

سے دھوکا گویا ذات باری سے دھوکا کرنے کی کوشش ہے۔

منافق کی پہچان

والذین امنوا کا مصداقِ اوّل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذوات مقدسہ ہیں تو شدید تر کافر جو تھے وہ بظاہر کلمہ پڑھ لینے کے باوجود ان سے حقیقی تعلق پیدا نہ کرسکے بلکہ مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی سے جلا کرتے تھے فرمایا: ان کا یہ فعل اللہ کے بندوں کا تو کچھ بگاڑ نہیں رہا اُلٹا ان کے اپنے حق میں تباہی کا سبب بن رہا ہے اس طرح وہ اپنے آپ سے دھوکا کر رہے ہیں جس کا انھیں شعور نہیں۔ گویا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت یا ان کے ساتھ خلوص ہی ایمان کی دلیل ہے۔ ورنہ کلمہ پڑھنے کے باوجود منافق ہی رہے گا اور اگر ظاہراً عظمت صحابہ کا منکر ہوا تو کافر ہو جائے گا۔ یہ بات واضح ہے کہ جس قدر مذاہب باطلہ اسلام کے نام پر وجود میں آئے ان سب نے صحابہ کرام کو ہدفِ تنقید بنایا۔ ان میں خواہ منکرینِ حدیث ہوں یا کسی نئی نبوت کے دعویدار۔ سب کی مجبوری یہ رہی ہے کہ قرآن کریم کو اپنی پسند کے معانی پہنا کر اپنی بات بنانے کی کوشش کی جائے اور یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اُن کے مقام سے گرا نہ دیا جائے کہ اُن کی زندگی ہی قرآن کی تفسیر ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کو نبی کریم ﷺ سے سیکھا اور آپ ﷺ کے سامنے قرآنِ پاک پر عمل کرکے اپنے عمل کی صحت کی سند پائی۔ اب اگر اسلام کے نام پر کوئی کفر کا کارخانہ قائم کرنا چاہے تو صحابہ کرام کی ذات پر اعتراض سے آغاز کرتا ہے اور یہی نفاق کی سب سے بڑی دلیل ہے بعض فرقِ باطلہ نے تو صحابہ کرام کو نہ صرف سب وشتم کا نشانہ بنایا بلکہ اس فعلِ شنیع کو عبادت کا درجہ دے کر مذہب کی بُنیاد بنایا۔ ایسے لوگ کفر و نفاق کے جامع ہیں کہ بعض اعمال وعقائد کافرانہ رکھتے ہیں اور بعض منافقانہ۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں میں مرض ہے۔ فی قلوبھم مرض۔ اور مریضِ دل شربتِ محبت پینے کی استعداد نہیں رکھتا بلکہ اس میں حسد اور بُغض کی عفونت پیدا ہوتی ہے اور مخالفتِ مومنین دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ فزادھم اللہ مرضاً۔ اہل اللہ سے عداوت گویا خود اللہ سے عداوت ہے اور اگر توبہ نصیب نہ ہو تو یہ مرض بڑھتا رہتا ہے جو ہلاکت وتباہی پر منتج ہوتا ہے۔

اے کاش! بدن کی فکر کرنے والا انسان کبھی اپنے قلب اور اس کی صحت کی فکر بھی کر لیتا۔ کسی ایسے حکیم کو بھی تلاش کرتا جو دلوں کو منوّر کرتا ہو اور ان کی اصلاح کے فن سے آشنا ہو جب قلبی امراض کا یہ حال رہا تو پھر ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون۔ فرمایا، ان لوگوں کے لئے اتنا بڑا جھوٹ بولنے کی وجہ سے بہت دردناک عذاب ہے گویا ایمان وعمل کی کسوٹی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ اگر ان سے اختلاف کرتے ہوئے کوئی بزعمِ خود بہت بڑی نیکی بھی کر رہا ہے تو عنداللہ وہ صرف نامقبول ہی نہیں بلکہ منافقت کا درجہ رکھتی اور اس پر عذاب الیم مرتب ہوگا۔

واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد پیدا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح چاہتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ نے اصلاح و فساد کا معیار مقرر فرما دیا ہے اگر حدود متعین نہ ہوں تو کوئی ڈاکو بھی خود کو فسادی نہیں کہتا بلکہ اپنی حرکات کا جواز تلاش کرتا ہے مگر یوں کسی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اس کائنات کا خالق خود فیصلہ نہ فرما دے۔ اللہ تعالےٰ نے ایسے لوگوں کو جو اندرونی اور باطنی طور پر دینِ حق سے اختلاف رکھتے تھے فسادی کہا ہے۔

فساد کی حقیقت

یعنی اصلاح نام ہے قول و فعل رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا۔ خواہ عبادات ہوں یا معاملات، ہر حال میں جو بات ان کے مخالف ہوئی وہ فساد ہوگا جیسے صبح کی دو رکعت فرض ہیں تو اگر کوئی ایک پڑھے تو باطل اگر تین پڑھے تو بھی باطل۔ یہ تیسری رکعت بھی پہلی دو کے لیے مفسد ہوگی۔ یعنی تمام بھلائی، تمام خوبصورتی، تمام حُسن اور ساری اصلاح کا معیار ہے محمد رسُول اللہ ﷺ۔ جو شخص کسی کام میں بھی آپ ﷺ سے اختلاف کرنے والا ہوگا وہ فساد پیدا کرنے والا ہوگا۔

آپ دیکھیں! دنیا میں کس قدر مشاہیر گزرے ہیں ہر قوم میں ایسے افراد موجود ہیں جن پر قوموں کو ناز ہے مگر ایسے کتنے ہیں جن کا قول قولِ فیصل ثابت ہوا ہو۔ ایک بھی نہیں۔ قانون اور ضابطے بناتے ہیں پھر خود ہی ان میں ترامیم کرتے ہیں۔ اور یہی اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ اس میں خامی موجود ہے اور اصلاح کی ضرورت باقی ہے صرف ایک ہستی محمد رسُول اللہ ﷺ کی ہے جس نے آج سے چودہ صدیاں پیشتر ایک طرزِ حیات، ایک قانون، ایک معاشرت اور ایک ضابطہ عطاء فرمایا۔ ایسا کامل ایسا جامع جسے نہ زمانہ فرسودہ کر سکا اور نہ کوئی مدبر اس سے بہتر تدبیر کر سکا یعنی جس کام کو جس طرح سے کرنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا وُہی اس کی بہترین صورت ہے اس سے بہتر کبھی نہ ہوگا بلکہ اختلاف پیدا کرنے والا بگاڑ پیدا کر کے مفسد کہلائے گا خواہ اپنے زعم باطل میں وہ کتنا ہی اچھا کر رہا ہو۔

اسی بات کو آپ اس طرح دیکھیں کہ جو حضور ﷺ نے فرمایا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عملاً کیا تو گویا صحابہ کرام کا عمل کسی بھی کام کی انتہائی خوبصورت شکل ہے اور اس کا مخالف مفسد۔ یہی اصلاح و فساد کا معیار ہے ورنہ تو منافق بھی کہتے ہیں کہ جی ہم تو اصلاح چاہتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں خبردار! خوب اچھی طرح سُن لو کہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن ان میں شعور نہیں کہ ہر کام کرنے سے دو طرح کا اثر مرتب ہوتا ہے، ایک ظاہری اور فانی اور دوسرا باطنی اور ابدی۔

بظاہر حرام کھانے سے پیٹ بھر جاتا ہے اور کوئی ضروری نہیں کہ بدہضمی کی شکایت پیدا ہو مگر باطن ایک ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے جو نہ صرف دل کو سیاہ کر دیتی ہے بلکہ اپنی حد تک ماحول کو بھی متاثر کرتی ہے اسی طرح ہر فعل جو سُنّت کے مطابق ہو، نُور پیدا کرتا ہے۔ اور ماحول

میں نُورانیت اور نیکی کا سبب بنتا ہے مگر خلافِ سُنت فعل سے ظلمت پیدا ہو کر ماحول اور معاشرے میں تباہی پھیلانے کا سبب بنتی ہے اور یہی فساد فی الارض ہے جسے جہلا اپنی طرف سے اصلاح کا نام دے کر کرتے ہیں مگر نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔

واذا قیل لھم اٰمنوا اور جب اُن سے کہا جائے کہ بھئی! اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ سب لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں ہم ان بے وقوفوں کی طرح ماننے سے رہے۔ یہ ہے باطنی تاریکی کا اثر جو بالآخر نوکِ زبان تک آ ہی گیا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کیسے ایماندار ہو تمہارے اعمال اس کی شہادت نہیں دے رہے ہیں ان اور لوگوں یعنی صحابہ کرام کو دیکھو تو یہ کس طرح ایمان لائے ہیں تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ اور انہی کی طرح عمل کرو تو کہتے ہیں یہ تو بے وقوف لوگ ہیں عقل سے کام ہی نہیں لیتے ہم ان کی طرح کیسے ہو جائیں رسُول اللہ ﷺ کو بھی مانیں گے اور کام عقل کے مطابق کریں گے۔ بھئی دنیا میں بھی رہنا ہے۔ آخر فرمایا، یہی سب سے بڑی بے وقوفی ہے کہ یہ اپنی عقل کو رہنما بناتے ہیں، حالانکہ یہ منصب رسُول اکرم ﷺ کا ہے اور حقیقی عقلمند وہی ہے۔ جس نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مقابلے میں اپنی عقل کو لاشے جانا اور عقلمندی اتباع میں سمجھی کہ اختلاف حقیقتاً بے عقلی ہے ان سے اختلاف رکھنے والے خواہ عقائد میں ہوں یا اعمال میں، بے عقل ہیں اور بے علم بھی ہیں کہ علم نام ہے حق کو جاننے کا ایسے علوم جو حق سے آگاہ نہ کر سکیں حقیقتاً جہالت کا درجہ رکھتے ہیں۔

ع علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

واذا لقوا الذین اٰمنوا۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے سرداروں کے پاس جاتے ہیں، تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ٹھٹھہ کر رہے تھے۔ یہاں منافقین کا حال تو بیان ہو ہی رہا تھا اللہ کریم نے ان کے سرداروں یا پیشرؤں کو "شیاطین" کا نام دیا ہے کہ جب اپنے شیطانوں کے پاس لوٹتے ہیں۔ یعنی جو لوگ دینِ حق کے خلاف کوئی راہ نکالتے اور اس پر لوگوں کو چلانے کی سعی کرتے ہیں وہ بھی شیاطین ہیں۔ اللہ یستھزیٔ بھم اللہ کریم انھیں ذلیل کرتا ہے ایسے الفاظ جب ذاتِ باری کی طرف منسوب ہوں تو معنی بعید مراد ہوتا ہے وہ معنی جو اس فعل کا نتیجہ ہو۔

جس سے ٹھٹھہ کیا جائے حقیقتاً مراد اُس کو ذلیل کرنا ہوتا ہے تو اللہ ان کو اس طرح ذلیل کرتا ہے کہ انھیں اور ڈھیل دیتا ہے اور وہ گمراہی میں دھنستے ہی چلے جاتے ہیں بظاہر حیاتِ دنیوی پر خوش ہیں کہ ہم نے خوب داؤ لگایا کہ دعویٰ مسلمانی کا کر کے جس قدر فوائد ممکن تھے اسلام سے حاصل کیے اور جہاں قربانی دینے کا وقت آیا ہم جان بچا گئے۔ یہ لوگ اس حقیقت کو پا ہی نہیں سکتے۔ کہ حقیقی فائدہ قربانی ہی میں ہے اور کس قدر عظیم ہے وہ انسان جس کے اوقات، جس کی قوتیں، جس کی دولت اللہ پر نچھاور ہو۔ یہ منافق تو ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی اولٰئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین۔ گمراہی اور ہدایت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

ان میں سے ایک حاصل ہوگی تو دوسری کو رخصت کردے گی۔ انسان کو ضرورت ہے ہدایت کی صحیح راستے کی۔ اب جو کوئی گمراہی اختیار کرے گا تو اس نے ہدایت چھوڑ دی۔

یہاں آج کے بے عمل معاشرے کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ لوگ عمل دین کے خلاف کرتے ہیں اور خود کو ہدایت پر بھی جانتے ہیں گویا دونوں جمع کر رکھی ہیں جو محال ہے۔ یہ لوگ بھی ہدایت چھوڑ کر سخت خسارے میں رہے ان کی یہ تجارت انھیں قطعاً کوئی نفع نہیں دے سکتی بلکہ ان کی مثال تو ایسے ہے جیسے کچھ افراد جنگل وخرابے میں رات کی ہولناک تاریکی میں گھر گئے ہیں اور اندھیرے سے گھبرا کر انھوں نے آگ جلائی جب آگ نے ماحول روشن کیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی۔

مثلھم کمثل الذی استوقد نارًا .... لا یرجعون۔

انسان طبعاً ہدایت کا طالب ہے جب بعثتِ نبوی سے قبل سخت ظلمت وتاریکی چھا رہی تھی تو سب لوگ گھبرا اٹھے اور چاہتے تھے کہ کوئی اعلیٰ صورتِ حال پیدا ہو تو وحی الٰہی ایک روشنی بن کر ظاہر ہوئی اور پورے ماحول کو جگمگا دیا۔ گویا اس ظلمت کدے میں روشنی ہوگئی۔ مگر اس کی قدر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کی روشنی چھین لی اور یہ اس سے استفادہ کرنے کے قابل ہی نہ رہے ذھب اللّٰہ بنورھم۔ اب یہ ظلمت کدے میں بھٹکے رہ گئے کہ دیکھ ہی نہیں سکتے نہ صرف دیکھ نہیں سکتے بلکہ آنکھ کے ساتھ کان اور زبان بھی گئے۔ جب فطری استعداد ضائع ہوئی تو بینائی کے ساتھ تمام حواس کو لے گئی۔ اب یہ نہ اچھی طرح بات کہہ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں جب یہ حواس ہی گئے تو اُن کا لوٹ کر آنا کیسے ممکن ہے گویا گمراہی سے واپسی کی راہ ہی مسدود ہوگئی اب وہ اس سے باز نہیں آتے۔ یا پھر اُن کی مثال ایسی ہے جیسے سخت بارش ہو او کصیب من السمآء جس میں اندھی بھی ہو بجلی کی کڑک بھی اور چمک بھی۔ اس بارش میں چلنے والے لوگ گرفتار بلا ہیں اور گرج کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں مر ہی نہ جائیں۔ حال یہ ہے کہ ان کی یہ بودی تدبیر بھلا انھیں اللہ کی گرفت سے کیسے بچا سکتی ہے۔ اللہ تو ہر حال میں کافروں کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے یعنی یہ ہمہ وقت اُس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اب چمک ایسی ہے کہ آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ جب ذرا چمک ہوئی تو دو قدم چل پڑے پھر جب تاریکی چھا گئی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ جیسے اندھیری سخت بارش میں بادلوں کی گھن گرج میں پھنسے ہوئے مسافر ہوں۔

انسانیت کی حالت یہی تھی جس میں حضور اکرم ﷺ بجلی کی روشنی کی طرح چمکے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کی راہنمائی فرمائی یہ منافقین جب کبھی حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُن کا دل بھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے مگر جب اپنی فطری تاریکی کا اثر ہوتا ہے تو اس گمراہی کے گڑھے میں کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے آنکھ کان سب چھین لیتا کہ جب انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو انصاف کی نگاہ سے نہ دیکھا تو ان کے پاس آنکھ ہی کیوں رہے اور جب آپ ﷺ کے ارشادات نہیں سُنتے تو کان کی نعمت سے فائدہ

ہی کیوں اٹھائیں۔ اور اللہ اس سب پر قادر ہے۔

یہ دنیا دارِ ابتلاء ہے ایک معین وقت تک فرصت ہے کہ انسان باختیارِ خود اگر ہدایت پر چلے تو بہتر ورنہ جیسے چاہے زندگی بسر کرے مگر آخرت میں ایسے لوگوں سے یہ چیزیں واقعی چھن جائیں گی اور میدان حشر میں اس حال میں کھڑے ہوں گے۔ کہ اندھے ہوں گے۔ کان ضائع ہو چکے ہوں گے اور بات کرنے کی توفیق سلب۔ بلکہ دوزخ میں گدھوں کی طرح چلّائیں گے۔ یہ اعمال کا وہ اثر ہوگا جو ظاہر بین نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے امان میں رکھے۔

رکوع نمبر ۳ آیات ۲۱ تا ۲۹ الٓمّٓ ½

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾

لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمکو اور تم کو
پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اسکے عذاب سے) بچو ﴿٢١﴾

21. O mankind! Worship your Lord, Who hath created you and those before you so that ye may ward off (evil):

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ
السَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾

جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت
بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کیلئے
انواع واقسام کے میوے پیدا کئے پس کسی کو خدا
کا ہمسر نہ بناؤ۔ اور تم جانتے تو ہو ﴿٢٢﴾

22. Who hath appointed the earth a resting-place for you, and the sky a canopy; and causeth water to pour down from the sky, thereby producing fruits as food for you. And do not set up rivals to Allah when ye know (better).

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا
عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾

اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے
(محمد عربی) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی
ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے
مددگار ہوں اُن کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو ﴿٢٣﴾

23. And if ye are in doubt concerning that which We reveal unto Our slave[3] (Muhammad), then produce a sûrah of the like thereof, and call your witnesses beside Allah if ye are truthful.

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا
النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ
الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾

لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو
اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے
(اور جو) کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے ﴿٢٤﴾

24. And if ye do it not—and ye can never do it—then guard yourselves against the fire prepared for disbelievers, whose fuel is of men and stones.

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا
مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا
الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ
مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ
مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُنکو
خوشخبری سنا دو کہ انکے لئے (نعمت کے) باغ ہیں جنکے
نیچے نہریں بہ رہی ہیں جب انہیں اُن میں سے
کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائیگا تو کہیں گے یہ تو
وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو ایک دوسرے
کے ہمشکل میوے دیئے جائینگے اور وہاں اُنکے لئے
پاک بیویاں ہونگی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہینگے ﴿٢٥﴾

25. And give glad tidings (O Muhammad) unto those who believe and do good works; that theirs are Gardens underneath which rivers flow; as often as they are regaled with food of the fruit thereof, they say: This is what was given us aforetime;[4] and it is given to them in resemblance. There for them are pure companions; there for ever they abide.

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ
مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا
مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ
كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾
الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ
بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾
كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا
فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ
جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ ع

خدا اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اُس سے
بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان
فرمائے۔ جو مومن ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ اُن کے
پروردگار کی طرف سے سچ ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے
ہیں کہ اس مثال سے خدا کی مُراد ہی کیا ہے اس سے
(خدا) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا
ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو (۲۶)
جو خدا کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے
ہیں اور جس چیز (یعنی رشتہ قرابت) کے جوڑے رکھنے
کا خدا نے حکم دیا ہے اُسکو قطع کئے ڈالتے ہیں اور زمین میں
خرابی کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں (۲۷)
(کافرو) تم خدا سے کیونکر منکر ہو سکتے ہو جس حال میں کہ
تم بے جان تھے تو اُسنے تمکو جان بخشی پھر وہی تمکو مارتا ہے پھر
وہی تمکو زندہ کریگا پھر تم اُسی کیطرف لوٹ کر جاؤ گے (۲۸)
وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے
پیدا کیں پھر آسمانوں کیطرف متوجہ ہوا تو اُنکو ٹھیک
سات آسمان بنا دیا اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے (۲۹)

26. Lo! Allah disdaineth not to coin the similitude even of a gnat. Those who believe know that it is the truth from their Lord; but those who disbelieve say, What doth Allah wish (to teach) by such a similitude? He misleadeth many thereby, and He guideth many thereby; and He misleadeth thereby only miscreants;

27. Those who break the covenant of Allah after ratifying it, and sever that which Allah ordered to be joined, and (who) make mischief in the earth: Those are they who are the losers.

28. How disbelieve ye in Allah when ye were dead and He gave life to you! Then He will give you death, then life again, and then unto Him ye will return.

29. He it is Who created for you all that is in the earth. Then turned He to the heaven, and fashioned it as seven heavens. And He is Knower of all things.

اسرار و معارف

دنیا میں صرف دو قومیں ہیں ، یاایھا الناس اعبدوا ربکم ...... وانتم تعلمون ۔

ایمان و کفر کا فرق اور مومن کے اوصاف اور کافر کی عادات ارشاد فرما کر پوری آبادی میں صرف دو قومیں مقرر فرمائی ہیں۔ ایک مومن ، دُوسری کافر۔ جو محض دعویٰ کرنے سے نہیں بن سکتا بلکہ ایمان اور کُفر کا معیار بھی ارشاد ہوا اور ایمان کا دعویٰ کرنے والے ان کافروں کی نشاندہی بھی فرما دی گئی جو عقائد تو کفریہ رکھتے ہیں مگر مدعی اسلام کے ہیں۔ ان کی حرکات فساد کا سبب ہیں جس کو وہ اصلاح کا نام دیتے ہیں یہ کفر ہی کی خطرناک تر قسم ہے کوئی تیسری قوم نہیں جب حق و باطل واضح ہو گیا تو اب صلائے عام ہے ساری نوعِ انسانی کو، کہ سب طرح کی غلط روشیں چھوڑ کر حق کو اپناؤ اور اس ہستی کی عبادت کرو، یعنی اس کی اطاعت اختیار کرو جو تمہارا رب ہے۔ رب اس کو کہتے ہیں جو سب ضرورتمندوں کی تمام حاجات ہر وقت اور ہر جگہ پوری کر رہا ہو اور بتدریج ہر شے کو اس کے کمال کی طرف لے جا رہا ہو۔

عبادت کی حقیقت اطاعت ہے اور اطاعت کے لئے بنیادی جذبہ جلب منفعت ہے یا پھر دوسرے درجے میں دفع ضرر۔ اعمالِ انسانی

کا محرک یہی جذبہ ہے دُنیا میں کوئی شخص کوئی کام اس امید کے بغیر نہیں کرتا کہ اس کے کرنے سے فلاں طرح کا نفع حاصل کروں گا۔ جہاں یا جس ہستی سے اس کی اُمید وابستہ ہوگی وہیں اس کا سرِ تسلیم خم ہوگا۔ اگرچہ اللہ کریم اپنی ذات میں ایسا ہے کہ ہر حال میں عبادت کا مستحق اور معبودِ حقیقی ہے مگر یہ بات عام عقول سے بالاتر ہے لہٰذا دعوتِ عبادت کا سبب اس کی ربُوبیت کو رکھا اور فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو کہ وہ تمھارا خالق ہے اور تمھارے آباؤ اجداد کا خالق ہے۔ جب تخلیق اس کی ہے تو اس کی بقا۔ کا ذمہ دار بھی وہی ہے یہاں خالقیت کو دلیلِ ربُوبیت بنایا ہے کہ جب پیدا اُس نے کیا ہے تم کو تمھارے آباؤ اجداد کو یا تم سے پہلے کی ساری مخلوق کو، جن ہوں یا فرشتے جو کوئی بھی تم سے پہلے ہے سب اُس کی مخلوق ہے۔ نیز من قبلکم سے یہ بھی واضح ہُوا کہ یہ اُمت آخری اُمت ہے۔ پہلوں کا ذکر فرمایا مگر بعد والوں کے بارے میں اشارہ تک نہیں ملتا کہ اس کے بعد کوئی اُمت ہی نہیں۔

اس کی اکیلی ذات خالق ہے باقی سب مخلوق۔ اور مخلوق خود اپنی بقا میں محتاج ہوا کرتی ہے لہٰذا وہ تو ربُوبیت کی یا دوسروں کو باقی رکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی تو لامحالہ وہی رب ہے اور رہی تمھاری بات تو تمھیں اس کی عظمت کا احساس اور اُس کی ذات کی معرفت کا شمہ تب ہی نصیب ہوگا جب تم اس کی اطاعت اختیار کرو گے

لعلکم تتقون۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ تقویٰ کا ترجمہ ڈر بھی کیا جاتا ہے۔ جو موقع کی مناسبت سے دُرست ہے مگر یہاں تقویٰ سے مُراد، دلی کیفیت ہے وہ جذبہ ہے جو صدقِ دل سے اطاعتِ الٰہی پر کاربند کرے اور اللہ کی ناراضگی انسان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائے۔

انسان کی فضیلت کا سبب معرفتِ الٰہی ہے

انسان کو یہ استعداد اور قوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی معرفت اختیار کرے۔ باقی ساری مخلوق جو تکوینی طور پر اللہ کی اطاعت کر رہی ہے اُسے یہ استعداد نصیب نہیں، سُورج ہو یا چاند، زمین ہو یا موسم اور ہوائیں حتیٰ کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی اطاعت پر کمربستہ ہے مگر اطاعت صرف حکم کی کرتے ہیں حکم دیئے جاتے ہیں اور وہ بجا لاتے ہیں ان کے پاس سوائے تعمیلِ ارشاد کے چارہ نہیں مگر اس کے باوجود حاکم کیسا ہے اور اس کی صفات کیسی کامل، اُس کی ذات کیسی جمیل اور مصدرِ حُسن و کمال ہے یہ وہ نہیں جانتے اور نہ انھیں اس کے جاننے کی طاقت ہی ملی ہے۔ یہ استعداد نبوت سے تعلق رکھتی ہے جس سے صرف انسانیت کو سرفراز فرمایا گیا ہے۔

انسان کی ذات دو حصوں میں منقسم ہے ایک میں تو اس کا حال اُن سے مختلف نہیں مثلاً پیدا ہونا، مرنا، صحت و بیماری، قد کاٹھ، شکل و صورت نر یا مادہ ہونا، امیری و غریبی۔ یہ سب چیزیں اس کے بس میں نہیں۔ ان کے ساتھ یہ بھی تقدیر کے دھارے میں بہتا رہتا ہے مگر اس سب کے ساتھ اسے ایک خاص ذوقِ جمال ودیعت ہوا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے مختلف اشیاء کو حاصل کرنے کا اختیار بھی۔ مکان، لباس اور غذا تک میں اس کا یہ

جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ جہاں اس کے سامنے دنیا کا حسن بکھیر دیا ہے وہاں اسے معرفتِ ذات کی استعداد بھی دی ہے اگر یہ اس کو کھو دے تو اس کی ساری طلب دُنیا کے حُسن کو پانے میں صرف ہوتی ہے لیکن اگر یہ اس نقصان سے بچ جائے اور اسے کوئی شمہ معرفتِ باری کا نصیب ہو تو پھر سارے جہان کے حُسن کو اس پہ نثار کر دیتا ہے اس حالت کو اس شعر نے خوب بیان کیا ہے۔ ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یوں کہتے ہیں

اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

اگر یہ پروانہ شمعِ دُنیا پر قربان ہونے سے پیشتر رُخِ روشن کو دیکھ پائے جس کی استعداد اس میں رکھی گئی ہے تو پھر کبھی اس طرف سے نہیں پھرتا یہی اس کا مطلب ہے کہ الفانی لا یرد اور یہ جذبہ جو اُسے ہر حال جمالِ باری پہ قربان ہونے کو بے قرار کئے رکھتا ہے اس کو تقوٰی کہا گیا ہے اس کے حصول کا سبب اللہ کی عبادت کو قرار دیا ہے کہ اللہ کی ذات شعور و ادراک کی وُسعتوں سے بالاتر ہے اور کمندِ خیال کی رسائی سے باہر، آنکھیں اس کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتیں اور کسی چیز سے اس کی مثال دینا ممکن نہیں تو پھر اس کو پا لینے کا طریقہ کیا ہے۔ یہی اُس کی عبادت اور اطاعت کا واحد راستہ ہے جو جبین اس کی چوکھٹ پر جُھکتی ہے وہ اس کے نور سے منور ہو جاتی ہے اور جو دل اس پہ نثار ہوتے ہیں اس کی تجلیات کے مہبط بن جاتے ہیں۔ نیز یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ معرفت کا مدار عبادت پر ہے کہ اور کوئی راستہ نہیں۔ یہی اس کے حصول کا سبب بھی ہے اور اگر کوئی شمہ معرفت کا نصیب ہو جائے تو یہی عبادت اس کا حاصل بھی ہے کہ پھر سر اُٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اگر کوئی عملاً اطاعت نہیں کرتا یا اپنی مرضی سے عبادات ایجاد کرتا ہے اور مدعیٔ معرفت بھی ہے تو اُس کا اعتبار نہیں۔

یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ عبادات سے اگر واقعی معرفت نصیب ہو تب عبادت کی صحت کا اعتبار، ورنہ اس کی صحت مشکوک رہے گی اور اگر معرفت نصیب ہوئی تو پھر مزید عبادت پہ مجبور کرے گی اور وقتی لذائذ اور عارضی کمالات کی طلب نہ رہے گی۔ اور نہ کشف و کرامات کا شوق اگرچہ یہ کمالات اس سے از خود حاصل ہو جاتے ہیں مگر یہ مقصود نہیں رہتے۔ یہ بھی بڑی کٹھن راہ ہے کہ بعض طالبوں کو جب کشف نصیب ہوتا ہے تو وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم نے منزل پا لی اور ذوقِ عبادت کم ہو جاتا ہے جو اُن کی ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے اور بعض تو اس میں اس قدر مبتلا ہوتے ہیں کہ بالآخر یہ کچھ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ سالک کو یہاں بہت زیادہ محتاط ہونا چاہیئے اور کبھی اللہ کے سوا کسی چیز پر مطمئن نہ ہونا چاہیئے کہ سب راستے کے روڑے ہیں۔ اللّٰھم ارزقنا حبك وحب حبيبك۔ آمین۔

الذی جعل لکم الارض فراشا۔ وہ ایسا قادر ہے کہ زمین کو تمہارے لئے جائے آرام بنا دیا کہ باوجود اپنی گروی صورت کے ہر جگہ ہر کسی کے لئے سیدھی ہے اور سب کے بسنے کے پورے لوازمات لئے ہوئے ہے کھودو تو سوئی سے کھود سکتے ہو ایسی نرم ہے اور ایسی سخت کہ بڑے

بنے قلعے اٹھا کر کھڑی ہے۔ وہ بنے کا نام نہیں لیتی۔ امین ایسی کہ ہر متنفس کو اس کا حصہ دے رہی ہے پہلوں کو پچھلوں کا حق نہیں دیتی۔ اور نہ ان کا چھین کر بعد والوں کے لیے رکھتی ہے۔ خزانوں سے سینے معمور اور آبِ حیات اس کی رگوں میں جاری۔ فراش بچھونا یعنی جائے آرام ہے۔ غذا، دوا لباس، مکان ہر ضرورت کی شے سے آراستہ، مگر یاد رہے کہ بچھونا ہے۔ یہاں چندے آرام کر کے اُٹھ کر کام پہ بھی جانا ہے۔ یہ مستقل رہائش کی جگہ نہیں بلکہ ستانے کی جا ہے۔

آسمان کو چھت بنایا جو ساری دُنیا کو سایہ فگن ہے مگر دُنیا کے سہاروں سے بے نیاز۔ جس سے سب مستفید ہو رہے ہیں مگر جس کی تعمیر یا مرمت کی کسی کو فکر نہیں۔ جو سب کو دے رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذمے لگایا ہے مگر لیتا کسی سے کچھ نہیں۔ ایک ایسی چھت، جو دمِ تعمیر سے قیامت تک ایستادہ ہے نہ دیواروں کی ضرورت نہ ستونوں کی احتیاج اور آسمانوں سے پانی اتارا۔ ایسا قادر ہے کہ پانی کو فضا میں یوں پھیلا دیتا ہے جیسے چادر تنی ہو اور بادلوں کو ہوائیں گود میں لیے پھرتی ہیں مگر جب برستے ہیں تو جل تھل کر دیتے ہیں۔ پانی ندیوں، نالوں اور دریاؤں سے اچھل اچھل کر باہر نکل پڑتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی قدرت ہے کہ اسے ہوا میں معلق رکھا۔ محاورۃً اوپر سے آنے والی شے کو آسمان سے آنا کہہ دیا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل میں نزولِ ماء آسمان سے ہوا ہو۔ پھر صرف پانی کے برسنے میں کمال نہیں بلکہ اس کے زمین پر آنے سے گھائے رنگا رنگ کا ظہور ہوتا ہے فصلیں اُگتی اور میوے پکتے ہیں۔ بے رنگ و بے ذائقہ پانی طرح طرح کے رنگ اور ذائقے بکھیر دیتا ہے اور تمھاری غذا کے پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے غرض تمھاری ذات کی تخلیق اور تمھارے سارے کمالات کی عطا، زمین کی پیدائش اور اس کی خصوصیات آسمان کی بناوٹ اور اس کے سارے کمال، پانی کا برسنا اور اس کے تمام اثرات، یہ سب کیا ہے؟ اللہ کی قدرتِ کاملہ کا ظہور ہے اور اُس کی عظمت کی نشانیاں ہیں اور کمالات و انعامات خواہ انسان کی ذات میں ہوں جنہیں نفسی کہا جائے گا، خواہ اس کے گرد و پیش جو آفاقی کہلائیں گے سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس کے سوا کون ہے جو شکمِ مادر ہی میں خون اور غلاظت میں انسانی صورتیں تخلیق کر رہا ہے کس نے زمین بنائی۔ آسمان کس کی صنعت ہے، اور کون پانی برسا کر ہریالی تقسیم کر رہا ہے۔ اللہ اس کے سوا کوئی نہیں تو کیا تو اُس کی اطاعت چھوڑ دے گا اور بادلوں، پہاڑوں، درختوں اور پتھروں کو پُوجنے لگ جائے گا۔ اگر تو ان اسباب کے پیچھے بھاگا تو پھر یہ اس کثرت سے ہیں کہ تو سب کی پوجا نہیں کر سکے گا اور تجھے اس پوجا سے کچھ حاصل بھی نہ ہو گا کہ یہ سب کچھ خود اپنی ذات میں اللہ کا محتاج ہے۔

لہٰذا اللہ کا مقابل کسی کو نہ بناؤ کہ اللہ کی عبادت میں کسی اور کو بھی شریک کر بیٹھو جبکہ یہ جملہ حقائق تم اچھی طرح جانتے بھی ہو اور خوب علم رکھتے ہو کہ یہ روزمرہ کی نشانیاں اسی پہ دلالت کر رہی ہیں۔ دراصل اسلام نام ہی توحیدِ باری کا ہے اس کو ماننے کا ہے اس کے کمالات پر یقین رکھنے کا ہے اور دُنیا میں امن و سکون کو پانے کا واحد راستہ بھی یہی ہے کہ کوئی بھی انقلاب انسان پر مایوسی طاری نہ کر سکے بلکہ ہر انقلاب میں اللہ کی عظمت

کا نشان نظر آئے اور کبھی غیر اللہ پہ اُمید ہی قائم نہ ہو کہ پھر نااُمیدی کا مقابلہ کرنا پڑے۔ ہمیشہ سے اُمیدوں کا مرکز ایک ذات ہو۔ جب یہ حال حاصل ہو جائے تو پھر پاؤں کی ٹھوکروں سے پہاڑ ہلائے جاسکتے ہیں کہ تائید باری شاملِ حال ہوتی ہے اور اگر اللہ سے تعلق استوار نہ ہو تو کسی بھی حالت میں آرام نصیب نہیں ہوتا۔ شاہ ہو یا گدا بے چینی اس کا مقدر ہے۔ مگر اس توحید کی نشاندہی کس نے کی۔ انسان کو اللہ کی عظمت سے کس نے روشناس کرایا، وہ کون ہے؟ جس نے انسانوں کو غیر اللہ کی پرستش سے نجات دلائی اور ان کی پیشانیوں کو خدائے واحد کے نور سے منور کر دیا اور اس کے پاس کونسا نسخہ کیمیا تھا جس نے مس خام کو کندن بنا دیا وہ ہستی ہے محمد رسول اللہ ﷺ اور نسخہ کیمیا ہے قرآن مجید۔

اب اگر کسی کے دل میں یہ بات ہو یا آئے کہ معاذ اللہ بے شمار لوگوں نے مذہب ایجاد کیے ہیں آپ ﷺ بھی اُن میں سے ایک ہوں گے اور چند عبادات کو ترتیب دے کر مذہب کا تانا بانا بن لیا ہے تو آؤ اسی پر بات ہو جائے کہ اگر یہ کلام جو آپ نے پیش فرمایا ہے انسانی ہے تو تم بھی انسان ہو اسی طرح کا کلام بنا کر پیش کرو۔ سارا قرآن نہ سہی اس کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مقابل بنا لاؤ۔ اکیلے نہ سہی کہ مبادا یہ کہہ دو کہ اگر ہم پیش نہ کر سکیں تو دُنیا میں ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو یہ کام کر دکھائیں تو بھئی! اللہ کے سوا جسے چاہو بُلا لو اور سب مل کر اس کی نظیر تو پیش کرو۔

عرب کا ماحول ایسا تھا کہ سینہ صحرا میں چند بستیاں جہاں کالج نہ سکول بلکہ اُونٹ اور بکریاں چرانا اُن کا پیشہ، مگر اس کے باوجود قدرتی طور پر فصاحت و بلاغت اللہ نے ایسی عطا فرمائی تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ لوگ ایسے عالی اشعار و مضامین کہہ جاتے تھے کہ دُنیا کے ادیب حیران رہ جاتے۔ اُن ہی میں ایک ہستی جو ایک عالی خاندان میں پیدا ہوئی، مگر یتیم۔ جس نے کم عمری ہی میں والدہ ماجدہ کی مفارقت بھی دیکھی اور پھر دادا کی جدائی برداشت کی۔ دُنیاوی اعتبار سے نہایت عسرت میں بچپن گزارا اور کسی علمی مجلس یا شعر و شاعری کی محفل میں کبھی شرکت نہ فرمائی۔ بلکہ جس خاندان میں بچپن بسر فرمایا وہ بکریاں چراتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ نے ہوش سنبھالا تو اپنے غریب چچا ابو طالب کی عیالداری دیکھ کر اُن کی مدد کے لئے اُجرت پر بکریاں چراتے تھے نہ کبھی کوئی شعر کہا نہ قصیدہ لکھا بلکہ قدرتی طور پر ایسا مزاج ودیعت ہوا تھا کہ کبھی ان چیزوں کی طرف مائل ہی نہ ہوئے۔ ہاں اُمّی محض ہونے کے ساتھ وہ اخلاقِ فاضلہ اور دیانت و امانت کے ساتھ وہ فہم و فراست کہ ذاتِ اقدس سب کے لئے باعثِ تعظیم اور صادق و امین کہلائی۔

اس طرح قوم کے ساتھ چالیس برس بسر کرنے کے بعد، وہی ہستی ایسا کلام پیش فرمانے لگی جس کی فصاحت و بلاغت اور معنوی عظمت کے سامنے سب شعراء و ادباء کے کلام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ پھر اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اب آپ ﷺ کی ذاتی شرافت اور صداقت ہی ایمان لانے کے لئے کافی تھی جیسا کہ ولید ابن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے ایک اجلاس میں کہا تھا: جو شخص چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہیں بولتا وہ یکایک اللہ پر جھوٹ بولنا شروع کر دے یہ بات عقل تسلیم نہیں کرتی اس کے باوجود اگر تمہیں اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شبہ ہے تو،

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا .... اعدت للکفرین۔

اس کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کے مقابل کلام پیش کرو اور سارے مل کر لاؤ جس میں یہ فصاحت و بلاغت بھی ہو جس میں پوری انسانی تہذیب بھی ہو جس میں سیاست و حکومت کی راہنمائی بھی ہو جس میں معاشرت اور تجارت بھی ہو۔ خاندانی تعلقات سے بحث بھی ہو اور دوستی دشمنی کا معیار بھی۔ قرآن کریم نے وسیع مضامین چند لفظوں میں سمو دیئے ہیں اور پھر الفاظ کی بندش اور عبارات کی روانی۔ اس سے بہتر کی بات ہی چھوڑو تم اس طرح کا اور اس کے مقابل کا کلام ہی پیش کرو۔ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو مدد کے لیے بُلا لو لیکن یاد رکھو کہ اگر ساری دُنیا مل کر بھی اس کی نظیر پیش نہ کر سکے جو یقیناً پیش نہ کر سکے گی تو یہ کلام الٰہی ہے۔ اگر کسی انسانی ذہن نے اسے جمع کیا ہوتا تو یقیناً دُنیا کے اور انسان بھی اس کا مقابلہ کرتے ممکن ہے اس جیسا یا اس سے بہتر مضمون کہہ لیتے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق باری اور صنعت انسانی میں بہت بڑا فرق ہے۔ انسان جیٹ طیارے تو بنا سکتا ہے مگر مکھی نہیں بنا سکتا۔ وہ اللہ ہی پیدا کر سکتا ہے۔ بلکہ گھاس کا ایک تنکا قدرتی طور پر اُگ سکتا ہے کوئی مشین ان خصوصیات کا حامل نہیں بنا سکتی۔ جب صنعت میں یہ فرق ہے تو قرآن کریم تو اوصافِ باری میں سے ہے اور اللہ کا ذاتی کلام ہے غیر مخلوق ہے کہ جس طرح اس کی ذات قدیم ہے اسی طرح اس کی جملہ صفات بھی قدیم ہیں اس کے مقابلے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دُنیا کی بڑی بڑی کتابیں کسی ایک مضمون کو مکمل بیان نہیں کر پاتیں حالانکہ سب صرف انسانی پیدائش سے لے کر موت تک کی بات کرتے ہیں۔ ان کے مقابل قرآن کریم جو قبل از پیدائش بلکہ اس کارگہِ حیات کی تخلیق سے بھی قبل کی بات ارشاد فرماتا ہے اور پھر اس عالم کی پیدائش، انسان کی پیدائش، اس کی ضروریات، ان کے پیدا کرنے کے طریقے اور تمدن و معاشرت سے بحث کرتا ہوا موت اور مابعد الموت کے حقائق بیان کرتا چلا جاتا ہے اور اس مختصر سی دُنیاوی زندگی کو آخرت کی اس ابدی زندگی کی بنیاد کے طور پر ذکر کرتا ہے جس کا بیان صرف اور صرف اللہ کی کتاب کو ہی زیبا ہے۔ پھر اس کے ساتھ دُنیا میں انسانی عقول نے بے شمار ڈھنگ اپنائے اور طرح طرح کے طرزِ حیات اختیار کیے مگر ہے کوئی جو مثالی معاشرہ پیش کر سکے جو تعلیمات قرآنی پر عمل کرنے سے ظہور پذیر ہوا تھا۔

یہ صرف حکایت نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے دشمنانِ اسلام بھی تسلیم کرنے کے سوا کوئی راہ نہیں پاتے۔ پھر تہذیب ایک وقت کی ضرورت ہے جب وقت گزرتا ہے ضرورتوں میں تبدیلی آجاتی ہے تو تہذیبیں بھی بگڑتی چلی جاتی ہیں۔ انسان کا بنایا ہوا کوئی قانون ہمیشہ کے لیے کارآمد نہیں رہ سکتا بلکہ وہی قانون ساز ادارے یا افراد۔ جو خود اس کو بناتے ہیں پھر اس میں تبدیلیاں لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

قرآنی قوانین اور اس کی ارشاد کردہ تہذیب ابدی ہے نہ جغرافیائی حدود کی پابند ہے نہ مرورِ زمانہ سے متاثر ہوتی ہے بلکہ ہمیشہ ہر دور میں اور ہر ملک میں ہر قوم کے لیے یکساں مفید اور قابلِ عمل ہے صرف یہی نہیں بلکہ آپ کو کسی معاشرے میں جہاں کوئی خوبی نظر آئے گی ذرا غور کرنے

سے پتہ چل جائے گا کہ اس امر میں ان کا طریق کار وہی ہے جو قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے اس کے اصول اس قدر عظیم ہیں کہ اگر کافر بھی اپنا لے تو آخرت میں ایمان نہ ہونے کی وجہ سے محروم ہے مگر دنیاوی فوائد سے محروم نہیں رہتا۔ پھر اس کے ساتھ گزشتہ تاریخی واقعات کا جو صرف بڑے بڑے علماء یہود و نصاریٰ ہی سے مل سکتے تھے ایک ایسی ہستی نے ارشاد فرمائے جس نے دنیا کے کسی مدرسہ میں قدم مبارک نہ رکھا تھا اور اس قدر درست ارشاد فرمائے کہ ان کی واقعی صورت آنکھوں میں پھر گئی۔ چلو، یہ تو گزشتہ کی بات تھی آئندہ کی خبریں دیکھ لو کس قدر صحیح اور سچ ثابت ہوئیں مثلاً رومیوں کی شکست جو بظاہر ایسی تھی کہ اب کبھی سر نہ اٹھا سکیں گے مگر قرآن کریم نے خبر دی کہ یہ چند سالوں کی بات ہے پھر ان کو غلبہ ہوگا اس وقت یہ اس قدر محال نظر آتا تھا کہ کفار نے شرطیں لگائیں مگر ایسا ہو کر رہا۔

صلح حدیبیہ کے وقت فتح قریب کی بشارت کہ مکہ بھی فتح ہو کر رہے گا اور انشاء اللہ مومنین حضور ﷺ کی رفاقت میں بے خوف و خطر عمرہ ادا کریں گے نہ صرف یہ بلکہ اس سے بیشتر ایک اور بہت بڑی فتح نصیب ہوگی، چودہ پندرہ سو افراد پر مشتمل ایک لشکر جسے اہل مکہ عمرہ کرنے سے مانع ہیں ان سے صلح کر کے بغیر عمرہ کئے واپس ہو رہا ہے اور بظاہر ایسی شرائط صلح طے پائی ہیں کہ کفار پھولے نہیں سماتے اور مسلمان غمزدہ ہیں مگر قرآن نازل ہوتا ہے تو اسے فتح عظیم اور فتح مکہ کا پیش خیمہ قرار دے کر ایک اور بڑی فتح کی بشارت دے رہا ہے اور چشم فلک نے دیکھا کہ حدیبیہ سے واپس آنے والا لشکر خیبر کو رواں ہے اور یہود کے قلعہ بند لشکروں کو تہ تیغ کرتا اور قلعوں کو روندتا ہوا اللہ کی عطا کردہ فتح پر سجدۂ شکر ادا کر رہا ہے اور اس کے بعد فتح مکہ کا نظارہ کرلو اور قرآن کریم کی پیشگوئیوں کی صداقت دیکھ لو پھر کتنی ایسی خبریں قرآن کریم نے دیں جو لوگوں کے دلوں میں پوشیدہ تھیں اور جن کا بعد میں اُن لوگوں نے اقرار کیا اور پھر اس کی بیان میں نہ آسکنے والی ایک خاص لذت جو اس کے پڑھنے اور سننے سے نہ صرف مومن ہی کو نصیب ہوتی ہے بلکہ کفار کو بھی مسحور کر دیتی ہے۔

اس کے علوم و معارف جن کا احاطہ نہ آج تک ہو سکا اور نہ آئندہ کسی سے اس کا امکان ہے اپنے مختصر سے حجم میں کس قدر اسرار و رموز رکھتا ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے اور پھر ایسے دعاوی کہ بظاہر جس کام پر یہ لوگ اختیار رکھتے ہوں اس کے بارے میں اعلان کہ یہ لوگ نہ کر سکیں گے جیسے یہود کو دعوت کہ ذرا موت کی تمنا کر کے دیکھو مگر تم کبھی ایسا نہ کرو گے اور پھر باوجود انتہائی دشمنی کے وہ اس بارے میں قرآن کو نہ جھٹلا سکے یا اس کی حفاظت کا ذمہ کہ اللہ خود اس کا حافظ ہے اور اس کے دعوے کی صداقت خود قرآن موجود ہے جس کی ایک زبر یا زیر بھی سارا جہان مل کر تبدیل نہ کر سکا بلکہ اللہ نے مومنین کے سینوں میں اس کی جگہ بنا دی کوئی بڑے سے بڑا عالم اگر ذرا غلطی کر جائے تو بچے بھی پکڑ لیں گے کہ یہ لفظ ایسا نہیں بلکہ اس طرح سے ہے۔

ان تمام حقائق کے ساتھ یہ اعلان کہ تم سب مل کر اس کی کسی چھوٹی سی سورۃ کے مقابل لکھ نہیں سکتے کہ تم جو کہو گے وہ کلام انسان کا ہوگا اور یہ اللہ کا کلام ہے اور پھر سارا عرب اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہا حتیٰ کہ ممکن تھا کہ کوئی ایسی عبارت جو اس کی نظیر تو نہ ہوتی مگر وہ پیش

کرکے یہ دعویٰ کر دیتے کہ یہ اُس کی نظیر ہے ایسا بھی نہ کر سکے اور نہ آج تک اللہ نے کسی کو اس کی بھی توفیق دی ہے کہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوتا تو کبھی بھی تاریخ سے مٹایا نہ جا سکتا کہ جو لوگ جان و مال کو اسلام کے مٹانے پر صرف کر رہے ہیں ان کو یہ چیلنج دیا گیا، غیرت دلائی گئی۔ اگر اُن کا ذرا بھی بس چلتا تو ضرور مقابلہ کرتے مگر وہ نہ کر سکے اور یہی نہیں بلکہ قرآن کا یہ دعویٰ اب بھی موجود ہے کہ دُنیا کا کوئی شخص ایسا پاکیزہ اور انسانی مزاج کے مطابق ایک مکمل نظام پیش کر سکتا ہے جسے لوگ اپنے رواجات اور طریقے چھوڑ کر اپناتے چلے جائیں اور وہ تھوڑے عرصے میں دُنیا پہ نافذ ہو جائے ہرگز نہیں! ۔ تو پھر اس آگ سے ڈرو، جس کی خبر اسی قرآن نے دی ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ ایسے آدمی جو تعلیمات قرآنی کا انکار کریں جو تیار ہی انکار کرنے والوں کے لئے کی گئی ہے اور منکرین کے لئے آگ ہے تو ماننے والوں کو خوشخبری ہے۔

وبشر الذین امنوا......... وھم فیہا خلدون ۔

کہ اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اقرار کیا توحید باری اور رسالتِ محمدی ﷺ کا اور جنہوں نے اپنایا تعلیماتِ قرآنی کو وعملوا الصلحت ۔ یعنی قرآن کو اپنی عملی زندگی پہ نافذ کر لیا۔ وہ ایسے باغات میں ہوں گے جن کے تحت نہریں بہتی ہیں۔

یہاں "تحت" کا ترجمہ نیچے کیا جاتا ہے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تحت سے تابع مراد ہے۔

مِن تحتِہا کا مفہوم

دُنیا میں جیسے باغ نہروں کے تابع ہیں یعنی باغ وہاں لگائے جاتے ہیں جہاں نہر ہو، جنت میں نہریں باغوں کے تابع ہوں گی اور جہاں باغ ہوں گے وہاں نہر کو ضرور پہنچنا پڑے گا۔ اس کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے کہ جنتی کا چشمہ ایک جگہ سے بہہ رہا ہوگا، وہ اُسے کہہ دے گا کہ اب اس طرف سے بہنا شروع کر دو تو وہ اُس طرف سے بہنے لگے گا۔

پھر ان باغوں سے انہیں پھل کھانے کو عطا ہوں گے بالکل ایسے ہی دیکھنے میں کہ وہ پہچان کر کہیں گے کہ یہ تو دُنیا میں بھی ہمیں ملا تھا اور اس کی صورت میں بھی مشابہت ہوگی مگر لذت جداگانہ ہوگی اور پھر ان کو پاک عورتیں عطا ہوں گی، پاک عورتوں سے مراد وہ پاک عورتیں بھی ہیں، جن کی تخلیق ہی جنت میں ہوئی اور وہ مومن عورتیں بھی جو جنت میں داخل ہوں گی، جو عورت کسی کے نکاح میں فوت ہوئی اگر مرد بھی جنتی ہے تو اس کے ساتھ ہوگی اور پھر بعض مرد مومن ہوں گے مگر عورت کافر یا بعض عورتیں جنت میں ہوں گی مگر مرد کافر یا بعض غیر شادی شدہ جنت میں ہوں گی تو اللہ کریم اُن کے آپس میں نکاح فرمائیں گے رہا پاکیزہ ہونا تو یہ جنت کے اوصاف میں سے ہوگا کہ وہاں نہ فضلہ ہوگا نہ تھوک نہ رینٹھ۔ اسی طرح نہ ہی عورت کسی قسم کی ناپاکی سے دوچار ہوگی اور نہ اخلاقی گندگی نام کو ہوگی بلکہ ہر طرح سے پاک، صورت کے عیوب سے پاک، سیرت کے عیوب سے مبرا، جسمانی نقائص سے بالاتر اور ہر طرح کی ناپاکی سے دُور۔ گویا جب جسم جنت میں داخل ہوں گے تو جسمانی ضروریات سمیت جائیں گے کھانا پینا، لباس، مکان، شادی سب،

کچھ ہوگا اور بہت حسین اور ہر طرح کی ناپاکی سے مبرا ہوگا۔ وہاں نہ نسل چلے گی اور نہ اس کی ضرورت اور تمام نعمتیں ابدی ہوں گی۔ حتیٰ کہ سب جنتی قوت و حُول جوان بنا دیئے جائیں گے اور جوانی کو بھی خلود اور ہمیشگی رہو گی۔

ان سب لذات پر غالب لذت دیدار باری کی ہوگی۔ جیسے دُنیا میں والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ ارشاد ہے جنت اس کی مظہر ہوگی گویا تمناؤں کے پورا ہونے کا مقام جنت ہے۔

یہ پاک عورتیں مزاج، اخلاق اور شکل و صورت میں ہر طرح سے پاکیزہ ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے یعنی جس قدر نعمتیں انسان چاہتا ہے کہ رہنے کو بہترین ٹھکانہ ہو رزق کی فراوانی ہو صحت اور تندرستی ہو اور بہترین رفیق حیات اور یہ سب چیزیں کبھی ضائع نہ ہوں تو یہ حقیقتاً اس کے اندر جنت کے حصول کی طلب ہے جو ابدی زندگی کا خاصہ ہے اور اپنی عملی زندگی پہ نافذ بھی کرے۔ اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت اگرچہ صرف ماننا بھی ایک عمل صالح ہے مگر اپنی بساط تک اس پر عمل کرنا ہی اصل ماننا ہے اور بغیر عمل کے ماننا اگرچہ نہ ماننے سے بہتر ہے مگر ماننے کی ایک کمزور صورت۔

یہاں جنت دوزخ کا اجمالی ذکر ہے اور قرآن کا وہ نظریہ کہ انسان لافانی ہے یہ حیات چند روزہ زندگی کی منازل میں سے ایک منزل ہے جو امتحان کا درجہ رکھتی ہے اور اُخروی اور ابدی زندگی کا مدار اس پر ہے اگر تم نے اللہ کی اطاعت کی تو یقیناً فلاح پاؤ گے ورنہ بہت بڑا خسارہ۔ اس اخروی زندگی کو جو بطور نتیجہ ہے ثابت کرنے کے لیے ہی مخلوق کی تخلیق سے بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جب تم کوئی ایسا کام کرنا پسند نہیں کرتے جس کا نتیجہ نہ ہو تو بھلا اس ساری کائنات کا خالق ایسا کیوں کرے گا کہ معاذ اللہ ایک عبث کام کرے اور ایسا فعل جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو اُسے زیب نہیں دیتا۔ تو نتیجہ کیا ہے۔ یہی کہ اطاعت کرنے والوں کو اپنا قرب بخشے گا جس کا مظہر جنت ہے اور نافرمان بھی اپنے کرتوتوں کے صلہ میں رحمت باری سے دُور ہوں جس کا مظہر دوزخ ہے اور تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق بھی بحیثیت مخلوق کے قدرت باری پہ گواہ ہے۔ بھلا اس میں کیا حرج ہے کہ مچھر اور مکھی کی مثال دی جائے۔

کفار سے جب قرآن کے اس دعویٰ کا کہ لاؤ۔ اس کی مثل اگر لا سکتے ہو، جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگے، اللہ کا کلام ہوتا تو مچھر اور مکھی جیسی ادنیٰ مخلوق کا ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ قرآن میں بتوں کی بے بسی اس طرح بیان ہوئی کہ ان سے اگر مکھی بھی کوئی شے چھین لے تو اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے چہ جائیکہ تمہاری حاجت براری کریں مکھی کے ذکر سے بتوں کا عجز بیان کرنا مقصود تھا۔ مگر یار لوگوں نے بات نکالی کہ لو اور دیکھو مکھیوں تک کا ذکر ہے اور کہتے ہیں اللہ کا کلام ہے بھلا اللہ کو اس کی کیا ضرورت تھی۔

اگرچہ اعتراض بے محل تھا مگر پھر بھی جواباً ارشاد ہوا کہ اللہ مکھی اور مچھر کے ذکر سے بھلا کیوں شرمائے۔ اگرچہ اپنے حجم میں تو یہ چھوٹی سی مخلوق ہے مگر بلحاظ صنعت تو بہت بڑی صنعت ہے۔ اور اس کی قدرت پر گواہ۔ اپنی زندگی گزارنے کے سارے اسلوب جانتی ہے مچھر اپنے لیے غذا حاصل کرتا ہے۔ گھر

بناتا ہے انڈے اور بچے پیدا کرتا ہے اپنی مرضی سے اُڑتا اور بیٹھتا ہے اتنے ننھے سے جسم میں اس قدر سمجھ اور اتنے احساسات کو کس نے جمع کر دیا ہے اس کے ایک ایک پَر میں رگ و ریشے اور ان کی کارکردگی دیکھو۔

مکھی کے ذرا سے سَر میں تو دیکھو، دو آنکھیں جن میں ایک میں تقریباً اٹھارہ ہزار آنکھ ہے کس کی قدرت پر گواہی دے رہی ہیں کون ہے جس نے مکھیوں کو شہد کا چھتہ بنانا سکھایا۔ پھولوں سے رس لے کر شہد بنانا، ملکہ کا انتخاب اور اس کی اطاعت میں رہنا یا اپنی نسل کو باقی رکھنے کی تدابیر کرنا سکھایا ہے۔ بھلا اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے یہ تو خود عظمت باری پہ گواہ ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ قرآن کریم کے ارشادات ابرِ رحمت کی مثل ہیں جیسے بارش یکساں نور و برکت لے کر نازل ہوتی ہے مگر جہاں اس کے سبب باغوں میں پھول کھلتے ہیں وہاں گندگی کے ڈھیروں سے عفونت بھی اُٹھتی ہے۔ اسی طرح قرآن سے مومنین تو راحت و سکون پاتے ہیں اور بدکاروں کو کچھ سجھائی نہیں دیتا بلکہ اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس گمراہی کا سبب اُن کا فسق و فجور بنتا ہے اُن کی بدکاری بنتی ہے۔

ایسے لوگ جو اللہ سے وعدہ کر کے توڑ دیتے ہیں کہ ازل سے وعدہ لیا گیا۔ الست بربکم قالوا بلیٰ بیشک تو ہی ہماری ہر طرح کی پرورش کرنے والا ہے مگر دنیا میں آ کر وعدہ خلافی کی، اللہ کی اطاعت چھوڑ کر غیر اللہ کے دروازے پر ماتھے رگڑ رہے ہیں یا پھر یہاں ایمان کا دعویٰ کر کے عملاً بدکاری اختیار کرتے ہیں تو یہ لوگ بھی بڑی حد تک اسی وعید کی زد میں ہیں اور جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا ہے اُنھیں چھوڑتے ہیں جنہیں جوڑنے کا حکم دیا ہے انھیں توڑتے ہیں اور زمین پر فساد پیدا کر دیتے ہیں۔ اپنے خیال کے مطابق خواہ کوئی جانے کہ وہ قیام امن کے لئے کوشاں ہے اگر اُس کا عقیدہ خلافِ اسلام ہے تو عقیدہ کا فساد پیدا کرنے والا ہے اور اگر عمل خلافِ اسلام ہے تو عملی طور پر مُفسد ہے۔

اس بات پر تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں اگر امن نصیب ہُوا یا انسانیت نے چین کا سانس لیا تو صرف اور صرف اسلام کی گھنی چھاؤں میں، ورنہ لوگ ہر طرف بارود کو آگ دکھا کر امن قائم کر رہے ہیں گناہ صرف گناہگار کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ فاسق کا فسق روئے زمین پر تباہی کا باعث بنتا ہے اور اُس کی نحوست کی وجہ سے دُنیا میں تباہی و بربادی بپا ہوتی ہے جس کے لئے وہ اپنے حصے کے مطابق جوابدہ ہے اور یہ سب کچھ کر کے وہ اپنا نقصان کر رہے ہیں کہ اللہ کی زمین پر فساد پھیلانے والے کبھی اللہ کی بارگاہ میں سُرخرو نہیں ہو سکتے۔ فرمایا، اے لوگو! تم اللہ کی عظمت کا اس کی ذات اور صفات کا انکار کس طرح کر سکتے ہو؟ یعنی کبھی نہیں کر سکتے کہ تم تھے ہی نہیں اُس نے تمھیں عدم سے پیدا فرمایا۔

کیف تکفرون باللہ .... ثم الیہ ترجعون۔

تم مُردہ تھے، تخلیقِ کائنات کے بعد بھی بے جان ذرات تھے مختلف اغذیہ میں تمھارا وجود منتشر تھا تمھارے وجود کے اجزا دُنیا کے پانیوں میں شامل تھے، غرضیکہ آگ، مٹی، ہوا اور پانی کے مختلف ذخائر میں تمھارا وجود دُور دُور تک منتشر اجزاء پر مشتمل تھا پھر اُس کی قدرتِ کاملہ نے

ان کو مختلف مراحل پر جمع فرمایا اور تمہارا تخم صلب پدر اور سینۂ مادر میں جمع کیا پھر وہاں سے تمہارے وجود کی تعمیر شروع فرما کر تمہیں ایک خوبصورت وجود عطا کر کے زندگی بخشی اور اس کا انجام بھی ایک موت ہے جو دوبارہ اجزائے جسمانی کو منتشر کر دیتی ہے یہ بات اکثریت کے حکم پر ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ سلامت رہتے ہیں اسی طرح مشاہدہ سے بھی ثابت ہے کہ شہداء کے اجسام صحیح رہتے ہیں۔

دراصل یہاں برزخ کی زندگی سے بحث نہیں کہ وہ ایک طرح سے عارضی قیام ہے نہ وہاں دارالعمل ہے نہ دارالجزاء بلکہ قیامت کا انتظار ہے اور قبر کا عذاب و ثواب دراصل اپنی اصلی حیثیت کے مطابق اس انتظار گاہ میں ٹھہرنا ہے۔ سو یہاں صرف مستقل زندگی زیر بحث ہے کہ تمہارے اجزاء کو جمع فرما کر تمہیں پھر سے زندگی دے گا جس کے بعد تمہیں کوئی فرصتِ عمل نصیب نہ ہوگی بلکہ خالقِ حقیقی کے پاس لوٹ کے جانا ہوگا۔ اس کی بارگاہ میں حاضری دینا ہوگی اس کی پیشی میں کھڑا ہونا ہوگا۔

هوالذی خلق لکم .... وهو بکل شیء علیم۔

وہ ایسی کریم ذات ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہاری خاطر اور خدمت کے لیے پیدا فرمائیں صرف اور صرف تمہاری خدمت کرنے کو تمام چیزیں پیدا کریں اور پھر آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی تو انہیں ٹھیک ٹھیک سات درجوں میں درست فرمایا اور وہ ہر شے سے واقف ہے۔

یہ ارض و سماء یہ ان کی نعمتیں دن رات، سورج چاند، پھول پھل، کھیتی باڑی، دریا، سمندر، بجلی اور ہوا یہ سب قوتیں مخلوق ہیں اسی نے پیدا فرمائی ہیں جو تمہارا خالق ہے تمہاری خدمت کے لیے پیدا کی ہیں اب کس طرح سے جائز ہو سکتا ہے کہ تم اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنی خدمت پہ مامور مخلوق کو اپنا معبود بنا لو اور پھر لطف یہ کہ وہ سب کچھ دیکھ بھی رہا ہے ہر شے سے ہر وقت واقف ہے اور پھر بالآخر تمہیں اس کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنی زندگی کا حساب بھی دینا ہے۔

رکوع نمبر ۴ آیات ۳۰ تا ۳۹ الٓمّٓ ۱/۴

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ۖ قَالُوْٓا أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا

اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں انہوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا

30. And when thy Lord said unto the angels: Lo! I am about to place a viceroy in the earth, they said: Wilt Thou place therein one who

will do harm therein and will shed blood, while we, we hymn Thy praise and sanctify Thee? He said: Surely I know that which ye know not.

31. And He taught Adam all the names,[6] then showed them to the angels, saying: Inform me of the names of these, if ye are truthful.

32. They said: Be glorified! We have no knowledge saving that which Thou hast taught us. Lo! Thou, only Thou, art the Knower, the Wise.

33. He said: O Adam! Inform them of their names, and when he had informed them of their names, He said: Did I not tell you that I know the secret of the heavens and the earth? And I know that which ye disclose and which ye hide.

34. And when We said unto the angels: Prostrate yourselves before Adam, they fell prostrate, all save Iblis. He demurred through pride, and so became a disbeliever.

35. And We said: O Adam! Dwell thou and thy wife in the Garden, and eat ye[8] freely (of the fruits) thereof where ye will; but come not nigh this tree lest ye become wrong-doers.

36. But Satan caused them to deflect therefrom and expelled them from the (happy) state in which they were; and We said: Fall down,[7] one of you a foe unto the other! There shall be for you on earth a habitation and provision for a time.

37. Then Adam received from his Lord words (of revelation), and He relented toward him. Lo! He is the Relenting, the Merciful.

38. We said: Go down, all of you, from hence; but verily there cometh unto you from Me a guidance; and whoso followeth My guidance, there shall no fear come upon them neither shall they grieve.

39. But they who disbelieve, and deny Our revelations, such are rightful owners of the Fire. They will abide therein.

چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے اور ہم تیری
تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے) فرمایا
میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿۳۰﴾
اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر
ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو
مجھے ان کے نام بتاؤ ﴿۳۱﴾
انہوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا
ہمیں کچھ معلوم نہیں بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے ﴿۳۲﴾
(تب) خدا نے (آدم کو) حکم دیا کہ آدم! تم ان کو ان (چیزوں)
کے نام بتاؤ جب انہوں نے ان کو ان کے نام بتائے
تو (فرشتوں سے) فرمایا کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا
کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں
اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے ﴿۳۳﴾
اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ
کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے
انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا ﴿۳۴﴾
اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت
میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو)
لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں
میں (داخل) ہو جاؤ گے ﴿۳۵﴾
پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش و نشاط) میں
تھے اس سے ان کو نکلوا دیا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے
جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں
ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے ﴿۳۶﴾
پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس
نے ان کا قصور معاف کر دیا بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے ﴿۳۷﴾
ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس
میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں
نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور
نہ وہ غمناک ہوں گے ﴿۳۸﴾
اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا
وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۳۹﴾

وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ
بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۚ قَالَ
إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾
وَعَلَّمَ ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ
عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي
بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٣١﴾
قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا
عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾
قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ
أَنۢبَأَهُم بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل
لَّكُمْ إِنِّيٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَٰوَٰتِ
وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا
كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾
وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا۟ لِـَٔادَمَ
فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ
وَكَانَ مِنَ الْكَٰفِرِينَ ﴿٣٤﴾
وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ
الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا
وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا
مِنَ الظَّٰلِمِينَ ﴿٣٥﴾
فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا
مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا۟ بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَمَتَٰعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾
فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ فَتَابَ
عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾
قُلْنَا اهْبِطُوا۟ مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا
يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ
هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾
وَالَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَكَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَآ أُو۟لَٰٓئِكَ
أَصْحَٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٣٩﴾

اسرار و معارف

یہاں تک دعوت الی اللہ اور عبادات کا ضروری ہونا بطور شکر کے اور اس درجہ میں کہ اللہ کا حق ہے بندے پر ارشاد ہُوا پھر اس کے نتائج اور نافرمانی کی سزا کا ذکر اس انداز میں تھا کہ اللہ تمھارا رب ہے خالق ہے مگر یہاں سے اسی دعوت پر دوسری دلیل شروع فرمائی اور ایک اور طرح سے دعوت نکردی ہے کہ ابتدائے نوعِ انسانی کو دیکھو، اللہ نے پیدائشی طور پر اسے کیا فضیلت بخشی اور کس طرح سے شیطان اس کے خلاف ہُوا۔ اب اگر تم اللہ کی اطاعت نہ کرو گے تو یقیناً تم اسی کے پیچھے چلو گے کہ دوسری راہ اُسی کی ہے جو بحیثیت انسان بھی تمھیں کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے

سو یہاں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ تخلیق آدم سے پہلے اللہ کریم نے فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین میں ایک خلیفہ، اپنا ایسا بندہ جو میرا حکم نافذ کرنے والا ہو، ایک ایسی مخلوق جو میری پسند کے مطابق زمین پر بسے، پیدا کرنا چاہتا ہوں۔

زمین اگرچہ اپنے حجم کے اعتبار سے دوسرے سیاروں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر اپنی اہمیت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے کہ تمام سیاروں کی توجہات کا مرکز ہے سُورج ہو یا چاند، بادل ہو یا ہوا حتیٰ کہ آسمان اور آسمانوں کے رہنے والے بھی اسی کے انتظام میں مصروف ہیں۔ ستارے ہوں یا سیارے سب کی توجہ اسی کی طرف ہے اور یہ ان تمام توجہات کو قبول کر کے طرح طرح کے نتائج مرتب کر رہی ہے۔ یہاں بیک وقت آتش فشاں آگ اُگل رہے ہیں تو برف کے پہاڑ بھی کھڑے ہیں اگر صحراؤں میں ریت اُڑتی ہے تو باغوں میں پھول بھی کھلتے ہیں۔ ایک طرف رات چھا رہی ہے تو دوسری طرف روزِ روشن بھی موجود۔ اگر خشک سالی آتی ہے تو برسات بھی آتی ہے ایک طرف خزاں ہے تو دُوسری جانب بہار بھی ہے۔ سونے چاندی کے ذخائر ہیں تو جواہرات سے بھی اَٹی پڑی ہے ہر طرح کے بیج کو اُگانے کی صلاحیت لیے ہوئے ہے طرح طرح کے پھل دے رہی ہے ادنیٰ کیڑے سے لے کر پہاڑ جیسے جسیم جانوروں کے من بھاتے کھاجے پیش کرتی ہے جہاں اس میں درندے ہیں وہیں ہرنوں کی ڈاریں چوکڑیاں بھرتی ہیں غرضیکہ عرش سے فرش تک جس قدر باقی اجرام ہیں سارے اسی کی طرف متوجہ ہیں اور یہ زمین دراصل ان سب کا حاصل ہے تو اللہ کریم نے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا جو اس کی نیابت کا حق ادا کرے اس کے نظام کو اس طرح چلائے کہ اللہ کی پسند کے مطابق ہو۔

یہاں فی الارض سے اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ زمین پر تو اپنی بساط کے مطابق انسان تصرف کر سکتا ہے اس کے علاوہ سیاروں

پر نہیں. مثلاً سُورج کی شعاع جو زمین پر آتی ہے اُسے تو استعمال کر سکتا ہے سُورج کی روش کو نہیں بدل سکتا اسی طرح چاند سے جو چیزیں زمین پر منعکس ہو رہی ہیں اُن پر تصرّف کا حق رکھتا ہے خود چاند پر نہیں، کہ خلیفہ فی الارض ہے یہی حال دوسرے سیاروں کا ہے ورنہ اگر ان پر بھی اس کا بس چل جائے تو جانے کیا غضب ڈھائے. زمین پر بھی خلیفہ ہے اس لیے عطا کردہ اختیارات کے اندر تصرّف کر سکتا ہے جس شے کا اختیار بخشا ہی نہیں گیا اس میں دخل نہیں دے سکتا جیسے خود زمین ہی کی گردش میں ردّوبدل اس کے بس میں نہیں وقِس ذالک کہ خلیفہ خود با اختیار نہیں ہوتا بلکہ دیئے گئے اختیارات کو استعمال کرتا ہے. تو یہ سب سے پہلی فضیلت انسان کے حصے میں آئی کہ اس سیارے پر جو سب سیاروں کا حاصل تھا اسے نیابت الٰہی کا منصب عطا ہُوا یعنی اپنے حاصل شدہ اختیارات کے اندر رہ کر اس پہ بسنے والی ساری مخلوق پر حکومت کرنا اور یہ کوئی معمولی منصب نہیں تھا.

ملائکہ نے عرض کی، بارِ الٰہ! تجھے تو کوئی احتیاج نہیں پھر ایسی مخلوق کیوں پیدا فرماتا ہے جسے تو پسند وناپسند کی قوت دے گا کہ جب ان کی پسند میں اختلاف ہو گا تو اپنی پسند دوسرے پر ٹھونسنے کے لیے جبر کریں گے، لڑیں گے، خونریزیاں ہوں گی اور فساد پیدا ہو گا.

یہ غالباً وہ پہلے تجربے کی بناء پر عرض کر رہے ہوں گے کہ قبل ازیں زمین پر جنّات موجود تھے جو کسی حد تک اپنی پسند کے مالک تھے تو اکثر بگڑ جاتے فسق وفجور سے زمین کو بھر دیتے اللہ کریم آسمانوں سے فرشتے اُن کو سزا دینے کے لیے روانہ فرماتے جو انہیں تباہ وبرباد کر دیتے - اور صرف نیک جنّوں کو چھوڑتے پھر رفتہ رفتہ اسی حال کو پہنچ جاتے.

یہ ابلیس بھی اُن ہی میں سے ایک جن تھا جو نہایت عابد وزاہد تھا حتیٰ کہ اکثر فرشتوں کے ساتھ آسمانوں پر رہتا تھا تو سب نے عرض کی کہ اللہ یہ نئی مخلوق بھی کچھ ایسے ہی گل کھلائے گی ہم جو تیری بارگاہ میں حاضر ہیں. تیری حمد وثنا کرتے ہیں ہمہ وقت تسبیح وتقدیس اور ہمیشہ اطاعت کرتے ہیں جو تیری مخلوق کے لیے بھی باعث رحمت ہے جب ایک ایسی مخلوق موجود ہے جو قطعاً نافرمانی نہیں کر پاتی تو پھر دُوسری مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا راز ہے؟

فرمایا، یہ مَیں جانتا ہوں تمہارے علم کی وہاں تک رسائی نہیں، دراصل ساری مخلوق ایک مقررہ نظام میں پابند ہے اس کا دائرہ کار مقرر ہے وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتی یعنی حکم الٰہی کی اطاعت کرتی ہے معرفتِ حاکم کا وہ شعور نہیں رکھتی کہ اس پر قربان ہو نہ اپنے دائرہ کار میں ایسا اختیار رکھتی ہے کہ اس میں ردّوبدل کرے مگر اللہ نے ایک ایسی مخلوق کو پیدا فرمایا جو اپنے دائرہ کار میں آزاد ہو پسند وناپسند کا اختیار رکھتی ہو۔ اس کے سامنے کائنات کا حسن ہو اور وہ ذوقِ جمال رکھتی ہو پھر اسے جمالِ باری کے حصُول کی قوت عطا کی جائے جب اللہ کو پہچاننے کی طاقت پائے اس کے جمال سے سیراب ہو تو پھر اپنی خواہشات کو اس کے حکم پر قربان کرے جو نہ صرف حکم کی مطیع ہو بلکہ حاکم پر قربان ہو رہی ہو.

لہٰذا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں یہ قوتیں عطا کیں تسخیر کائنات کے لیے ضروری علم بخشا جس قدر چیزیں انسانی ضرورت اور

حصولِ کمال کے لئے تھیں جسمانی ہوں یا رُوحانی سب کا علم عطا فرمایا دراصل علم مجموعہ اسما ہی تو ہے ہر لفظ کسی شے کا، فرد کا یا کسی کام کا نام ہی تو ہے غرض جس قدر علم اس کائنات میں بسنے کے لئے یا اس کی چیزوں کو استعمال کرنے کے لئے یا قربِ الٰہی کو پانے کے لئے آدمیت کو چاہیے تھا۔ وہ حضرت کو بخش دیا گویا لغت بھی من جانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

اب فرشتوں کو حکم دیا کہ آؤ اور دُنیا کے کمالات پر بات کرو، ان سب چیزوں کے نام بتاؤ، ان کی خصوصیات اور طرزِ استعمال کی بات کرو۔ بھلا وہ کیسے کرتے کہ فرشتے کو جو کام عطا ہوا ہے علم بھی تو اسی حد تک ہوگا۔ جس کے ذمے بادلوں کا اہتمام ہے اُسے پہاڑوں کے علم سے کیا سروکار اور جس کا کام رزق تقسیم کرنا ہے اُسے دوسرے معاملات کی کیا خبر۔ یا جو شے اُنھیں نصیب ہی نہیں اس کے بارے میں کیا کہیں بھوک کی تکلیف یا شکم سیری کی کیفیت سے انھیں کیا غرض، گرمی و سردی کے خواص اور اثرات کو وہ کیا جانیں کہ غالباً ان کا علم بھی اُن کے متعلقہ شعبے تک ہے۔ تو عرض کی بارِالٰہ! تُو پاک ہے تیری شان بہت بلند ہے تیرے علوم میں کسی طرح کی کمی نہیں ہم تو ایسے نہیں ہیں ہم تو وہ بات عرض کرنے کی طاقت رکھتے ہیں جو تو نے ہمیں بتائی۔ ہمارا علم تو تیرا محتاج ہے احتیاج سے پاک تو صرف تیری ذات ہے، تُو سب کچھ جانتا ہے ہم کچھ نہیں جانتے سوائے اُس کے جس کا علم تُو نے ہمیں بخشا ہے۔

پھر حکم ہوا کہ اے آدم (علیہ السلام)! ان کے سامنے ان اشیا کے نام یعنی کیا چیزیں ہیں کس مصرف کی ہیں بیان فرمایئے! تو جب اُنھوں نے بیان فرمایا کہ انھیں تو یہ سب عطا ہوا تھا تو اللہ نے فرمایا دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کے پوشیدہ راز اور حکمتیں میں جانتا ہوں میرا علم کسی کے بیان کا محتاج نہیں ہے میں تو وہ بھی جانتا ہوں جس کا تم اظہار کرتے ہو اور وہ بھی جس کا اظہار نہیں کیا جاتا یعنی میرا علم کسی کے بیان کا محتاج نہیں بلکہ جیسا ظاہر کو جانتا ہوں اسی طرح باطن سے بھی واقف ہوں۔

دیکھا میں نے کیسی مخلوق پیدا فرمائی جو علوم کی جامع ہے زمینی اور آسمانی بھیدوں سے واقف و آگاہ۔ تعمیرِ ظاہر و باطن کی عالِم، اشیا اور علم الاشیا سے آگاہ۔ یہ ہے وہ ہستی جو میری معرفت کی استعداد رکھتی ہے جس طرح زمین تمام سیاروں کا خلاصہ اور سب کی توجہات کا مرکز ہے۔ ایسے ہی یہ مخلوق ساری تخلیق کا خلاصہ ان کی توجہ کا مرکز اور ان میں ممتاز مقام کی حامل ہے جو زمین پر میری نیابت خلافت کی سزاوار ہے۔

پھر فرشتوں کو حکم ہُوا کہ آدم (علیہ السلام) کے لئے سجدہ کرو۔

ہماری شریعت میں سجدہ ایک شرعی اصطلاح ہے آدمی باوضو ہو قبلہ رُخ ہو، دونوں پاؤں دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ قبلہ رُخ زمین پر ہوں، ناک اور پیشانی زمین پر ہو تو یہ حالت سجدہ کہلاتی ہے اور یہ غیر اللہ کے لئے خواہ انسان ہو یا فرشتہ یا کوئی مخلوق قطعاً جائز نہیں۔ یہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہے اور اس کا انسانوں پہ حق ہے وہی معبود و مسجود برحق ہے مگر اصطلاح لُغت میں یہ ادب و تعظیم کو جو غلام آقا کے لئے، خادم

بادشاہ کے لئے بجالائے سجدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حکمران یا آقا، کو رب بمعنی سردار کہا جاتا تھا یہی حال اس اصطلاح کا بھی تھا۔ یہ تو شریعت اسلامیہ کا کمال ہے کہ ان افعال ہی کو سرے سے اُٹھا دیا جو موہم شرک ہو سکتے تھے پہلے یہ حال نہ تھا نیز وہ ابتدا تھی نوع انسانی کی زندگی کی، اب کائنات کی منتشر قوتوں کو یکجا کرنا یا انھیں مختلف کاموں پہ لگانا تنہا انسان کا کام نہ تھا بلکہ اس میں اس کو اُن ملائکہ کے تعاون کی ضرورت تھی جو ان امور پر مقرر ہیں بلکہ خود انسان اپنی ذات اور اپنے وجود میں ان فرشتوں کے تعاون کا محتاج ہے جو اس کے بدن کے مختلف حصوں کا کام برقرار کیے ہوئے ہیں۔

حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ زیر آیت ان کل نفس لما علیہا حافظ فرماتے ہیں کہ ہر وجود پر بے شمار فرشتے مقرر ہیں، غذا کو چبانے کے فعل پر علیحدہ، حلق سے اتارنے والے اور معدے میں حل کرنے والے دوسرے اس سے خون گوشت ہڈیاں بنانے والے دوسرے فضلات کے اخراج پر کوئی اور۔ اس طرح آنکھ کان ناک، دماغ، دل غرضیکہ ہر فعل پر فرشتے مقرر ہیں یہ ایک بہت بڑی اور بہت باریک پرزوں والی مشین ہے جس پر بہت سے کاریگر مقرر ہیں جب کوئی بیماری آتی ہے تو اس جگہ کا کاریگر بحکم الٰہی اپنا کام روک دیتا ہے جو صحت کی خرابی کا سبب بنتا ہے انسان کو ان سب کے تعاون کی ضرورت تھی یہ تو اس کے وجود کا حال ہے ساری کائنات میں یہی حال ہے، ہوا پانی، گیس، تیل، معدنیات یا فلکیات، ستارے سیارے ان کے اثرات بادل بارش وغیرہ میں ان پر مامور فرشتوں کے تعاون کا محتاج تھا۔

اللہ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ یہ میرا نائب میرا خلیفہ ہے میری دنیا میں جو بھی یہ کرے گا تمھیں اس کی راہ روکنے کی اجازت نہیں، حتیٰ کہ یہ کسی کو گولی مارے تو تم بجائے اعتراض کرنے کے اس کی روح قبض کرو گے۔

تو گویا ادبی اصطلاح میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سر تسلیم خم کردو اسجدوا لآدم

سجدہ کا مفہوم

اور اگر یہ کہا جائے کہ گو مقصد تو یہی تھا مگر سجدہ ضرور کیا گیا تو کیا حرج ہے اب بھی تو بیت اللہ کو سجدے کئے جاتے ہیں حالانکہ اس میں سوائے گارے اور پتھروں کے اور کیا رکھا ہے مگر مسجود بیت اللہ نہیں وہ ہے جس نے اپنی ذات کو سجدے کرانے کے لئے بیت اللہ کو قبلہ مقرر کیا ہے اور اسے مہبطِ تجلیات بنا دیا ہے اگر گارا اور پتھر مسجود ہیں تو کیا انھیں وہاں سے اکھیڑ کر کسی اور جگہ مکان بنا دیا جائے تو کوئی مسلمان سجدہ کرے گا ہرگز نہیں۔

یہی حال یہاں ہے کہ اس کی ذات فرشتوں کے ادراک سے بھی وراء الوراء ہے سجدہ اُسی کو ہو رہا ہے جو مسجودِ خلائق ہے مگر قبلہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ اس تک رسائی کا واسطہ اور ذریعہ صرف آدم علیہ السلام ہی ہیں کہ یہی نبوت کے تاج سے سرفراز کئے گئے اور نبوت واحد راستہ ہے جو اللہ سے ملاتا ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تعظیمی سجدے کئے جائیں۔ میرے خیال میں تو اسے دلیل بنانے

والوں کو صرف یہ سوچنا کافی ہے کہ کیا ہم آدم علیہ السلام کے اتباع کے مکلف ہیں یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے۔ نیز جو دلیل والدین اور بھائیوں کے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کی دی جاتی ہے وہ بھی یہ صحیح نہیں کہ اول تو ہم اس کے مکلف نہیں دوسرے وہ بھی وہی تعظیم تھی جو بادشاہوں کو دی جاتی ہے۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انتہائی خوشی کے اظہار کے لیے دی ورنہ یعقوب علیہ السلام جیسا محبت کرنے والا ضعیف العمر باپ یوسف علیہ السلام جیسا نبی حسین وجمیل بیٹا اور اس سے اپنے سامنے اصطلاحی سجدہ کروا رہا ہے یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی۔ واللہ اعلم۔

بہر حال فرشتوں سے آدم علیہ السلام کی غلامی کا عہد لیا گیا جیسے کوئی بھی آج کا صدر جب گورنر مقرر کرتا ہے تو پورے صوبے کی انتظامیہ اس کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاتی ہے وہ غلط حکم دے رہا ہے یا صحیح اس بات سے ان کو سروکار نہیں یہ مقرر کرنے والا جانے اور وہ جانے۔ مگر صدر جب اسی کی گرفتاری کا حکم دے دے تو پھر فوراً سب کی آنکھ بدل جائے گی اور اسے کشاں کشاں لے جائیں گے۔ یہی حال یہاں ہے انسان جو کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے اختیارات کی حدود کے اندر سب کچھ ہوتا چلا جاتا ہے ورنہ زانی کی قوتیں اگر بوقتِ زنا جواب دے جائیں، چور کے پاؤں چوری کی طرف نہ چلتے یا کائنات کی اشیاء کے استعمال میں برائی پر اُس کا ہاتھ رُک جاتا تو یہ مکلف نہ رہتا بلکہ مجبور محض کہلاتا۔ سو اب فرشتے خواہ ان کے مزاج کے کس قدر خلاف بھی کام ہو، سدِ راہ نہیں بنتے جب تک روکنے کا حکم حاکمِ اعلیٰ نہ دے۔

غرض سب فرشتوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا مگر ایک ابلیس کہ اگر فرشتہ نہ تھا مگر مقیم فرشتوں ہی میں تھا اس بات سے انکار کر گیا اور اکڑ گیا ابٰی واستکبر۔ یہ ایک جنّ تھا جس کی وضاحت خود قرآن نے کر دی ہے کان من الجنّ مگر بہت عابد و زاہد تو چونکہ جنات بھی جسمِ لطیف رکھتے ہیں انھیں آسمان پر جانے کی قوتِ تخلیقی طور پر بھی حتیٰ کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری نے انھیں آسمانوں پر جانے سے روک دیا اور بحکمِ الٰہی ان پر پابندی لگ گئی ورنہ تب تک آتے جاتے رہتے تھے کہیں سے فرشتوں نے بھگا دیا کوئی نہ کوئی بات سُن لی کچھ اپنے پاس سے باتیں ملائیں اور کاہنوں کے کان بھر دیئے۔ پیدائشِ آدم علیہ السلام سے بیشتر تو تھے ہی یہ۔ بدکاروں کو کئی دفعہ سزا ملی اور مار پڑی مگر یہ ایسا عابد و زاہد نکلا کہ فرشتوں کی صف میں شامل کر لیا گیا۔ بلکہ اکثر اوقات سرکش جنوں کی سرکوبی کے لیے یہ بھی فرشتوں کو ہمراہ لے کر آتا ہے

زراہِ تفاخر بفوجِ ملک گہے بر زمین بود گاہ بر فلک

ابلیس جب اطاعت کا حکم ہوا تو یہ اکڑ گیا اور انکار کر گیا کیونکہ یہ تھا ہی کافروں میں سے وکان من الکافرین۔ یہاں 'ہو گیا کافروں میں سے'، ترجمہ جچتا نہیں۔ اگر ایسا ہو تو خدا کے لیے بدا لازم آئے گا کہ جب کافر ہو چکا تب اللہ کو علم ہو سکا بلکہ

اللہ کے علمِ ازلی میں یہ بات موجود تھی کہ یہ یقیناً کافر تھا۔ وقتی طور پر اس کے جذبات اگر مائل بہ اطاعت تھے تو حصولِ اقتدار کی خاطر جب تک امتحان نہ ہُوا ترقی کرتا رہا۔ جیسے ہی امتحان میں قدم رکھا وہ حقیقت' جسے صرف اللہ جانتا تھا واضح ہو گئی اور سب جان گئے کہ کافر ہو گیا مگر اللہ نے فرمایا یہ تھا ہی کافر کہ اس کے دل میں اپنی ذات اور حیثیت کے بارے میں غلطی موجود تھی یہ اپنا وجود منوانے کا خواہشمند تھا۔ حالانکہ ذاتِ باری کے سامنے ساری مخلوق نہ ہونے کے برابر ہے۔ بنایا اُس نے، تعمیر وہ کر رہا ہے اور قائم اُسی کے آسرے پر ہیں پھر اس کو کیسے ہم دکھا سکتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں ہاں وہ اللہ کریم ہے کہ اس نے عاجز مخلوق کو ذلیل ہونے سے محفوظ رکھا اور مخلوق کے سامنے مخلوق کی عزّتِ نفس کو برقرار رکھا۔ صرف اور صرف اپنی ذات کے سامنے جھکنے کا حکم دیا ہے۔ ادب اور شے ہے اور ضروری کہ ہر ہستی کی ذمہ داری علیحدہ۔ اسی کے لحاظ سے اس کا رتبہ علیحدہ۔ مگر سب کے اپنے حقوق ہیں اور بحیثیت مخلوق سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز۔ کوئی مخلوق کسی دُوسری مخلوق کی عبادت پر مجبور نہیں بلکہ ایسا کرنا سخت ترین جُرم اور اللہ کی صفت اس کی عظمت کے مظہر کی توہین ہے۔

یہاں اطاعتِ آدم بھی بالکل خُدا کی اطاعت ہے اس لئے قرآن مجید جا بجا فرماتا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ۔ کہ کسی کی عزّتِ نفس مجروح نہ ہو کہ میں کسی انسان کی غلامی بے چوں وچرا کیوں کروں، یہ غلامی انسان کی نہیں بلکہ اللہ کی ہے اور یہ فخرِ انسانیت عظیم ترین انسان، ہمارا بہت بڑا محسن کہ ہمارے رب کے ارشادات ہم تک پہنچانے والا ہے اور کوئی جب تک دل سے اس بات کو تسلیم نہ کرے حقیقی مومن نہیں بن سکتا۔ اگرچہ زبانی کلمہ پڑھ لینا دُنیا کے سامنے اس کے مسلمان ہونے کو کافی ہے' احکام اسلام کے جاری ہوں گے، حقوق مسلمانوں جیسے رکھے گا مگر کب تک ؟ آخر کفر ظاہر ہو جائے گا کسی کا دُنیا ہی میں مذہب چھوڑ دینے پر' کسی کا موت آنے پر اور قبر میں جانے پر۔ بہرحال جب تک دل ایمان قبول نہ کرے اللہ کے نزدیک وہ کافر ہی رہے گا اگرچہ بظاہر اسلامی حقوق سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ یہاں یہ بھی ظاہری عبادت سے فائدہ حاصل کرتا رہا، جیسے اب بھی لوگ بظاہر وظائف کا سکہ جما کر پیر بن جاتے ہیں یہ بھی پیر بن گیا۔ مگر قلعی کُھل گئی جیسے نقال پیروں کی مَوت انہیں حقیقت سے سامنا کرنے پر مجبُور کر دے گی۔ اس کو تخلیقِ آدم نے ابتلا میں ڈال دیا اور دل کی بات زبان پر آگئی کوئی عالم ہو یا عابد' پیر ہو یا خطیب' جنرل ہو یا حاکم سب کچھ سب کچھ اللہ کی طرف سے ملا ہے۔ کم از کم اللہ کے سامنے تو اکڑنا زیب نہیں دیتا اور یہی شیطنت ہے اکثریت اس میں مبتلا ہے۔

اگر کوئی شخص طریقِ سُنت کو چھوڑ کر اپنے رسُوم و رواج کو اپناتا ہے تو دراصل اسی خبثِ باطنی کا پتہ دیتا ہے کہ دل میں وہ سمجھتا ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے جو طریقہ فرمایا ہے میں اس سے بہتر جانتا ہوں چاہیے کہ اس مرض کا کھوج لگایا جائے اور اسے دل سے دُور کیا جائے کسی صاحبِ دل کو تلاش کریں اور دل کا علاج کرائیں کہ اس میں اپنے فخر اور تکبّر کی جگہ پر اللہ کی عظمت جاگزیں ہو۔ یہ کام نبُوّت

کے کمالات میں سے ہے اور نبی ﷺ کے صحیح جانشینوں سے مل سکے گا جو وراثتِ نبوی کے حامل ہوں گے ورنہ یہ جنس نایاب ہے۔ نبوت کی متاعِ اصلی یہی کمال ہے کہ دلوں کو مہبطِ تجلیات بنا دیتا ہے اور اس کے ورثا۔ وہی لوگ ہیں جو اپنی حیثیت کے مطابق یہ کمال رکھتے ہوں ورنہ سب دھوکہ بازی ہے نقلی رنگ ہے جو ایک نہ ایک دن اُتر جائے گا۔

وقلنا یادم اسکن انت .... فتکونا من الظلمین۔

اب تربیت شروع ہوئی آدم علیہ السلام کی کہ دُنیا میں کیسے بسنا ہے اسی لیے یہ نہ فرمایا کہ اب تم جنت میں ہی رہو بلکہ فرمایا اسکن بھی ڈیرہ رکھو جنت میں۔ یہاں لباس استعمال کرو، کھاؤ پیو۔ میاں بیوی دونوں اپنا گھر بساؤ اور طریقۂ زندگی حاصل کرو یہاں تو جو بھی آتا ہے، پہلے بسنے والوں سے سیکھتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے رہنا ہے مگر وہ کہ پہلے انسان تھے نیز نبی براہ راست اللہ سے تربیت حاصل کرتے ہیں فرمایا، یہاں رہو مگر دُنیا دار ابتلاء ہے وہاں پابندیاں بھی ہوں گی۔ لہٰذا یہاں بھی ایک پابندی ہے کہ جو چاہو کھاؤ پیو مگر اس ایک درخت کے قریب مت جانا۔ اگر ایسا کیا تو غلط کرنے والے قرار پاؤ گے ظلم ہوتا ہے وضع الشیٔ فی غیر محلہٖ۔ کسی چیز کو اصل جگہ سے ہٹا دینا اسی لیے شرک سب سے بڑا ظلم ہے سو غلطی کرنے والے ہو جاؤ گے۔

اب وہ درخت کیا تھا اور کیا نہیں تھا اس کی وضاحت نہیں ملتی غالباً اس لیے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ جو شے اللہ اور اُس کے رسُول ﷺ نے بیان نہیں کی اس میں دخل دینے سے کسی کو کیا فائدہ ہو سکے گا۔

یہ ایک امتحان بھی مقرر ہو گیا اور فی الحال سائش کا اہتمام بھی۔ یہ قیام جنت ایسا نہ تھا جیسا بعد قیامت ہو گا وہاں تو خلود کی بشارت ساتھ ہے یہاں صرف اسکن ہے کہ یہاں ٹھہر جاؤ۔ آدم علیہ السلام نے ڈیرے ڈال دیئے اور وہاں رہنا شروع کیا۔ خوب مزے سے کھاتے پیتے، سیر کرتے، مختلف جگہوں میں پھرتے کہ اور تو کوئی پابندی نہ تھی۔

یہاں ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے یہ اجتماعی عقیدہ ہے نیز اگر نبی سے عصمت اُٹھا دی جائے کسی آن کسی لمحہ بھی تو سارا دین ناقابلِ اعتماد ہو جاتا ہے کہ نہ جانے کس کام کے کرنے کے وقت خطا صادر ہو گئی ہو۔ اس سب کے باوجود یہاں ایک غلطی کے صدور کا ذکر بھی ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا جنت دارِ ابتلاء ہے اور جنتیوں پر جنت میں رہتے ہوئے کوئی کام منع بھی ہے ہرگز نہیں بلکہ اُن کے مزاج ایسے ہوں گے کہ فطرتاً ہر اچھا کام ہی کریں گے جیسے انبیاء دُنیا میں۔ نیز جنت میں کوئی ایسا درخت بھی ہے جس کا کھانا ان کو مضر ہو گا یا وہ کڑوا کسیلا ہے یا زہر آلود ہے ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ تخصیص حضرت آدم علیہ السلام ہی کے ساتھ کیوں ؟ اس لیے کہ وہ بطور انعام ہمیشہ کے لیے جنت میں نہ ٹھہرائے گئے تھے بلکہ وہاں رہ کر دُنیا میں آنے کی تیاری کر رہے تھے وہ مدرسہ تھا جس کا معلم خود اللہ تھا اور انہیں سکھایا جا رہا تھا کہ

دنیا میں اس طرح نعمتوں کے ساتھ کچھ پابندیاں بھی ہوں گی ایک دشمن بھی تاک میں رہے گا جس کی بات آپ نے نہیں سُننی اور پھر اس کا عملی تجربہ بھی ہو گیا کہ شیطان نے انھیں دھوکہ دے لیا۔

فازلهما الشیطٰن .... ومتاعٌ الی حِین۔

آسمانوں پر شیطانوں کا جانا تو بند نہ ہُوا تھا ممکن ہے آسمان پر سے بات کرتا رہا ہو کہ جنت میں جنتی آخر دوزخیوں کی بات بھی تو سُنیں گے اُنھیں دیکھیں گے نیز دوزخی بھی دیکھ سُن رہے ہوں گے تو سوال کریں گے۔ افیضوا علینا من الماء اور وہ جواب دیں گے ان اللّٰہ حرمھما علی الکٰفرین تو عین ممکن ہے اس نے کہیں دُور سے بات کی ہو پھر ساتھ قرآن فرماتا ہے۔ فنسی اٰدم فلم نجد لہٗ عزمًا۔ کہ آدم علیہ السلام بھُول گئے نیز اُس نے اللہ کی قسم کھائی وقاسمھما تو سمجھے کہ بھلا اللہ کی قسم بھی کوئی غلط بات پہ کھا سکتا ہے تو اسی سہو و نسیان میں وہ پھل کھا لیا جس پر حکم ہُوا کہ اب آپ یہاں سے تشریف لے جایئے اور خوب یاد رکھیے کہ آپ کو مقرر وقت تک دُنیا میں رہنا ہے جہاں آپ کے لئے ہر طرح کا سامان موجود ہے مگر یہ بھی خوب یاد رہے کہ تم ایک دُوسرے کے دشمن ہو جن میں کبھی صُلح نہیں ہو سکتی۔

حضرت آدم علیہ السلام دُنیا پر کوئی سزا دے کر نہ بھیجے گئے تھے بلکہ وہ تو پیدا ہی خلیفۃ اللہ فی الارض کئے گئے تھے مگر ذرا سی اِس بھُول نے قلبِ پیغمبر کو مضطر کر دیا نیز آدم علیہ السلام اور اماں حوا بہت دُور دُور اتارے گئے گویا یہ مصیبت اس پر ضرور مرتب ہُوئی حالانکہ وہ حکم نہ مستقل شریعت تھا اور نہ جنت دار التکلیف۔

ولی کا کشف دوسروں کے لئے حجت نہیں

یہاں سے سلوک کا مسئلہ سمجھ میں آتا ہے کہ ولی کا کشف و الہام اگرچہ دوسروں پر حجت نہیں مگر وہ خود اگر اس پر عمل نہ کرے گا تو دو نقصان ضرور ہوں گے اگرچہ ایمان محفوظ رہے گا۔ پہلا مقام میں تنزل، دُوسرا دُنیاوی مصائب یہ یاد رہے کہ کشف و الہام حدُودِ شرعی سے متصادم نہ ہو، ورنہ خود اُس کا وجود ہی ثابت نہ ہو گا۔

اب مصیبت کا دَور شروع ہوا تو متوجہ الی اللہ ہی ہوئے کہ یا اللہ! اب کیا کروں، اُن کی مسلسل خاموشی سوال بن گئی جس کے جواب میں فتلقّٰی اٰدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ انہٗ ھو التواب الرحیم۔ اللہ ہی نے کچھ کلمات تعلیم فرمائے من ربہ یہ اس کی شانِ ربُوبیت ہے کہ جس قدر علوم انسان کے لئے ضروری ہوں عطا فرماتا ہے جیسے غذا اور دیگر ضرُوریات ہاں! حوصلے حوصلے کی بات ہے جیسے دال پر مطمئن رہنے والوں کو زبردستی قورمے نہیں کھلاتا اسی طرح بغیر طلب کے علُوم بھی عطاء

نہیں فرماتا اور طالب کو کبھی محروم نہیں فرماتا

یہ بھی واضح ہو گیا کہ اوراد و وظائف بھی وہی مفید ہوں گے جو اللہ کی طرف سے ہوں اور اللہ کے نبی نے بتائے ہوں۔ شیخ کے بتانے کی برکت کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر شیخ کا کام قرآن و سُنّت سے ضرورت کے مطابق بتانا ہے خود وضع کرنا نہیں، جیسے حکیم ادویات مرض کے مطابق دے سکتا ہے نئی جڑی بُوٹیاں اگانا اُس کے بس کی بات نہیں۔ بُوٹیاں اللہ ہی کی پیدا کردہ ہوں گی۔ ہاں اُسے مرض اور اس کے ازالہ کا علم دیا گیا ہے یہی اس کی فضیلت ہے۔ بالکل اسی طرح شیخ حالات کو دیکھ کر کتاب و سُنّت سے وظیفہ بتانے کا اہل ہے نہ کہ وظیفے ایجاد کرنا اس کا کام۔ جیسے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ساری عُمر کتاب و سُنّت ارشاد فرماتے رہے اور یار لوگوں نے قصیدہ غوثیہ ایجاد کر لیا۔ بھئی واہ! بھلا وہ کلام کیوں نہ پڑھیں جو حضرت خود بھی پڑھا کرتے تھے کیا وہ صرف اپنا قصیدہ پڑھا کرتے تھے؟

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ کی طرف سے کلمات عطا ہوئے جو رفع مصیبت کا سبب بنے۔ اکثر روایات کے مطابق وہ آیت یہ تھی: ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین۔ اب اگر کوئی ہر صلوٰۃ کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھنا معمول بنا لے تو انشاء اللہ مصیبت سے گلو خلاصی کا سبب ہو گی اور اگر عمومِ مصائب سے بچنا چاہے تو بہترین نسخہ ہے چنانچہ ان کی توبہ یا رجوع الی اللہ قبول ہُوا کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اُس کی رحمت بے پایاں ہے۔

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ نہ عبادات کو انعام لازمی ہے نہ خطا کو سزا ضروری۔ انعام و جزا بھی محض اس کی بخشش ہے جس سے وہ محروم نہیں کرتا۔ اور سزا بھی اس کی مرضی سے ہے چاہے تو معاف کر دے مگر اس نے معافی کے لئے توبہ کی شرط رکھی ہے زبردستی معافی نہیں ٹھونسے گا جیسے آجکل کے لوگ بھول رہے ہیں کہ جی اللہ بڑا رحیم ہے کیا ضروری ہے کہ عبادت ہی کی جائے۔ بیشک وہ بڑا رحیم ہے، مگر بڑا عادل اور حکیم بھی ہے صادق بھی ہے اس کا فیصلہ ہے کہ توبہ تمہیں کرنا ہے پھر اس کی قبولیت کا مدار اس کی رحمت پر ہے بغیر توبہ کے غرہ ہونا مناسب نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہُوا:

قلنا اھبطوا منھا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھُم یحزنُون۔ والذین کفروا وکذبوا بایٰتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدُون۔

کہ سب زمین پر چلے جاؤ، وہاں تمہارے پاس میرے احکام و ہدایات آیا کریں گے۔ اب تمہاری ساری اولاد میں سے جو بھی میرے احکام کی اطاعت کرے گا اور میری دُنیا میں میرا بندہ بن کر رہے گا، اُسے نہ کوئی ڈر ہو گا نہ افسوس۔ ڈر آئندہ کے لئے کہ جانے

کل کیا ہو اور افسوس گزشتہ پر کہ ایسا کیوں کیا ۔ وہ ان دونوں سے مامون ہوں گے کہ اُن کی اطاعت کا آئندہ ثمر بہترین ہوگا اور وہ اپنی گزشتہ زندگی پر مطمئن ہوں گے ۔ لیکن اگر شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور میرے احکام کا انکار کر بیٹھے یا تکذیب کے مرتکب ہوئے تو اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے جہاں انہیں حسبِ اعمال ہمیشہ رہنا ہوگا اور کبھی جنّت میں نہ جا سکیں گے ۔

انکار اور تکذیب تقریباً ہم معنی ہیں کہ ایک کہتا ہے میں یہ بات نہیں مانتا ، انکار ہو گیا ۔ دوسرا کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے تو یہ تکذیب ہو گئی ۔ مگر یہاں یوں نظر آتا ہے کہ تکذیب کو اس لیے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اس کے دو درجے ہیں ۔ ایک زبانی اور دوسری عملاً تکذیب جو آجکل ہے ۔ کہا جاتا ہے نماز بہت بڑی عبادت ہے مگر پڑھی نہیں جاتی ۔ اقرار ہوتا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے مگر ادا نہیں کی جاتی یہی حال دُوسرے احکام کا ہے بلکہ اگر بعض مواقع پر سنّت کی تلقین کی جاتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ سنّت پر عمل کرنے سے ناک کٹ جائے گی ۔ یہ تو حدِ کفر ہے اور ایسا کہنے والا کفر سے نہیں بچ سکتا اگرچہ لوگ معًا بعد کلمہ وغیرہ بھی پڑھتے ہیں بغیر یہ جانے کہ میں نے کفر بک دیا تھا ۔ تو پھر سے اسلام میں تو داخل ہو جاتے ہیں مگر نکاح کی تجدید نہیں کرتے جس کی وجہ سے عمر بھر زنا میں مبتلا ہوتے ہیں اور اولاد بوجہ ناجائز ہونے کے بدکار اور بداندیش ہوتی ہے یہ تو اُن لوگوں کا حال ہے جو اپنے رسُوم رواج کو سُنّت پر قولاً و فعلاً ترجیح دیتے ہیں مگر ایسے بھی ہیں جو زبانی ایسا کرنے کی جرات نہیں کرتے اور کہتے ہیں اچھا طریقہ وہی ہے جو مسنون ہے مگر بعض مجبُوریاں انہیں اس پر عمل نہیں کرنے دیتیں ایسے لوگ بھی اس وعید کی زد میں ہیں کہ عملی تکذیب کے مرتکب ہیں ۔ خدا ہم سب کو معاف کرے آمین ۔

یہاں یہ حال کہ عملی تکذیب بھی وُرُودِ نار کی خبر دیتی ہے اگرچہ اس میں خلود نہیں کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے ۔ مگر یار لوگوں نے ہر بدعتی کی ولایت کا اقرار کر رکھا ہے ۔ بریں عقل و دانش بباید گریست ۔ سو انکار کرنے والے اور تکذیب کرنیوالے دُنیا سے لوٹ کر اپنے اصل گھر نہ جا سکیں گے بلکہ وہ لوگ آگ میں رہنے والے ہوں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا ۔

رکوع نمبر ۵ آیات ۴۰ تا ۴۶ الٓمٓ ۵/۱

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا	اے آلِ یعقوب ! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا	40. O Children of Israel! Remember My favour wherewith I favoured you, and fulfil your (part of the) covenant,

بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّٰيَ
فَٱرْهَبُونِ ﴿٤٠﴾

میں اس اقرار کو پورا کرونگا جو میں نے تم سے کیا تھا
اور مجھی سے ڈرتے رہو ﴿٤٠﴾

I shall fulfil My (part of the) covenant, and fear Me.

وَءَامِنُوا۟ بِمَآ أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا
مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ
بِهِۦ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا
وَإِيَّٰىَ فَٱتَّقُونِ ﴿٤١﴾

اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمدؐ پر) نازل کی ہے جو تمہاری
کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس سے
منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں میں (تحریف کرکے) ان کے بدلے تھوڑی سی
قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو اور مجھی سے خوف رکھو ﴿٤١﴾

41. And believe in that which I reveal, confirming that which ye possess already (of the Scripture), and be not first to disbelieve therein, and part not with My revelations for a trifling price, and keep your duty unto Me.

وَلَا تَلْبِسُوا۟ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُوا۟
ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ
کر نہ چھپاؤ ﴿٤٢﴾

42. Confound not truth with falsehood, nor knowingly conceal the truth.

وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ
وَٱرْكَعُوا۟ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (خدا کے آگے)
جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو ﴿٤٣﴾

43. Establish worship, pay the poor-due,* and bow your heads with those who bow (in worship).

۞ أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ
أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ ۚ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾

(یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو
کہتے ہو اور اپنے تئیں فراموش کئے دیتے ہو حالانکہ
تم کتاب (خدا) بھی پڑھتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں؟ ﴿٤٤﴾

44. Enjoin ye righteousness upon mankind while ye yourselves forget (to practise it)? And ye are readers of the Scripture! Have ye then no sense?

وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ
وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى ٱلْخَٰشِعِينَ ﴿٤٥﴾
ٱلَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَٰقُوا۟
رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿٤٦﴾

اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بیشک
نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں) نہیں جو عجز کرنیوالے ہیں ﴿٤٥﴾
جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں
اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿٤٦﴾

45. Seek help in patience and prayer; and truly it is hard save for the humble-minded,

46. Who know that they will have to meet their Lord, and that unto Him they are returning.

اسرار و معارف

جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ سورۃ بلحاظ نزول مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں یہود کا کافی تسلط تھا۔ قلعے اور جاگیریں بھی تھیں۔ کاروباری لحاظ سے بھی بہت بڑھے ہوئے تھے اور ان میں بڑے بڑے علماء بھی تھے نیز وہ اپنے آسمانی مذہب پر ہونے اور حق پر ہونے کے مدعی بھی تھے۔

لہٰذا اللہ کریم نے سب سے پہلے مومن کے اوصاف، پھر کافر اور منافق کے حالات بیان فرمائے پھر عمومی دعوت تمام انسانیت کو دی اور اب روئے سخن براہِ راست یہود کی طرف ہے کہ اسے اولادِ یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔

ان سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبی بنی اسرائیل میں ہوئے ہیں۔ باوجود دوسری نعمتوں کے یہی ایک نعمت کس قدر عظیم ہے کہ سلسلۂ نبوت صدیوں تک اس قوم میں جاری رہا جس کے طفیل انھیں دُنیا کی عزت حتیٰ کہ حکومت تک نصیب ہی اور اُخروی کامیابی بھی۔ مگر ایک بات جو ہر نبی نے اپنی اُمت سے ارشاد فرمائی اور بنی اسرائیل میں بھی اوّل سے آخر تک سب انبیاء علیہم السلام نے بتلائی نیز کُتبِ سماوی نے اس کی اطلاع دی نہ صرف اطلاع بلکہ اس پر ایمان لانا اور اس کا اقرار بھی ارکانِ دین میں سے تھا اور اس کا منکر کافر۔

وہ یہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء مبعوث ہوں گے جب قبل بعثت اُن کا ماننا ارکانِ دین میں سے ہوا تو پھر بعثت پر ایمان لانا تو دین کی بنیاد ٹھہرا۔ لہٰذا تمھیں نہ صرف اس پر ایمان لانا ہوگا بلکہ ہر طرح سے ان کی نصرت کرنی ہوگی اور یہ لوگ قبل بعثت تک تو آپ ﷺ کی تشریف آوری کے منتظر رہے مگر بعثت پر انکار کر بیٹھے تو فرمایا: اوفوا بعھدی۔ یعنی جو وعدہ نسلاً بعد نسل میرے ساتھ کرتے چلے آئے ہو اب پورا کرو۔ اس پر قائم رہو تو میں بھی اپنا وعدہ کہ تم دُنیا و آخرت میں عزت پاؤ گے پورا کروں۔ مگر یہ صرف اس صورت میں ہو سکے گا کہ تم مجھ سے ہی ڈرو۔ اگر تمھاری امیدیں میرے سوا، دُوسرے سے وابستہ ہوں گی اور اس کی ناراضگی کا اندیشہ رکھو گے تو پھر اُسی کی پسند پر بھی چلو گے۔

وَاٰمِنُوا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ۔

اور اس حقیقت پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل فرمائی ہے اور جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے نہ صرف اس معنی سے کہ قرآن تورات و انجیل کو منزل من اللہ بتاتا ہے بلکہ عملاً بھی ذاتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور قرآن کریم اس پیشگوئی کو جو پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کے بارے میں تھی حرف بحرف پورا کر کے ان کی تصدیق فرماتے ہیں۔ لہٰذا تمھیں زیب نہیں دیتا کہ تم ہی پہلے انکار کرنے والے بن جاؤ، اور دُوسرے لوگ جو تمھیں عالم جانتے ہیں تمھاری وجہ سے انکار کرتے چلے جائیں تو اس طرح تم نہ صرف اپنے کُفر بلکہ دُوسروں کے کفر کے بھی ذمہ دار قرار پاؤ گے

حدیث شریف میں وارد ہے کہ نیکی کی ترغیب دینے والا بھی اسی قدر ثواب پاتا ہے جتنا اُس پر عمل کرنے والا، اور بدی کی دعوت دینے والا یا بُرائی ایجاد کرنے والا اسی قدر گناہ پاتا ہے جس قدر لوگ اس پر عمل کرتے چلے جاتے ہیں۔

یہاں صُوفیوں کے لئے بہت باریک بات ہے کہ ان کی بعض حرکات کی وجہ سے لوگ اہل اللہ سے بدظن ہو جاتے ہیں جس کے لئے یہ ذمہ دار ہوں گے اور بعض عادات جو خلافِ سُنت ہوتی ہیں لوگ اپنا کر اُن پر ہمیشہ بوجھ لادتے رہتے ہیں۔ اس لئے صُوفی

کو چاہیے کہ عادات تک کی نگہبانی کرے کہ یہ لوگ مقتدا ہوتے ہیں آیات کے بدلے دُنیا حاصل کرنے میں نہ لگ جاؤ جو ایک قلیل معاوضہ ہے اور بہت تھوڑی قیمت ہے کہ ساری دُنیا بھی بدلے میں ملے پھر بھی کم ہے چہ جائیکہ تم حقیر سی رقم یا وقتی اقتدار کی ہوس میں تورات کی آیات بدل دیتے ہو۔ کچھ تو اللہ کا خوف کرو۔ یعنی اقتدار کے جانے کا غم نہ کرو، دولت نہ ملنے کا اندیشہ نہ رکھو۔ بلکہ میری ناراضگی سے ڈرو۔

یہاں معارف قرآن میں اس موضوع پر بحث ہے کہ کیا ائمہ مساجد کو تنخواہ لینی جائز ہے؟ یا ختم قرآن یا تعلیم قرآن پہ اُجرت کیسی ہے اگر چاہیں تو دیکھ لیں مگر یہ آیت اس پر بات نہیں کرتی بلکہ یہ فتویٰ فروشوں کو متنبہ کرتی ہے جو روپے کے لیے یا اقتدار قائم رکھنے کو یا کسی بھی دنیاوی لالچ میں آکر غلط فتوے دے دیتے ہیں کہ یہ براہ راست احکام باری کی توہین و تذلیل ہے کہ علمائے یہود ایسا ہی کرتے تھے۔ حالانکہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ برحق نبی ہیں مگر آپ ﷺ کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔ لہٰذا فرمایا کہ اگر تم ایماندار ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو پھر صرف مجھ سے ڈرو۔ اقتدار اور دُنیا کے جانے سے لرزاں و ترساں کیوں ہو؟

ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون۔

سچ کو جھوٹ کے ساتھ اور حق کو باطل کے ساتھ غلط ملط نہ کرو اور سچائی کو نہ چھپاؤ کہ تم خوب جانتے ہو۔ کیونکہ علمائے یہود و نصاریٰ تو نہ صرف حضور اکرم ﷺ بلکہ صحابہ کرامؓ تک کے اوصاف حمیدہ سے اس قدر واقف تھے کہ صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بیت المقدس سپرد کر دیا تھا کہ ہماری کتابوں کی پیشگوئی کے مطابق یہ وہی شخص ہے جس کے ہاتھ پر فتح مقدر ہے۔

واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین۔

حق پر قائم رہنے کے لیے صلوٰۃ قائم کرو اور مال میں سے فرض صدقات ادا کرو، نیز بدنی اور مالی عبادات پوری محنت سے کرو کہ یہی تقاضائے ایمان ہے اقامت صرف پڑھنے کو نہیں کہا جاتا بلکہ صلوٰۃ کی جملہ شرائط جسم اور لباس کی طہارت، وضو، وقت، باجماعت اور پھر ارکان صلوٰۃ کا پورا پورا خیال رکھنا۔ قیام، رکوع، سجود، جلسہ وغیرہ تمام اُمور کی نگہداشت کرنا بلکہ اس سے بڑھ کر تلقین اور تبلیغ بھی اقامت صلوٰۃ کا شعبہ ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہو نیز رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

یہاں سے اکثر حضرات وجوب جماعت کو ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بغیر عذر شرعی مرد کے فرائض پنجگانہ گھر میں ادا ہی نہیں ہوتے اور سستی و تساہل عذر شرعی میں داخل نہیں۔ اس کے علاوہ حدیث شریف میں جو تاکید ہے وہ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے لوگوں کو نماز کے لیے حاضر ہونا چاہیے اس میں لاؤڈ سپیکر شرط نہیں بلکہ متوسط آدمی کی آواز۔ حتّٰی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک نابینا صحابیؓ کو بھی رخصت نہ فرمائی تھی۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں متحد ہونا بھی ضروری ہے اور یہ روش

کہ ہر مسجد والا دُوسری مساجد والوں پر طعن کرے ناجائز اور سخت نامناسب ہے، عجب حیرت ہے کہ لوگوں کو کافر بھی مساجد میں ہی نظر آتے ہیں کبھی جوا خانوں میں جانے والوں اور فحاشی کے اڈوں پر راتیں بسر کرنے والوں سے کچھ نہیں کہا جاتا حالانکہ یہ اُمور بھی گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں علمائے حق نے سچے مسلمان کے اوصاف میں یہ وصف بھی نقل کیا ہے کہ اگر وہ دین کے کام میں مخلص ہے تو دُوسرے کے اُسی کام کو کرنے سے خوش ہوگا، ورنہ حسد کرے گا جو آجکل عام ہے۔

اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب افلا تعقلون۔

اللہ کے بندو! لوگوں کو تو بھلائی کا حکم کرتے ہو، نیک کام کرنے کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

علمائے یہود اپنے مسلمان ہو جانے والے رشتہ داروں سے تو یہ کہتے تھے کہ یہ حق ہے اور اس پر جمے رہو مگر خود اس طرف نہیں آتے تھے نیز یہ ان لوگوں کو بھی متنبہ فرمایا جارہا ہے جو وعظ تو خوب کہتے ہیں مگر عملی زندگی درست نہیں رکھتے لوگوں کو جن باتوں سے منع کرتے ہیں خود اُنہی کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ عوام تو محض سُنی سنائی کی حد تک جان سکتے ہیں اور تم خود کتاب کے جاننے والے یعنی عالم ہو کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے۔ تمام نیکیوں کی بنیاد عقیدہ ہے جو شخص بھی عقائد کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور ان کی اصلاح نہیں کرپاتا وہ مزید نیکی کیا خاک کرے گا۔ جیسے علمائے یہود باقی اچھے کام کرنے کو تو کہتے تھے مگر عقیدہ جو ضروری اور بنیادی چیز تھا یعنی نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا۔ نہ اس کی تلقین کرتے نہ خود لاتے۔

تو یہ سب کیوں ہے؟ لذت طلبی اور عزت و اقتدار کی خواہش، دولت کی طلب کہ شاید اس طرح یہ چیزیں نصیب ہوں اور زندگی آرام سے گزرے۔ فرمایا، یہ اندازِ فکر ہی خلافِ حقیقت ہے کہ یہ دنیا مصیبتوں کا گھر ہے جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ خواہش تو انسان کر سکتا ہے مگر اس کی تکمیل اس کے بس میں نہیں اور یہ خواہشات زندگی کو اجیرن بنا دیتی ہیں اس کے لئے نہ دولت کے پیچھے دوڑو نہ اقتدار اور پیشوا بننے کی ہوس میں حق سے گریز کرو۔ بلکہ واستعينوا بالصبر والصلوٰة ۔صبر اور صلوٰۃ ۔یعنی عبادت اور دُعا سے مدد حاصل کرو۔ صبر کیا ہے؟ اللہ کی اطاعت پر اپنے آپ کو کاربند کرلینا اور عدم اطاعت سے نفس کو روک لینا۔

اصُولِ تجویز اور اصُولِ تفویض

یعنی تجویز کرنا چھوڑو، طریقِ تفویض اختیار کرو۔ وہ یہ کہ سب سے پہلے تو خلافِ شرع اور ممنوعہ اُمور سے رُک جاؤ۔ بہت بڑی مصیبت سر سے ٹل جائے گی پھر جو کام مباح ہیں اُن میں اپنی کوشش تو ضرور کرو۔ اور امکانی حد تک محنت کرو مگر نتائج کی اُمید اللہ سے رکھو محنت بھی کرو اور دعا بھی۔ مگر نہ محنت پر یہ حکم لگاؤ کہ اس کا نتیجہ یقیناً وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے بس میں نہیں اور نہ صرف محنت پہ بس کرو بلکہ دعا بھی کرو اور دُعا کو بھی درخواست

جانو حکم نہ سمجھو کہ اللہ پر نافذ ہو جائے گا۔ اب اگر نتیجہ دُنیا میں بھی تمھاری اُمید کے مطابق نکلا تو کیا کہنے کہ ثوابِ آخرت بھی بلا بوجہ اتباعِ شریعت کے اور اللہ سے شرفِ ہمکلامی بذریعہ دُعا نصیب ہوا اور دل کی مُراد بھی بر آئی لیکن اگر نتیجہ دُنیا میں تمھاری اُمید کے برعکس آیا تو پہلے دو لُطف تو مل ہی گئے جو اصل مقصود ہیں اور کیا خبر کہ تمھاری توقع اور خواہش کے مقابلے میں اس سے بہتر متبادل چیز بخش دے اور یقیناً ایسا ہی ہوتا ہے۔

یہ طریقہ دُنیا میں بھی لذتِ اکرام حاصل کرنے کا ہے نہ چوری، نہ رشوت، نہ کتمانِ حق یہ راستہ مصائب کو تجھ سے دور کرے گا یہ نسخہ ذرا مشکل ہے بلکہ بہت مشکل ہے وانها لكبيرة یہ بہت مشکل کام ہے الا على الخاشعين الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم اليه راجعون ۔ مگر اُن لوگوں کے لئے مشکل نہیں جن کے قلوب میں خشوع موجود ہے کہ خشوع فعل ہی قلب کا ہے اور یہ اس کیفیت کا نام ہے جو عظمتِ باری اور ہیبتِ الٰہی کے سامنے اپنی بے مائیگی اور بے بسی کا اندازہ کر کے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کی وہ عظمت کہ ساری کائنات کا خالق مالک رازق اور پروردگار ہے پھر اس وسیع کائنات میں خود یہ زمین ایک ذرہ ہے اس پر نہ جانے کس قدر اقسام ذوالارواح کی ہیں جن میں سے پوری انسانیت ایک اکائی کا درجہ رکھتی ہے اس اکائی میں ایک آدمی کیا ہے ذرا اعشاریہ لگا کر صفر لگانا شروع کر دیں دیکھیں زندگی میں ایک لکھنے کی نوبت آتی ہے یا پوری زندگی صفر صفر لکھتے ہی تمام ہوتی ہے۔

اس طرح عظمتِ باری کا شعور جو ایک کیفیت ہے اور قلب پر وارد ہوتی ہے اسی کو خشوع کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ قلب ہی ہے جو یقین عطا کرتا ہے کہ مجھے اپنے پروردگار سے ملنا ہے اگر یہ ملاقات اور لوٹ کر جانا نہ ہوتا تو پوری تخلیق ہی عبث ہوتی کہ بے نتیجہ کام عبث ہوا کرتا ہے اور فضول کام کرنے والے کو رب نہیں کہا جاتا۔

یہ بھی شانِ ربوبیت کے لئے ضروری ہے کہ قیامت قائم ہو نتائج سامنے آئیں اور نیک و بد اثرات مرتب کئے جائیں اسی وجہ سے یہاں ملقوا ربهم فرمایا گیا ہے کہ یہ تمام امور صفتِ ربوبیت کا اظہار ہیں۔ لہٰذا کیفیات کو محسوس کرنے کے لئے زندگی شرط ہے۔ مُردوں کو گرمی سردی، رنج اور خوشی سے کیا سروکار۔ تو دل بھی جب ہی محسوس کرے گا جب زندہ ہوگا۔ یہ دل ہی کی بے حسی ہے کہ عبادات متروک ہیں۔ اگر مُردہ نہیں تو بے ہوش ضرور ہے اور اکثر یہی بے ہوشی موت پر منتج ہوتی ہے اور لوگ نئے اور باطل مذاہب کے جال میں پھنس جاتے ہیں اس لئے کسی ایسے معالج کی ضرورت ہے جو اس فن میں مہارت رکھتا ہو۔ برکاتِ نبوی ﷺ سے دل روشن رکھتا ہو اور دوسرے قلوب تک یہ روشنی پہنچائے۔

آپ ﷺ سے دو طرح کے فیوض و برکات جاری ہوئے ایک ارشاداتِ رسول ﷺ دوم مجلسِ رسول ﷺ کی برکات۔ ارشادات سے بھی وہی مستفید ہوئے جنھوں نے فیضِ صحبت پایا۔ ورنہ محض سُننے کی حد تک تو کافر بھی شریک ہیں سو

آج بھی اسی طرح فیضِ صحبت کی ضرورت ہے ورنہ محض سُنی سنائی سے بات بننے سے رہی جس طرح اقوال وارشادات منتقل ہوتے ہیں۔ اسی طرح نسلاً بعد نسل فیضِ صحبت بھی سینوں کو منور کرتا چلا آتا ہے ذرا سلاسلِ اولیاء اللہ کو دیکھو! سندِ حدیث کی طرح موجود ہیں۔ ان میں کوئی شخص جو واقعی سینہ منور رکھتا ہو اور دل کو جگا سکتا ہو مِل جائے تو بات بنے خشوع بھی نصیب ہو، لقائے الٰہی پہ یقین حاصل ہو اور انسانی افعال کے نتائج اُخرویہ پہ نگاہ رکھنے کی اہلیت پالے۔ ورنہ دُنیا اور آرام ۔ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

بغیر خشوع اکثر نمازیں بھی گستاخی کے ضمن میں آتی ہیں یعنی بندہ رب سے ہمکلام ہو اور متوجہ دوسری طرف ہو۔ یہ بہت بڑی گستاخی ہے مگر بایں ہمہ بندہ ہو اور نماز ادا ہی نہ کرے فرائض کو فراموش ہی کر دے یہ گستاخی کی حد سے بڑھ کر ہے اور ایک طرح سے ظلم۔ اپنی تباہی کا سامان ہے نہ پڑھنے سے تو بغیر خشوع پڑھنا بہتر۔ مگر اس میں بھی یہ کوشش جاری رکھے کہ اپنے آپ کو، اپنے باطن کو اللہ کی طرف متوجہ رکھے۔ اللہ بڑا کریم ہے اس کی ذات سے اُمید قوی رکھے کہ قبول فرمائے گا اور اگر صحبتِ کامل نصیب ہو تو پھر دل کا نور عرش کی بلندیوں کو چھوتا ہے جو عبادت کے وقت ایک خاص کیفیت پیدا کر لیتا ہے اگر ذرا غفلت آئے تو اس میں کمی آتی ہے انسان فوراً سنبھل جاتا ہے بلکہ اس سے کہیں آگے چلا جاتا ہے۔

عبادات میں نیّت کا مقام

بندہ کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ ایک دفعہ پشاور جاتے ہوئے راستے میں عصر کا وقت ہُوا ساتھ ہی ایک مولانا بھی تھے اور ایک درویش صفت دوست بھی۔ مَیں نے اپنے گلے سے پستول اُتار کر مولانا کو دے دیا تھا کہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے دِقت پیدا کرتا ہے۔ فرض ادا کرتے وقت بھی ان کے گلے میں تھا۔ انھوں نے امامت کی اور ہم نے صلوٰۃ ادا کی تو دوسرے ساتھی کہنے لگے ،

" مولانا! آپ نے ہم سے کیا زائد عمل کیا ہے؟ "

پوچھا، کیوں؟

کہنے لگے: " فرشتہ ثواب لکھ رہا تھا، ہماری نسبت آپ کا ثواب زیادہ لکھا گیا مَیں نے اس سے پُوچھا ایسا کیوں ہے تو کہتا ہے کہ ان کی نیّت ایک اور کام بھی کر گئی۔ اب آپ بتادیں کہ وہ زائد کام آپ نے کیا کیا ہے؟ "

مولوی صاحب کہنے لگے " یار! میرے گلے میں پستول تھا سوچا اسلحہ لگا کر حضور ﷺ نے بھی صلوٰۃ ادا کی ہے چلو، خواہ پستول کسی کا ہے مگر مسلح ہو کر پڑھنے کی سُنت تو ادا ہو جائے گی۔"

سُبحان اللہ! اتنی سی سوچ کا فرق کس قدر ثواب کے حصول کا باعث بن گیا۔ کاش! مسلمان تجھے سُنت کی قدر ہوتی! اللہ

تمام مسلمانوں کو سُنت پہ کاربند فرمادے۔

خشوع کے حصول کے لیئے نورِ قلبی کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے حصولِ تصوّف یا سلوک کو ہر مرد و زن کے لیئے واجب لکھا ہے کہ بغیر اس کے عبادات محض ایک رسمی کارروائی رہ جاتی ہیں۔

رکوع نمبر ۶ آیات ۴۷ تا ۵۹ الم ۳۳ ½

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ
اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ
عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾

اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے
تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے لوگوں
پر فضیلت بخشی تھی ﴿۴۷﴾

47. O Children of Israel! Remember My favour wherewith I favoured you and how I preferred you to (all) creatures.

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ
نَّفْسٍ شَیْــٴًـا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ
وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ
یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اُس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام
نہ آئے اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے
کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح
مدد حاصل کر سکیں ﴿۴۸﴾

48. And guard yourselves against a day when no soul will in aught avail another, nor will intercession be accepted from it, nor will compensation be received from it, nor will they be helped.

وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ
وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾

اور ہمارے اُن احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قومِ فرعون
سے مخلصی بخشی وہ (لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے تمہارے بیٹوں
کو تو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے
اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی
(سخت) آزمائش تھی ﴿۴۹﴾

49. And (remember) when We did deliver you from Pharaoh's folk, who were afflicting you with dreadful torment, slaying your sons and sparing your women: That

was a tremendous trial from your Lord.

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ
وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ
تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تو تم کو
تو نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم
دیکھ ہی تو رہے تھے ﴿۵۰﴾

50. And when We brought you through the sea and rescued you, and drowned the folk of Pharaoh in your sight.

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ
اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے
پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے ﴿۵۱﴾

51. And when We did appoint for Moses forty nights (of solitude), and then ye chose the calf, when he had gone from you, and were wrongdoers.

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر اُس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم
شکر کرو ﴿۵۲﴾

52. Then, even after that, We pardoned you in order that ye might give thanks

وَ اِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزے عنایت
کئے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو ﴿۵۳﴾

53. And when We gave unto Moses the Scripture and the Criterion (of right and wrong), that ye might be led aright.

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ
اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو
تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھیرانے میں (بڑا) ظلم
کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو

54. And when Moses said unto his people: O my people! Ye have wronged yourselves by your choosing of the calf (for worship) so turn in

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو تمہارے خالق کے نزدیک
تمہارے حق میں یہی بہتر ہے پھر اُس نے تمہارا قصور
معاف کر دیا وہ بیشک معاف کرنے والا اور صاحب رحم ہے ﴿۵۴﴾

penitence to your Creator, and kill (the guilty) yourselves. That will be best for you with your Creator and He will relent toward you. Lo! He is the Relenting, the Merciful.

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ
لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ
الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جب تم نے (موسٰی سے) کہا کہ موسٰی جب تک ہم خدا
کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے تو تم
کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے ﴿۵۵﴾

55. And when ye said: O Moses! We will not believe in thee till we see Allah plainly; and even while ye gazed the lightning seized you.

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو از سر نو زندہ
کر دیا تاکہ احسان مانو ﴿۵۶﴾

56. Then We revived you after your extinction, that ye might give thanks.

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ
الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور بادل کا تم پر سایہ کئے رکھا اور (تمہارے لئے) من و سلوٰی
اُتارتے رہے کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ
(پیو) مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی اور
وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے ﴿۵۷﴾

57. And We caused the white cloud to overshadow you and sent down on you the manna and the quails, (saying) Eat of the good things wherewith We have provided you—We wronged them not, but they did wrong themselves.

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ
فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا
وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا
حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ
وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور جب ہم نے (اُن سے) کہا کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ
اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھنا)
دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حطّۃ کہنا ہم
تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں
کو اور زیادہ دیں گے ﴿۵۸﴾

58. And when We said: Go into this township and eat freely of that which is therein and enter the gate prostrate, and say: "Repentance."* We will forgive you your sins and will increase (reward) for the right-doers.

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا
غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ
ع بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

تو جو ظالم تھے اُنہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو
حکم دیا تھا بدل کر اسکی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا
پس ہم نے (اُن) ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا
کیونکہ نافرمانیاں کئے جاتے تھے ﴿۵۹﴾

59. But those who did wrong changed the word which had been told them for another saying,* and We sent down upon the evil-doers wrath from Heaven for their evil-doing

اسرار و معارف

گزشتہ رکوع میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس کی ذیل میں اطاعتِ شریعتِ اسلامی کا حکم ہُوا تھا کہ بالکل یہی تقاضا ان کی اپنی کتاب کا بھی تھا یہاں پھر سے انھیں براہِ راست خطاب فرما کر اپنے انعامات گنوائے جا رہے ہیں کہ اس قدر عظیم انعامات پر تمھیں نافرمانی زیب نہیں دیتی اور پھر وہ منعم ایسا ہے کہ اطاعت پر مزید انعامات سے نوازنے والا ہے۔

زیادہ زورِ کلام بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے ہے کہ ایک تو یہ انبیاء کی اولاد تھے دُوسرے ان ہی میں علماء کا وجود تھا اور اکثر مشرک

بھی یہود و نصاریٰ کے علماء سے رجوع کرتے اور حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور دعوت کے بارے رائے حاصل کرتے تھے اللہ نے فرمایا کہ میرے انعامات یاد کرو کہ میں نے تمہیں تمہارے دور کے سارے لوگوں پہ فضیلت عطا فرمائی تمہاری قوم کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور تمہیں علوم نصیب فرمائے تمہیں اُس روز سے ڈرنا چاہیئے جس دن کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا ۔

واتقوا یومًا لا تجزی نفسٌ عن نفسٍ شیئًا .... ولا ھم ینصرون ۔

یہاں "اتقو" بمعنی خوف ہے کہ اس عظیم دن سے خوف کھاؤ جس دن کوئی شخص کسی بھی شخص کا دُکھ نہیں بانٹ سکے گا ۔ نہ کسی سے سفارشاً کچھ سزا کم کرا سکے گا کہ کسی کافر کی کسی کافر کے حق میں سفارش قبول ہی نہ ہوگی ۔

یاد رہے کہ یہاں خطاب کفار سے ہے لہٰذا مسئلہ شفاعتِ انبیاء سے متعلق نہیں کہ وہ صرف مومنین کے لئے ہے نہ وہ کافر کی شفاعت فرمائیں گے نہ اس کی اجازت ہوگی ۔ بات چل رہی ہے ان بڑے بڑے کفار کی جن کی پیروی کرتے ہوئے یہ حق کو چھوڑے ہوئے تھے کہ یہ تمہارے کسی کام نہ آسکیں گے نہ تو تمہارا بوجھ بانٹ سکیں گے نہ سفارش کر سکیں گے اور نہ ہی قبول ہوگی ۔ نہ کسی سے کوئی عوض قبول ہوگا کہ نافرمانی کے بدلے کوئی جرمانہ ادا کر کے چھوٹ جائے یا یہ لوگ تمہیں چھڑا لیں اور نہ تمہاری مدد کے قابل ہوں گے کہ طاقت استعمال کریں یا رُعب ڈال سکیں غرض جتنے طریقے سزا سے بچنے کے تمہارے ذہنوں میں ہیں قیامت کے روز ان میں سے کوئی بھی نہیں چل سکے گا اور بجز ایمان کے کوئی چارہ کار نہیں ۔ ایمان ایک ایسی نعمت ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان اُمیدوارِ شفاعت بھی ہے نیز خلود نار سے بچنے کا وعدہ لئے ہوئے ہے اور تم ایمان سے خالی ہو حالانکہ تم پر، تمہاری قوم پر، تمہارے اجداد پر کس قدر عظیم احسانات فرمائے گئے ۔

واذ نجینٰکم من اٰل فرعون .... وانتم تنظرون ۔

ذرا اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعونیوں سے نجات دی ۔ یہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر لے گئے تو یہ لوگ تقریباً ۷۲ کی تعداد میں تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے وہاں دین کا دور دورہ عدل وانصاف قائم ہوا ۔ یہ لوگ ایک طرح سے مقتدا بن گئے مگر ان کے بعد یہ لوگ انحطاط کا شکار ہوئے پرہیزگاری چھوٹی اور پھر دین بھی گیا اہل مصر بھی نہ صرف اللہ کو بھول گئے بلکہ حاکمان مصر اپنی خدائی کے دعوے دار بن بیٹھے ۔ جن میں سے حاکم جو عہدِ موسوی میں تھا اپنے پہلوں سے بڑھ کر ظالم تھا اور بنی اسرائیل کی حالت اس قدر بدتر ہوئی کہ قبطی انہیں جانوروں کی طرح استعمال کرتے اور اُن سے خدمت کراتے جس کی کوئی اُجرت بھی نہ تھی ۔ چھوٹا موٹا جو دے دیا وہی کھالیا ۔ نہ اُن کی عزت تھی نہ مال اپنا حتیٰ کہ ان کی جان کی بھی کوئی قیمت نہ تھی ۔

فرعون کو نجومیوں نے بتایا یا اس نے خواب دیکھا اور انہوں نے تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری تباہی کا سبب

بنے گا۔ تو اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا حکم دے دیا کہ ان کے گھروں میں نرینہ اولاد رہنے ہی نہ دی جائے اور یہ سلسلہ سالوں تک جاری رہا حتیٰ کہ خود قبطی چیخ اُٹھے اور انھوں نے فریاد کی کہ بنی اسرائیل کے بچے تو قتل ہو جاتے ہیں اور بڑی عمر کے لوگ مر رہے ہیں تو ہماری خدمت کون کرے گا یعنی وہ ایسے بے وقعت ہو گئے تھے کہ ان کے قتل کا افسوس کسی کو نہ تھا۔ اپنی خدمت کے لئے فکر دامن گیر ہوئی تو فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال پیدا ہونے والے بچے قتل کر دیئے جائیں اور ایک سال جو پیدا ہوں وہ زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت ہارُون علیہ السلام اُس سال پیدا ہوئے جو معافی کا سال تھا اور موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل کئے جاتے تھے۔ اُن کا واقعہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

بہر حال یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ جتنے قریب ہوں گے اگر وہ نافرمانی اختیار کریں گے تو آخرت میں تو عذاب ہو گا ہی دنیا میں بھی ذلت اُن پر مسلط کر دی جائے گی۔

نافرمانی کے اثرات

اور یہی مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی صُوفی طریقت کو چھوڑ بیٹھے تو مرتد طریقت ہو کر ہمیشہ ذلیل ہو جاتا ہے اور دُنیا میں بھی اس کی زندگی موت سے بدتر ہوتی ہے۔ جیسے ان لوگوں کو فراعنہ مصر اور قبطیوں کی اصلاح کرنی تھی کہ وارثانِ نبوت تھے مگر دُنیا کے لالچ میں آکر خود اُن کے پیچھے چلنے لگے تو کس قدر ذلیل کئے گئے۔

اسی طرح آج کا مسلمان جس کا فریضہ اصلاح عالم ہے جسے اخرجت للناس فرمایا گیا ہے اپنا منصب چھوڑ کر کفار کے پیچھے بھاگنے لگا تو نتیجہ ظاہر ہے کہ دُنیا بھر کے مصائب اسی پر ٹوٹ رہے ہیں اگر یہ آج بھی لوٹ کر اپنی جگہ آجائے تو فوراً حالات بدل سکتے ہیں اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ خدا مسلمان کو توفیق بخشے، آمین۔

یہ اصول قوموں پر بھی لاگو ہوتا ہے اور افراد پر بھی۔ جو کسی بھی ذرا سے عقل رکھنے والے انسان سے چھپا ہوا نہیں ہے کہ خلافِ دین چل کر جس نے بھی عزت چاہی اُسے ذلت نصیب ہوئی بنی اسرائیل کی طرح، جنہیں یاد کرایا جا رہا ہے کہ یسومونکم سوٓء العذاب۔ تمہیں کس قدر اذیت ناک زندگی کی طرف گھسیٹا جا رہا تھا کہ مجبور تھے اس طرح بسر کرنے پر۔ حتیٰ کہ تمہارے بچے تک ذبح کر دیئے جانے لگے بچیوں کو چھوڑ دیا جاتا کہ خدمت لیں گے اور لڑکے ذبح کر دیئے جاتے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر بڑی مصیبت تھی کہ اس کی ربُوبیت کا تقاضا ہے جہاں جس چیز کا ہونا مناسب ہو وہاں اس کو پہنچا دیتا ہے۔ تمہارے کرتوتوں پر بڑی مصیبت تم پر آتی تھی مگر پھر رحمت باری نے تمہیں سنبھالا دیا۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام جیسی ہستی تمہیں بخشی جس نے نہ صرف تمہیں کفر کے اندھیروں سے نکالا بلکہ فرعونیوں سے بھی تمہاری جان چھڑائی اور بحکم الٰہی تمہیں ساتھ لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔

تبایا جاتا ہے کہ اس وقت اُن کی تعداد چھ لاکھ تھی کئی عرصہ تک فرعون سے مقابلہ کرنے کے بعد اس کی اصلاح کے لئے کوشش کرنے اور مسلسل اظہارِ معجزات کے بعد حکم ہوا کہ انھیں لے کر نکلو مگر صبح جب فرعون کو علم ہوا کہ بنی اسرائیل رات کو نکل گئے تو ایک عظیم لشکر لے کر خود تعاقب میں روانہ ہوا جس کی تعداد بعض کے مطابق سات لاکھ تھی۔ بحیرۂ قلزم کے قریب اُن کو جا پکڑا۔ اب یہ لوگ بہت گھبرائے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ سامنے سمندر، غرق ہونے کا خوف پیچھے فرعونیوں کی تلواریں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پر عصا مارا۔ پانی اِس طرح سے پھٹا کہ بارہ قبیلوں کے لیے بارہ سڑکیں چھوڑ دیں اور خشک زمین نکل آئی یعنی پانی کی نمی تک نہ رہی اور ہر ٹکڑا پانی کے عظیم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا مائع تھا مگر ٹھوس کی طرح کھڑا تھا اور بنی اسرائیل آرام سے گزر کر دوسرے کنارے پہنچ گئے۔ جب فرعون وہاں پہنچا تو مبہوت ہوگیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو مقرر فرمایا۔ جنہوں نے فرعون اور لشکرِ فرعون سب کو دریا میں ڈال دیا جیسے ہی سارے سمندر میں پہنچ گئے پانی آپس میں مل گیا اور سارا لشکر فرعون سمیت غرق ہو کر تباہ ہوگیا اور لطف یہ کہ یہ سارا تماشا تم خود دیکھ رہے تھے وہ فرعون، جس کے نام سے تم کانپتے تھے۔ اور وہ قبطی جو تم پر ظلم کر رہے تھے کس طرح بے بسی اور بے کسی سے تمہارے سامنے غرق ہو رہے تھے۔

صحبتِ شیخ

یہی حال شیخ کا ہے کہ دین کی راہ میں جو رکاوٹ ہوائے پہاڑ کر راستہ بنا دے اور تعاقب میں جو کبر اور ناشکری کا فرعون ہے اُسے غرق دریا کرے، اور ان چیزوں کو آدمی خود محسوس کرے کہ صحبتِ شیخ میں آنے سے قبل زندگی کیا تھی۔ اور اب اس میں کیا تبدیلی آئی ہے۔

واذ واعدنا موسىٰ .... وانتم ظلمون۔

پھر وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسےٰ علیہ السلام سے چالیس راتیں طور پر عبادت میں گزارنے کے لئے کہا۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چالیس راتیں طور پر گزاریں، روزہ بھی رکھیں، کسی سے نہ ملیں نہ بات کریں تاکہ وہ قوتِ ملکوتی اور وہ استعداد جو اسرارِ الٰہی کو قبول کرتی ہے اللہ کی کتاب کو پائے اور آپ کو تورات عطا ہو۔ یہاں سے چلّہ کی اصل بھی ثابت ہے۔

رُوح میں قوّتِ پرواز کے حصُول کا طریقہ

اصل بات قلتِ طعام، قلتِ کلام اور قلتِ اختلاط مع الانام ہے یہ نفس کو کمزور کرنے کی بہترین دوا ہے اور نفس کی کمزوری کا مطلب رُوح کی قوت ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کی قوت دُوسرے کی کمزوری ہے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام تو لگ گئے اس انعام کی طلب میں اور یار لوگوں نے ان سے پیچھے سامری کا اتباع اختیار کر لیا۔ جو

ان کے ساتھ تھا۔ اس نے زیورات گلا کر ایک بچھڑا بنایا جو کسی قسم کی آواز پیدا کرتا تھا۔ روایات میں ملتا ہے کہ جہاں جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم لگتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تو اُس نے وہاں سے مٹی لے لی جو بچھڑے میں ڈالی تو وہ زندہ ہو گیا۔ مگر بعض حضرات کے مطابق اُس نے بچھڑے میں اس طرح کے سوراخ رکھے ہوئے تھے جو ہوا سے ایک قسم کی آواز پیدا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

بہر حال قوم کا بیشتر حصہ اُس کے سامنے سربسجود ہو گیا۔ یہاں ان تمام باتوں کا اجمالی ذکر ہے کہ احسانات شمار فرمائے جا رہے ہیں آگے چل کر تفصیل بھی ہے۔ فرمایا تم کس قدر ظالم تھے کہ اتنے معجزاتِ قاہرہ دیکھنے کے باوجود اور موسٰے علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسُول کی صحبت نصیب ہونے کے باوجود تم اللہ کو چھوڑ بیٹھے اور مخلوق کی پرستش پہ مائل ہو گئے۔

ثم عفونا عنکم من بعد ذالک لعلکم تشکرون۔

مگر ہمارا احسان دیکھو کہ بایں ہمہ ہم نے تمھیں معاف کر دیا اور تمھاری خطا بخش دی کہ تم شکر کرو اور اللہ کا احسان مانو۔

واذ اٰتینا موسی الکتاب والفرقان لعلکم تھتدون۔

نہ صرف معاف کیا بلکہ تمھاری خاطر موسٰے علیہ السلام کو کتاب عطا کی، ایک ایسی کتاب جو حق اور باطل میں فرق بتا دینے والی تھی عطا کی کہ تم راہِ ہدایت پا سکو۔ گویا نبی کو کتاب کا ملنا چونکہ اُمت کی ہدایت کے لئے تھا۔ اور ان کے پاس ایک حق و باطل کی کسوٹی پہنچ گئی نیز سب کو کلام اللہ سے مشرف ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سب احسانات کا شکر کس قدر واجب تھا۔ یہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کو اس غرض سے بتایا جا رہا ہے کہ اُن کے پاس موسٰے علیہ السلام تھے تو تمھیں محمد رسُول اللہ ﷺ کا اُمتی ہونے کا شرف حاصل ہے کتاب اللہ اپنی اصلی حالت میں تمھارے پاس محفوظ ہے اور یہی حق و باطل کا معیار ہے جو لوگ، جو قوم، جو افراد جن عقائد و اعمال میں اس کے خلاف کریں گے وہ گمراہی ہو گی اور اس کا اتباع ہدایت۔

واذ قال موسٰی لقومہ .... انہ ھو التواب الرحیم۔

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسٰے علیہ السلام نے تمھیں تمھارے گناہ کی شدت سے آگاہ فرمایا اور تمھیں طریق توبہ بتایا۔

یہی منصب تصوّف میں شیخ کا ہے کہ گناہ سے بے رغبتی دلائے اور توبہ کا طریقہ دل میں بٹھائے۔ فرق یہ ہے کہ نبی براہِ راست اللہ سے ہدایت لیتا ہے اور شیخ نبی کی اطاعت میں۔ جس شخص کی صحبت میں یہ شے حاصل نہ ہو اُس کی صحبت میں رہنا وقت کا ضیاع ہے اور گمراہی کا خطرہ الگ۔

لہٰذا اب اس ظلمِ عظیم کا علاج یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ جن لوگوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا ہے انھیں وہ لوگ قتل کر دیں جو اس میں

ملوث نہیں ہوئے تو مقتول کی توبہ منظور ہو جائے گی فرمایا فاقتلوا انفسکم اب تمہارا قتل ہونا ہی تمہارے لیے بہتر ہے اسی میں تمہاری بھلائی ہے اور یہ شرک کا داغ اب گردن کے خون ہی سے صاف ہو سکے گا یہ طریق توبہ بعض گناہوں پہ ہماری شریعت میں بھی مقرر ہے جیسے قتل عمد کے بدلے قتل یا زنا کے بدلے پر رجم کہ یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہوتے ہاں اگر معاملات رفت و گزشت ہو چکے ہوں اور بجز اللہ کوئی جانتا نہ ہو تو علاج توبہ کے سوا کچھ نہیں۔ یہ رحمتِ خاص ہے اُمتِ محمدیہ کے لئے اور کمالِ تصوف بھی یہ ہے کہ گویا قتل ہو چکا، نفس مارا جا چکا ہے اب شریعت کے سامنے ایسا ہو جیسا مُردہ بدست غسال، جدھر ہلائے اُدھر ہلے گا۔

صحبتِ پیغمبر کا کمال کہ دُوری میں جو مبتلائے شرک ہو گئے تھے حضوری میں ایسے صاف دل بن گئے کہ قتل تک ہونا منظور کر لیا اور قتل ہوئے بہت کثرت سے قتل ہوئے تو پھر موسٰی علیہ السلام نے دُعا کی۔ حکم ہوا کہ جو بچ رہے ہیں انھیں بھی معاف فرماتا ہوں اور جو قتل ہوئے انھیں شہادت سے سرفراز فرماتا ہوں۔ سو پھر تم پر متوجہ ہوا۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

پھر جب موسٰی علیہ السلام نے تورات پیش کی تو کہنے لگے بھئی! مان لینے سے تو ہم کو اعتراض نہیں۔ بات اتنی ہے کہ اگر خود اللہ کہہ دے کہ یہ میری کتاب ہے تو بڑی بات ہے موسٰی علیہ السلام راضی ہو گئے اور ہر قبیلے کے چیدہ چیدہ افراد کو جو کافی تعداد میں تھے لے کر طور پر پہنچے۔ دعا کی اللہ! ان کو بھی اپنا کلام سننے کی توفیق و قوت عطا کر۔ چنانچہ انھوں نے سُنا اور یہ بہت بڑا کمال تھا جو انھیں نبی کے وسیلے سے نصیب ہوا۔ ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ میں ایسے افراد ہو سکتے ہیں جنھیں باتباع نبی اللہ سے کلام نصیب ہو۔ مگر اس کا درجہ وہ نہ ہو گا جسے وحی کہا جائے۔

تو وہ وقت یاد کرو جب تم اس پر بجائے شکر کے حد سے بڑھ گئے کہ بات تو سُن لی مگر کہنے لگے نہ جانے کس کی تھی اگر اللہ کو دیکھ لیں اور پھر ہمارے سامنے بات ہو تو مانیں اور یہ حد سے بڑھی ہوئی جسارت تھی۔ اس عالمِ آب و گل میں دیدارِ باری کی قوت ہی نہیں دی گئی بلکہ خود حضرت موسٰی علیہ السلام نے تمنا کی تو ارشاد ہوا لن ترانی تم دیکھ نہ سکو گے۔

ساری خدائی میں یہ شرف رسُول اللہ ﷺ کا ہے کہ شبِ معراج دیدارِ باری ہوا جس پر بعض کو اختلاف بھی ہے گر یہاں دو باتیں زیرِ غور ہیں ایک تو حضور ﷺ جسدِ عنصری کے ساتھ عالمِ بالا کو تشریف لے گئے جس پر اہلِ سُنت کا کوئی اختلاف نہیں تو یہ بات دُنیا کی نہ رہی بلکہ اُس عالم کی ہو گئی دوسری یہ کہ سب کا اتفاق ہے حضور ﷺ نے جنت کا ملاحظہ و معائنہ فرمایا۔ نعمائے جنت میں سب سے بڑی نعمت ہی دیدارِ باری ہے اگر اللہ ہی کو نہ دیکھا تو پھر جنت میں کیا دیکھا۔ یہ بات اس کے حق میں جاتی ہے کہ آپ ﷺ کو دیدارِ باری ہوا۔ واللہ اعلم وعلمہ اعظم۔ اور کسی سے یہ کمال ثابت نہیں۔ ہاں! آخرت میں اور جنت میں جنتیوں کو حسب مراتب

نصیب ہونا ثابت ہے۔

یہاں بات تھی بنی اسرائیل کی، کہنے لگے:

واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون۔

جب تم نے حد سے بڑھ کر اور حیثیت سے بڑھ کر مطالبہ کیا تو تم پر بجلی گری اور دیکھتے ہی دیکھتے تم فنا ہو گئے۔ ہو سکتا ہے بجلی ہی ہو یا تجلیاتِ باری کی کوئی جھلک جو یہ برداشت نہ کر سکتے تھے! اور نہ کر سکے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اللہ ان کے قتل کی تہمت سے مجھے بچا اور ان کو پھر سے زندگی دے۔ یہ چونکہ قضائے معلق تھی جو بدل سکتی ہے یعنی ایک فعل کے نتیجہ میں اُن پر مسلط کی گئی۔ عمرِ طبعی پوری نہ ہوئی تھی جس کے بعد لَوٹنا نہیں۔ تو پھر تمھیں زندہ کر دیا گیا۔

کیا کیا کمالات تھے اور کیسے کیسے انعامات تھے جو موسےٰ علیہ السلام کے طفیل تمھیں نصیب ہوئے۔

ثم بعثنکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون۔

تمھیں ایسا موقع نصیب ہُوا کہ تم شکر کرتے، اللہ کے احسانات یاد کر کے اس کے سامنے سر جھکا دیتے۔ مگر ہُوا کیا کہ تمھیں حکم ہلا جاؤ اور قوم عمالقہ سے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اس ملک پر قابض ہو گئے تھے اپنا وطن اصلی واپس لے لو، اور جہاد کا ثواب بھی لُوٹو۔ یہ حضرات چلے مگر جب راہ میں عمالقہ کی قوت کا حال معلوم ہوا تو دل چھوڑ بیٹھے کہ موسیٰ! تُو اور تیرا خدا لڑے ہم سے یہ مصیبت مُول نہیں لی جا سکتی۔ چنانچہ سب نے واپسی کی ٹھانی۔

اب جناب سارا دن چلتے اور رات ٹھہرتے مگر چالیس سال چلتے رہے اور رہے وہیں کے وہیں۔ ایک بارہ کوس کی وادی میں پھنس کر رہ گئے جو مصر اور شام کے درمیان میں تھی۔ نہ وہاں پانی نہ خوراک، نہ سایہ نہ مکان، نہ لباس نہ دکان، لگے خراب ہونے۔ پھر التجا کی مُوسیٰ! ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ آپ نے پھر دُعا کی تو اللہ نے تمام آسانیاں بخش دیں مگر چالیس برس تک اس میں بھٹکنا پڑا کسی طرف نکل نہ سکے۔

وظللنا علیکم الغمام وانزلنا علیکم المن والسلوٰی۔ کلوا من طیبٰت ما رزقنٰکم وما ظلمونا ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون۔

یہ اُنھیں احسانات کو یاد فرمایا جا رہا ہے کہ دُھوپ نکلتی تو تم پر بادل سایہ کر دیتے اور کھانے پینے کے فکر سے تمھیں یوں آزاد کیا کہ من وسلویٰ عطا فرمایا۔ "من" ایک ترنجبین سی تھی جو رات کو جھاڑیوں پر خُوب اکٹھی ہوتی اور صبح یہ حاصل کر لیتے۔ اور سلویٰ "بٹیریں" تھیں۔ جن کے ڈار آ جاتے اور اُن سے بھاگتے نہ تھے یہ پکڑ کر ذبح کرتے اور کھاتے۔ حتیٰ کہ کپڑے نہ میلے ہوتے اور نہ پھٹتے۔ بچوں کو جو کپڑے پہنا دیتے

وہ جسم کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے۔ رات کی تاریکی کا تدارک ایک نوری روشنی سے کر دیا جاتا۔ غرضیکہ ان کی تمام ترضروریات کو خرقِ عادت کے طور پر پورا کر دیا گیا۔ اور زندگی کی ضرورتوں سے بے نیاز ہو گئے مگر باوجود ان عنایات کے اللہ کی اطاعت پر قائم نہ رہ سکے اور لگے نافرمانیاں کرنے' ان کی یہ ناشکری اللہ کا تو کچھ بگاڑ نہ سکی بلکہ خود ان کے حق میں بہت بڑی مصیبت ہوئی کہ زوالِ نعمت کا سبب بن گئی۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

واذ قلنا ادخلوا .... وسنزید المحسنین -

پھر وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمھیں ایک شہر پر غلبہ دیا اور حکم دیا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور جو کچھ اس میں ہے تم پر حلال ہے مزے سے کھاؤ لیکن ایک بات یاد رہے کہ داخلے کے وقت سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا کہ تمھارا عجز اور ہماری عظمت ظاہر ہو نیز شکر ادا کرنے کا باعث ہو اور زبان سے حِطۃ یعنی گزشتہ غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے بھی تو ہماری عنایات دیکھو کہ اتنے سے معمولی کام پر پچھلی تمام خطاؤں کی معافی کا وعدہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا وسنزید المحسنین۔ جن میں جتنا خلوص یا خشوع زیادہ ہو گا ان کو معافی کے ساتھ انعامات اور قربِ الٰہی نصیب ہو گا۔ احسان نام ہے خلوصِ قلب کا اور یہ کیفیت ہر دل کی جدا ہوتی ہے۔ تو جس قدر کسی کے دل میں رجوع الی اللہ کی کیفیت بڑھتی جائے گی اس پر دو عالم میں انعامات بھی بڑھتے جائیں گے مگر یہ تم تھے کہ اتنی سی بات پر بھی عمل نہ کر سکے اور تم میں سے بدکاروں نے الفاظ بدل دیئے۔

فبدل الذین ظلموا .... بما کانوا یفسقون -

یہ لوگ جب داخل ہوئے تو نہ ہی سجدہ کیا اور نہ ہی الفاظ درست کہے بلکہ حنطۃ کہنے لگے جس کا معنی روٹی ہے کہ بھئی! ہم تو بھوک کے ستائے ہوئے لوگ ہیں ہمیں تو کھانا درکار ہے۔

لہٰذا اس فعل اور قول کو بدل دینے کی وجہ سے ان بدکاروں پر آسمان سے آفت نازل کی گئی۔ کہ ان کی بدکاری کا ثمر تھا۔ ایک ظلم تو سجدہ نہ کرنے کا تھا دوسرا یہ کہ الفاظ ہی بدل دیئے جو مامور بہ تھے یہاں تو معنی بھی بدل گئے اگر معانی محفوظ رکھتے ہوئے صرف الفاظ بدل دیئے جائیں تو بھی درست نہ ہو گا خصوصاً عبادات میں مثلاً اذان یا صلوٰۃ میں ثناء اور التحیات وغیرہ کہ ان کی جگہ معانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی الفاظ بدل دینا جائز نہیں اور نہ صلوٰۃ ہو گی (معارف القرآن)، ہاں احادیث میں روایت بالمعنی کا جواز ملتا ہے قرطبی نے امام مالک، شافعی اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے مگر وہ بھی اس شخص کے لیے جو عربی زبان میں ماہر ہو اور مواقع خطاب اور ماحول کے لحاظ سے معانی یا مضمون کو سمجھ سکے ہر کس و ناکس کے لیے نہیں اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ دنیاوی نقصان میں بھی مبتلا ہو گا۔

اس طرح صوفی کے لئے ان الفاظ و وظائف میں جو شیخ نے تعلیم فرمائے ہوں تبدیلی جائز نہیں ورنہ اس کا دینی نقصان بھی ہوگا اور دنیاوی مصائب بھی آئیں گے جس طرح ان نافرمانوں پر طاعون مسلّط کر دی گئی جو بطور سزا کے تھی اور اس کا سبب اُن کی نافرمانی تھا بما کانوا یفسقون ۔ کہ وہ بداعمال تھے۔

مصائب کا فلسفہ بدکاروں پر مصیبت بطور سزا آتی ہے اور جو مصائب نیک بندوں پر آتے ہیں وہ بطور انعام ہوتے ہیں کہ بعض مقاماتِ قرب کے حصول کے لئے ضروری ہوتے ہیں جیسے شہادت کے لئے قتل ہونا راہ حق میں ضروری ہے اور بعض اوقات منصب مقام کے لحاظ سے عبادات میں کمی رہ جاتی ہے جسے تکالیفِ دنیاوی پورا کرتی ہیں۔ اور کبھی مجاہدہ کرانا مقصود ہوتا ہے تاکہ اس پر انعام مرتب ہو کہ یہ مجاہدہ اضطراری ہے جیسے آگے اسی قصہ میں آرہا ہے اور وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب وادیٔ تیہ میں تم کو پیاس نے بے حال کر دیا اور تمہارے لئے موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی دعا کی۔

رکوع نمبر ۷ آیات ۶۰ تا ۶۱ الٓمّٓ ۳ ۱/۷

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ
فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ
قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا
تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾
وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى
طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْ
بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا
وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ
هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ
بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے (خدا سے) پانی مانگا
تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (انہوں نے لاٹھی ماری)
تو پھر اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے
اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کرکے پانی پی لیا
(ہم نے حکم دیا کہ) خدا کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور
پیو مگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا ﴿۶۰﴾
اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر
صبر نہیں ہو سکتا تو اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ
ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ)
جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں ہمارے لئے پیدا
کر دے۔ اُنہوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر
اُن کے بدلے ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو (اگر یہی
چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے
ہو مل جائیگا اور (آخر کار) ذلت (و رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی)
اُن سے چمٹا دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار
ہو گئے۔ یہ اسلئے کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے
اور (اسکے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اسلئے
کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے ﴿۶۱﴾

60. And when Moses asked for water for his people, We said: Smite with thy staff the rock. And there gushed out therefrom twelve springs (so that) each tribe knew their drinking-place. Eat and drink of that which Allah hath provided, and do not act corruptly, making mischief in the earth.

61. And when ye said: O Moses! We are weary of one kind of food; so call upon thy Lord for us that He bring forth for us of that which the earth groweth—of its herbs and its cucumbers and its corn and its lentils and its onions. He said: Would ye exchange that which is higher for that which is lower? Go down to settled country, thus ye shall get that which ye demand. And humiliation and wretchedness were stamped upon them and they were visited with wrath from Allah. That was because they disbelieved in Allah's revelations and slew the prophets wrongfully. That was for their disobedience and transgression.

اسرار و معارف

تو ہم نے تمھیں وہ بھی خرقِ عادت کے طور پر بخشا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا پتھر پہ ماریں۔ فوراً اس پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور ہر شخص کو اس کا مشرب یعنی سیراب ہونے کا چشمہ بھی بتا دیا گیا۔ کس قدر عنایات ہیں کہ بارہ قبیلوں کے لئے بارہ چشمے جاری فرما دیئے اور وہ بھی خرقِ عادت کے طور پر کہ امورِ عادیہ میں انسانی محنت ضروری ہے کہ اگر بارش ہوتی تو اس کے لئے تالاب بناتے پھر پانی صاف نہ رہتا گدلا ہوتا رہتا یا اور کئی طرح کے مصائب بنتے مگر اللہ نے پانی ہی خرقِ عادت کے طور پر عطا فرمایا اور اس میں بھی اس قدر رعایت برتی کہ ہر قبیلے کے لئے علیحدہ چشمہ جاری فرمایا اور اسے بتا بھی دیا اور فرمایا کہ اللہ کے عطا کردہ رزق سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ ان سب انعامات کے بدلے اللہ کا شکر ادا کرو۔ ورنہ چھینا جھپٹی کرو گے تو روئے زمین پر فساد پیدا ہو گا گویا دنیا کا حسن و زینت اور اس کے آرام و آسائش کا مدار بھی اعمالِ انسانی پر ہے اگر یہ بدکار ہو گا تو اس کی بدی کے اثرات ماحول کو متاثر کر کے دنیا میں فساد پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان باوجود ہر طرح کی سائنسی ترقی کے دنیا میں امن قائم کرنے سے قاصر ہے کہ اللہ سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ اللہ کا نافرمان ہے، بدکار ہے جس کی وجہ سے دنیا کا امن تہ و بالا ہو چکا ہے در اصل یہ دنیا ایک مکان کی مثال ہے اور انسان اس کا مکین جب یہ خرمستیاں کرتا ہے تو لازمی طور پر ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے۔

کھاؤ پیو ضرور مگر من رزق اللہ ملحوظ ہے وہ رزق جو اللہ کی طرف سے حلال و مباح ہو جس کے حاصل کرنے کا طریقہ شرعی ہو نہ یہ کہ بغیر حلال و حرام کی تمیز کے جو ملے جھپٹ لیا۔ لکڑ ہضم، پتھر ہضم۔ تو پھر نہ صرف اپنی تباہی کا سبب بنو گے بلکہ دنیا میں فساد پھیلانے کا ذریعہ بن جاؤ گے جو نہایت نامناسب ہے۔

واذ قلتم یا موسیٰ .... ذالک بما عصوا و کانوا یعتدون۔

پھر ان سب انعامات کے باوجود تم کہنے لگے، اے موسیٰ! یہ روزانہ ایک طرح کی خوراک کچھ مزہ نہیں دیتی اور اس طرح عمر گزارنا بہت مشکل۔ آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کریں کہ کوئی زمینی پیداوار عطا کرے کوئی دال سبزی، کھیرا ککڑی ہو یا تھوم پیاز ہوں یہ کیا روزانہ کا لگا بندھا کھانا ہے بھئی! یہ ہمیں منظور نہیں۔

باوجود اس کے کہ یہ ایک بہت بڑی گستاخی تھی اور انتہائی ناشکری بلکہ نعمت کی ناقدری تھی۔ مگر ہم نے تمھاری یہ خواہش بھی

پوری کردی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے تمہیں بہت سمجھایا بجھایا کہ تم اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف کیوں جاتے ہو؟ یعنی صرف یہ نہیں، کہ ملنے والا کھانا اعلیٰ ہے بلکہ اس کے ساتھ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں بطور خرق عادت نصیب ہوتا ہے اور خوارق میں انسانی محنت و کاوش کو دخل نہیں۔ یہ محض اللہ کی طرف سے صادر ہوتے ہیں مگر جن چیزوں کے تم طالب بن رہے ہو یہ امورِ عادیہ کے تحت آتی ہیں اور امورِ عادیہ میں تمہیں بھی باقاعدہ محنت کرنی ہوگی کہ امورِ عادیہ بغیر سبب اور محنتِ انسانی کے حاصل نہیں ہوتے تو کیا عجب حال ہے کہ تمہارا کھانا بھی پہلے سے کم درجے کا ہو اور محنت بھی گلے پڑ جائے۔

شکار کا گوشت

پھر ایک بات اور بھی ہے کہ جب اللہ کی طرف سے بطور خرقِ عادت ملتا تھا تو خالص حلال تھا جب تم محنت کرو گے اور خود کماؤ گے تو کیا خبر کہاں نقص واقع ہو جائے اور اسے حرام یا مکروہ کر دے کہ جب انسانی لین دین ہوتے ہیں تو عموماً کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ اس لئے مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ شکار کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا شکار کا گوشت اطیب الرزق ہے جو براہِ راست اللہ سے مل جاتا ہے کسی آڑھتی یا دکاندار کا اس میں دخل نہیں۔

ان تمام باتوں کو سن کر بھی تم اپنی بات پر اڑے رہے۔ حال تمہارا یہ تھا کہ کہتے تھے موسیٰ! اپنے رب سے کہو، یعنی موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے تمہارا رب نہیں۔ یہ تک توفیق نہ ہوئی کہہ دیتے ہمارے رب سے سوال کرو۔ مگر ہم نے پھر بھی تم پر احسان فرمایا اور تمہاری خواہش پوری کردی۔ حکم دیا چلو کسی بستی میں داخل ہو جاؤ۔ وہاں تمہیں یہ سب ملے گا اور پھر ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی یعنی مشقت زیادہ اور آمدن و آرام کم۔ پھر یہ ذلت ہمیشہ کے لئے اور احتیاج بھی ابدی کہ طبائع میں وہ اولوالعزمی نہ رہی۔ ایک تو کاشتکاری کا پیشہ ایسا ہے کہ عموماً کام کرنے والے غریب ہی رہتے ہیں اور پھل دوسرے کھاتے ہیں۔

یہود کے تو مزاج ہی میں ذلت ہے کہ رئیس ترین یہودی بھی مسکین ہی بنا پھرے گا۔ نیز ہمیشہ کے لئے حکومت و سلطنت سے محروم ہو گئے ہاں الا بحبل من اللہ وحبل من الناس۔ یعنی کوئی اللہ کی طرف سے اس مصیبت سے کسی حد تک مامون ہو یا کسی دوسرے انسان یا قوم کے آسرے پر چند روز کی چودھراہٹ بنا بیٹھیں، جیسے موجودہ اسرائیل کی ریاست کہ درحقیقت امریکہ اور برطانیہ کی چھاؤنی کی حیثیت رکھتی ہے جو صرف مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور انہیں الجھائے رکھنے کے لئے بنائی گئی ہے ورنہ اُس دور سے اب تک اور اب سے ہمیشہ تک یہودی جہاں بھی رہے ذلیل و خوار اور دوسروں کے سہارے رہے اور رہیں گے۔

اس ذلت و محتاجی نے انہیں کہیں کا نہ رکھا حتیٰ کہ غضب الٰہی کا شکار ہوئے۔ دنیا میں مصروف ہوئے دین رفتہ رفتہ چھوٹتا گیا۔ اور برائی آتی گئی۔ حتےٰ کہ اس حد تک پہنچ گئے جہاں اللہ کے غضب کا شکار ہوئے اور حکم الٰہی سے انکار کرنے لگے اور انبیاء کے قتل ناحق میں

ملوث ہوتے دین سے بے رغبتی بڑھتے بڑھتے دین سے دشمنی کی حد کو جا پہنچے حتیٰ کہ کسی نبی کی بات برداشت نہ کر سکتے تھے اور اپنے خود ساختہ معاشرتی اصولوں کی حفاظت کے لیے کہ ہر نبی تو اللہ کا قانون رائج کرے گا ہماری رسومات مٹ جائیں گی انبیاء کو قتل تک کر دیا، بغیر الحق۔ نبی کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے کہ نبی معصوم ہوتے ہیں اور بے گناہ واجب القتل کیسے ہو سکتا ہے۔

یہاں بغیر الحق فرما کر واضح فرما دیا کہ جانتے وہ خود بھی تھے کہ ہم جو کر رہے ہیں یہ ناحق ہے ظلم ہے اور یہ سمجھتے ہوئے بھی اس کے مرتکب اس وجہ سے ہوئے کہ اللہ کے نافرمان تھے اور گناہ آلود زندگی انہیں رفتہ رفتہ اس حد پر لے گئی کہ وہ تمام حدود پھلانگ گئے یہ مسلسل گناہ کا ثمر ہے۔

رکوع نمبر ۹ آیات ۶۲ تا ۷۱ الٓمٓ ۱/۹

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾	جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو خدا اور روز قیامت پر ایمان لائیگا اور عمل نیک کریگا تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ خدا کے ہاں ملیگا اور (قیامت کے دن) انکو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے ﴿۶۲﴾	62. Lo! those who believe (in that which is revealed unto thee, Muhammad), and those who are Jews, and Christians, and Sabaeans—whoever believeth in Allah and the Last Day and doth right—surely their reward is with their Lord, and there shall no fear come upon them neither shall they grieve.
وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾	اور جب ہم نے تم سے عہد (کر) لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تمکو دی ہے اسکو زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے اُسے یاد رکھو تاکہ (عذاب سے) محفوظ رہو ﴿۶۳﴾	63. And (remember, O children of Israel), when We made a covenant with you and caused the Mount to tower above you, (saying): Hold fast that which We have given you, and remember that which is therein that ye may ward off (evil).
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾	تو تم اس کے بعد (عہد سے) پھر گئے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اُس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے ﴿۶۴﴾	64. Then even after that, ye turned away, and if it had not been for the grace of Allah and His mercy ye had been among the losers.
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾	اور تم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے میں) حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے اُن سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ ﴿۶۵﴾	65. And ye know of those of you who broke the Sabbath, how We said unto them: Be ye apes, despised and hated!
فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾	اور اس قصے کو اُس وقت کے لوگوں کیلئے اور جو اُنکے بعد آنیوالے تھے عبرت اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت بنا دیا ﴿۶۶﴾	66. And We made it an example to their own and to succeeding generations, and an admonition to the God-fearing.
وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ	اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو۔ وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں خدا	67. And when Moses said unto his people: Lo! Allah commandeth you that ye sacrifice a cow, they said: Dost thou make game of us? He answered: Allah forbid that I

should be among the foolish !

68. They said : Pray for us unto thy Lord that He make clear to us what (cow) she is. (Moses) answered: Lo! He saith: Verily she is a cow neither with calf nor immature; (she is) between the two conditions; so do that which ye are commanded.

69. They said: Pray for us unto thy Lord that He make clear to us of what colour she is. (Moses) answered: Lo! He saith : Verily she is a yellow cow. Bright is her colour; gladdening beholders.

70. They said: Pray for us unto thy Lord that He make clear to us what (cow) she is. Lo! cows are much alike to us; and lo! if Allah wills, we may be led aright.

71. (Moses) answered: Lo! He saith: Verily she is a cow unyoked; she plougheth not the soil nor watereth the tilth; whole and without mark. They said: Now thou bringest the truth. So they sacrificed her, though almost they did not.

کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں (٦٧)
انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں
یہ بتائے کہ وہ بیل کس طرح کا ہو۔ (موسیٰ نے) کہا پروردگار
فرماتا ہے کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہو اور نہ بچھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی
جوان) ہو سو جیسا تمکو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو (٦٨)
انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ ہم کو
یہ بھی بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو موسیٰ نے کہا
پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں
(کے دل) کو خوش کر دیتا ہو (٦٩)
انہوں نے کہا (اب کے) پروردگار سے پھر درخواست کیجئے کہ ہم کو بتا دے
کہ وہ اور کس طرح کا ہو کیونکہ بہت سے بیل ہمیں ایک دوسرے کے
مشابہ معلوم ہوتے ہیں (پھر) خدا نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائیگی (٧٠)
موسیٰ نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ بیل کام میں لگا ہوا نہ ہو نہ تو زمین
جوتتا ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتا ہو اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔
کہنے لگے اب تم نے سب باتیں درست بتا دیں غرض (بڑی
مشکل سے) انہوں نے اس بیل کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں (٧١)

بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (٦٧)
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌ ۢ بَيْنَ
ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ (٦٨)
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا
مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا
تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ (٦٩)
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا
مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ
وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ (٧٠)
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ
ع بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (٧١)

اسرار و معارف

اگر یہ ہمیشہ کی ذلت گلے پڑ ہی گئی تو بات تو بہت بگڑ گئی فرمایا نہیں رحمتِ عالم کا ظہورِ عام ہے اور بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا فیضِ عام ہے مسلمان کہلانے والے ہوں یہود و نصاریٰ یا بے دین۔ سب کے لئے ایک اصول ہے اور وہ یہ کہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر۔ کہ جو اللہ پر، آخرت پر ایمان لائے یعنی ما جاء بہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے صدقِ دل سے یقین رکھے اور پھر اعمالِ حسنہ اور سنتِ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو وہ ﷺ یعنی اعمال بھی صالحہ کرے اور سارے صالح اعمال وہ ہیں جو سنت کے مطابق ہیں یا کسی سنت سے متصادم نہیں ہیں جہاں کسی کام کا تصادم سنت سے ہوا وہاں وہ کام صلاحیت کھو بیٹھا یہ سوچ درست نہیں کہ کوئی بھی فرقہ اچھے اعمال کرتا ہو تو وہ مقبول ہوگا اس لئے کہ بغیر ایمان کے عمل میں صلاحیت پیدا ہی نہیں ہوتی۔ ہاں کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو وہ اسلام قبول کرے۔

اور اگر مسلمانوں پہ عنایات ہیں تو اس کا سبب ان کی ذات نہیں بلکہ ان کے عقائد اور اعمال ہیں۔

لہٰذا اے بنی اسرائیل اور دُنیا کے تمام فرقو!

اگر تم بھی اپنے اعمال اور عقائد میں نبی کریم ﷺ کی پیروی اختیار کرو تو تم بھی موردِ عنایات ہو سکتے ہو لیکن اگر خدا نخواستہ مسلمان بھی ان اوصاف کو ضائع کر دے تو تمھاری طرح ذلیل ہوگا۔ جیسے آجکل ہماری حالت ہے۔ وہ اوصاف جن کی وجہ سے ہمیں عزت و عظمتِ دو عالم نصیب تھی۔ گئے تو یہ چیزیں بھی گئیں۔ آج ہر طرف ہمارے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور ہماری حکومتوں کو لُوٹا اور برباد کیا جا رہا ہے مگر ہم ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ خدا ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور عقائد بھی وہ نصیب کرے جن کی دعوت حضور ﷺ نے دی۔ اعمال بھی وہی جو سُنت کے مطابق ہوں۔ ایسے ہی لوگ عنایاتِ باری کے سزاوار ہوں گے نہ انھیں آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کا افسوس۔ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

تصوّف کا خلاصہ

یہی خلاصہ ہے سارے تصوّف کا۔ اللہ اللہ کی تکرار کرنے سے دل میں وہ صلاحیت آتی ہے کہ آدمی عقائد اسلامیہ کو دل سے قبول کرتا ہے اور وجود میں وہ ہمت پیدا ہوتی ہے کہ اتباعِ سُنت کے لئے محنت کرتا ہے اگر کوئی شخص خلافِ سُنت کرتا ہو اور اسے تصوّف کا نام دے تو اس کی مثل تو یہ ہے "برعکس نہند نام زنگی کافور"۔

واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور............ لعلکم تتقون۔

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے طور کو تمھارے سروں پر معلق کر دیا کہ وعدہ کرو اور مانو جو ہم نے بھیجا ہے۔ تورات کو مضبوطی سے پکڑو ورنہ یہ عظیم پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا۔

جب یہ حال بنا تو سب سجدے میں گر گئے اور لگے گڑگڑانے اور وعدہ کرنے۔ اللہ نے اسے بھی بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ اگر تم نہ مانتے تو نقصان کس کا تھا، تمھارا۔ سو ہم نے تم سے منوا کر تمھیں یہ موقع بخشا کہ تم ان کو مانو، یاد رکھو، ان پر عمل کرو کہ تقویٰ جیسی نعمت میسر ہو۔ یہاں اکراہ فی الدین نہیں ہے بلکہ یہ اوّل مسلمان تھے مگر عملاً جب تورات کو پڑھا تو پھسلنے لگے کہ جی اس پر عمل دشوار ہے تو اللہ نے ان پر طور پہاڑ کو معلق فرما دیا کہ اب عمل کرو اور مانو، ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ جیسے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے کافر کی نہیں۔

مُسلمانوں سے اسلام پر عمل کرانا اہلِ اختیار کی ذمہ داری ہے

اور یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ مسلمان سے اسلام پر عمل کرانا صاحبِ اختیار کی ذمہ داری ہے ورنہ اُسے سزا دے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو خود ماخوذ ہوگا جب ہی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے مقدس دور میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دُرہ لیے پھرا کرتے تھے۔ کاش، آج کے حکمرانوں کو بھی اللہ یہ سمجھ دے۔

پھر اس کے بعد بھی تم وعدے پر قائم نہ رہے اور عہد شکنی کی۔ جس کی تازہ مثال نبی اکرم ﷺ سے تمہارا عناد ہے مگر اللہ کا فضل اور عمومِ رحمت ہے کہ تمہیں تا یہ عمر مستعار مہلت مِل رہی ہے ورنہ تم سخت خسارے میں تھے اور قریب تھا کہ تم پر عذاب آ پڑے تم تو شروع سے ہی غلطیاں کرتے چلے آ رہے تھے یہ اللہ کی رحمت تھی کہ جگہ جگہ تمہیں سہارا دیتی چلی آئی اور بعثتِ محمدیہ ﷺ تو ایک خاص رحمت تھی جس کے سبب سے کفار سے بھی عمومی عذاب ہٹ گئے لیکن آخر تا بہ کے، ایک روز تو بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونا ہی ہے اگر دنیا میں موسےٰ علیہ السلام سے بدعہدی کر کے فوراً ہلاک نہ ہوئے تو کیا ابدی ہلاکت سے بچ سکو گے؛ سو یہ بھی اللہ کا فضل اور رحمت ہے کہ فوراً گرفت نہ فرمائی اور توبہ کی مہلت عطا کر رکھی ہے ورنہ تم خوب جانتے ہو۔

ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم .... للمتقین۔

کہ وہ لوگ بھی تمہی میں سے تھے جنہوں نے ہفتہ کے دن میں زیادتی کی۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا کہ یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے اور مچھلی ان کے معاش کا ذریعہ تھی۔ اللہ نے حکم دیا کہ ہفتہ کے روز مچھلی نہ پکڑا کریں کہ یہ روز ان کے لئے مکرم اور عبادت کا تھا۔ مگر ہوتا یہ کہ اس روز مچھلیاں بھی کثرت سے کنارے کے قریب آ جاتی تھیں۔ ان لوگوں سے نہ رہا گیا تو حیلہ ایجاد کر لیا کہ کنارے پر گڑھے بنا دیئے اور نالیوں کے ذریعے سمندر سے مِلا دیئے جب گڑھے مچھلیوں سے بھر جاتے تو نالی میں سِل وغیرہ رکھ کر بند کر دیتے پھر دوسرے روز پکڑتے رہتے کوئی کانٹا ڈال دیتا مچھلی اس میں اٹک جاتی مگر وہ اس روز نہ پکڑتا۔ دوسرے روز نکال لیتا۔ جن لوگوں کو اللہ نے اطاعت کی توفیق بخشی انھوں نے سختی سے منع کیا۔ یہ سخت جرم ہے تھی بڑھی تو بات یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے ان کی بستی ہی علیحدہ کر دی۔ اور درمیان میں دیوار کھینچ دی کہ اگر تم نہیں کر سکتے تو الگ رہو۔

ایک روز انھیں نافرمانوں کی طرف سے کوئی انسانی آواز سنائی نہ دی بلکہ درندوں اور بندروں کے چلّانے کی آوازیں تھیں۔ جا کر دیکھا تو سب بندر اور خنزیر بن چکے تھے جوان بندر اور بوڑھے خنزیر بن گئے۔ رشتہ داروں کو پہچانتے، ان کے پاؤں میں لوٹتے اور چیختے تھے مگر کچھ نہ بن سکا اور چند روز اسی عذاب میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو گئے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے جن قوموں پر مسخ کا عذاب واقع ہوا، ان کی نسل نہیں چلی۔ یہ موجودہ بندر وغیرہ پہلے بھی تھے یہ جُدا مخلوق ہیں اس سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

حیلہ کی قسمیں

یہاں ایک بات تو واضح ہے کہ کوئی ایسا حیلہ جس سے حکم شرعی کا ابطال ہوتا ہو جائز نہیں بلکہ سخت جرم ہے۔ ہاں فقہاء کے وہ حیلے جن سے حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے نہ کہ ابطال، وہ اس میں داخل نہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ نیکوں

کے ساتھ رہنا بھی عمومی عذاب کی گرفت سے بچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب تک مل کر رہے بچے رہے مگر جب نیک لوگوں کو بالکل علیحدہ کر دیا اور قدامت پسندوں کو جدا کر دیا تو تہذیب یافتہ لوگ عذاب کی گرفت میں آ گئے۔

خدا تعالیٰ ہمیں نیکوں کا ساتھ نصیب فرمائے! آمین۔

فرمایا، دیکھ لو ان کا حال! انھوں نے مچھلیاں تو پکڑیں مگر ہم نے ان کو بندر اور ذلیل جانوروں کی شکل میں مسخ کر دیا اور ان کے ہمعصروں کے لیے اور بعد والوں کے لیے عبرت اور توبہ کا سبب بنا دیا اور نیک لوگوں کے لیے مزید نصیحت کا ذریعہ۔ یہ عذاب کہ صورتیں مسخ ہو جائیں بعثتِ نبوی علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے بعد عمومی طور پر اٹھا لیا گیا۔ یہ آپ ﷺ کی برکات میں سے ہے مگر بعض افراد پر اس کا جاری ہونا عجیب نہیں۔ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک عورت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر سخت توہین آمیز کلمات کہا کرتی تھی۔ اور دیگر صحابہ اور ازواج مطہرات کو بھی۔ تو مرنے سے پیشتر اس کی شکل بگڑ کر ڈراؤنی ہو گئی۔ کُتے کی طرح زبان کوئی چار انچ کے قریب مُنہ سے نکل آئی۔ اور واپس مُنہ میں بھی داخل نہ ہو سکتی تھی۔ دن رات چُپ بھی نہ کر سکتی تھی نتیجہ یہ ہوتا کہ لفظ تو کوئی بن نہ سکتا کُتے کی طرح بھوں بھوں کرتی رہتی۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کے پاس لاہور تک اُسے لے کر گئے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ تین ماہ اسی عذاب میں مبتلا رہ کر جہنم واصل ہوئی۔

ایسے متعدد واقعات ہیں جن کا لکھنا یہاں طوالت کا سبب ہو گا۔ تو یہ صورت حال استثنائی ہے اب قوموں کی صورت نہیں بگڑتی مگر افراد اس میں مبتلا ہو سکتے ہیں یہ تو جسم کی بات ہے۔

رُوحانی مسخ کی صُورت

رہی روح کی صُورت جب تک ایمان اور عمل صالح نہ ہو انسانی رہ ہی نہیں سکتی بلکہ اس درندے یا جانور سے مشابہ ہوتی ہے جس سے اس کی عادات ملتی ہوں۔ انسانی شکل پر صرف ان لوگوں کے ارواح ہوتے ہیں جن کا دل منور ہو۔ ورنہ مسلمان اور نمازی بھی حلال جانوروں کی شکل پر ہوتے ہیں اور بدکار اور کفار درندوں کی شکل پر۔ کیا ہوا اگر اس کے اوپر بدنِ انسانی کا جامہ ہے تو یہ ہمیشہ تو نہ رہے گا۔ اور اگر اللہ دل کی آنکھ وا کرے تو دُنیا میں دیکھا جا سکتا ہے شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں درندوں سے اَٹی پڑی ہیں۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے! آمین۔ یہی وجہ ہے کہ بظاہر تو انسان نظر آتے ہیں لیکن کردار درندوں سے بھی بدتر ہیں۔

واذ قال موسیٰ لقومہٖ .... فذبحوھا وما کادوا یفعلوْن۔

وہ وقت اور احسان یاد کرو۔ جب تم میں ایک شخص قتل کر دیا گیا جس کے قاتل کا پتہ نہ چل رہا تھا۔ ان لوگوں نے موسٰے علیہ السلام سے عرض کیا کہ قاتل کا ضرور پتہ چلنا چاہیئے تو آپ نے اللہ کے حکم سے اُنھیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ کہنے لگے آپ ہم سے مذاق کرتے

ہیں۔ فرمایا، ایسی جہالت سے کہ اللہ کے احکام میں مذاق کروں۔ اللہ ہی کی پناہ پکڑتا ہوں یہ کام تو وہی کر سکتا ہے جو اللہ کی عظمت سے ناآشنا ہو وہی سب سے بڑا جاہل ہے خواہ کتنے ہی کالجوں اور مدرسوں میں پھرا ہو۔ جسے معرفت باری تعالےٰ جیسی دولت نصیب ہو بھلا وہ احکام الٰہی میں مذاق کی جرأت کر سکتا ہے ہرگز نہیں کہ وہ عالم ہے لیے وہ شے حاصل ہے جو تحصیل علم کا مقصد ہے اور انبیاء کی ذواتِ مقدسہ اس بات کے لیے تو مثالی ذوات ہوا کرتی ہیں یہ بھی ایسا مذاق جس میں کسی کا تمسخر اڑانا مقصود ہو یا جھوٹ پر مبنی ہو شرعاً جائز نہیں۔ ہاں بات سچی ہو اور کسی کی توہین مقصود نہ ہو بلکہ محض خوش طبعی ہو تو بے تکلف احباب میں ایسا کرنا ہرج کا باعث نہیں۔ مگر یہ معاملہ احکام الٰہی سے تو نہیں کیا جا سکتا۔

انھوں نے اسے مذاق کیوں جانا۔ اس لیے کہ ان کے خیال میں قتل کی تفتیش کے لیے بیل یا گائے کو ذبح کرنا کچھ بے جوڑ سی بات ہے بھلا اس سے کیا مقصد حاصل ہوگا۔ دُنیا عالم اسباب ہے یہ اللہ کی سُنت ہے کہ ہر کام کو کسی نہ کسی سبب سے متعلق فرما دیا ہے اور اس کی مصلحت یا حکمت سے وہ خود ہی آگاہ ہے۔ جو امور ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں آتے ہیں ہم اُن کے عادی ہو کر انھیں ایک عام سی بات کا درجہ دیتے ہیں۔ ورنہ یہ کیا تُک ہے گندم حاصل کرنے کے لیے جو چند دانے گھر میں رکھے ہیں انھیں بھی مٹی میں دبا دو۔ مگر ہمارا تجربہ کہ اس سے فصل پیدا ہو کر بالیاں لگیں گی اور دانوں سے بھر جائیں گی، ہمیں اس پر حیران نہیں ہونے دیتا ورنہ تو اس عالم کی ہر شے قدرتِ باری پہ ایک بہت بڑی دلیل ہے سو اسی طرح اللہ انھیں روزمرہ کے دلائل کے علاوہ اپنی قدرت کی ایک اور دلیل دکھانا چاہتا تھا۔ نیز اس میں مزید کس قدر حکمتیں تھیں یہ بھی اللہ ہی جانے۔ تو انبیاء علیہم السلام کے احکام کی تعمیل ضروری ہے اور جو نتائج انھوں نے ان امور پہ بیان فرمائے وہ ضرور مرتب ہوتے ہیں خواہ ان کی درمیانی کڑی ہم جان سکیں یا نہ۔ جیسے آجکل یہ اعتراض کہ عید قربان پہ کس قدر جانور ذبح کر دیئے جاتے ہیں۔ اور سب گوشت کھالیں ضائع ہوتی ہیں اگر یہ رقم جمع کر کے فلاحی کاموں پر لگائی جاتی تو کس قدر خوب ہوتا۔ یا یہ اعتراض کہ اربوں روپے حج پر جانے میں ضائع ہوتے ہیں ان سے ہر سال کئی یونیورسٹیاں قائم ہو سکتی تھیں۔

یہ وہی اسرائیلی ذہن ہے ورنہ مقصد اتباع نبوی ﷺ ہے اور ایک معمولی گائے یا دُنبہ ذبح کر کے ان برکات میں اپنی حیثیت کے مطابق حصہ دار بن جانا جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ذبیح اللہ کی گردن پر چھری رکھ کر حاصل ہوئی تھیں کس قدر عظیم بات ہے اور اللہ کا کتنا احسان ہے۔ اپنے اندر اخلاق ابراہیمی کی جھلک پیدا کرنا ہی کتنا کمال ہے یا ارکان حج ادا کر کے ان مخصوص تجلیات باری کو اخذ کرنا جو اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ کس قدر عظمت کا حامل ہے جس ہستی نے یہ ارکان بجا لانے کا حکم نوع انسانی تک پہنچایا ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی تعمیر سیرت کر سکتا ہے تاریخ انسانی میں کوئی ایسا ہے ہرگز نہیں اور یہ اپنے آپ کو مہذب لکھنے والے جانور یونیورسٹیوں اور

کالجوں میں انسانی بچوں کو جانوروں جیسی عادات سکھا کر ارکان دین پر طنز کرتے ہیں۔

ذرا اُس معاشرے کو اپنے معاشرے کے مقابل رکھ کر دیکھو، انسانیت کس طرف ہے اور نوع انسانی کی فلاح کس بات میں ہے یقیناً تم پر اتباع نبوت کی عظمت عیاں ہو جائے گی اور تم سمجھ سکو گے کہ کالج اور یونیورسٹی بھی وہی مفید ہے جو اتباع نبوت سکھائے۔ ورنہ سب بوچڑ خانے ہیں جہاں انسانیت کی کھال اتاری جاتی ہے پھر اتباع نبوت نبی پر مکمل اعتماد کا نام ہے۔ یہ لگے ہیں زیخ نکالنے۔ جی بھلا وہ کیسی گائے ہے؟ فرمایا نہ بچھڑی ہے نہ بوڑھی۔ ان باتوں میں نہ پڑو۔ میاں اللہ نے حکم دیا ہے کر گزرو اور دیکھو کیا ہوتا ہے۔ مگر جناب پھر بولے جی! یہ تو فرما دیجئے اپنے رب سے سوال کیجئے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ فرمایا: اللہ فرماتا ہے زرد رنگ کی مزیدار اور چمک رکھنے والی ہے دیکھ کے جی خوش ہوتا ہے۔ اب پھر بولے ایسی بھی کئی گائیں ہیں ذرا اپنے رب سے عرض کریں۔ مجال ہے جو ہمارا رب کہیں "موسیٰ تیرا رب" ہر بار یہی کہتے تھے۔ سو عرض کریں کچھ اور نشاندہی بھی ہو جائے۔ ہم اللہ نے چاہا تو اب کے ضرور پالیں گے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس بار انشاء اللہ نہ کہتے تو بات تک نہ پہنچ پاتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حکم ہوا ہے وہ گائے نہ ہل میں جوتی گئی نہ اس نے کھیتی سیراب کی نہ اس کے جسم پر کوئی داغ ہے کسی طرح کی محنت و مشقت، کا یا مار پیٹ کا۔ کہنے لگے اب بات بنی اب آپ ٹھیک سمجھا سکے ہیں اور پھر ایک گائے خرید کر خواہی نخواہی ذبح کر ہی دی۔

یہاں اللہ کریم اپنا احسان ارشاد فرما رہے ہیں۔ کہ تمہارے اجداد کیسے تھے اور کس قدر کم ہمت تھے اطاعت نبی کے معاملے میں۔ مگر ہمارا کرم دیکھو کہ پھر بھی ان کی قربانی قبول فرمائی اور اس پر جو نتیجہ مرتب ہونا چاہیئے تھا، وہ مرتب فرمایا۔ ورنہ ان کی طرف سے اس قدر کوتاہیاں ہوئی تھیں کہ اس پر کچھ بھی مرتب نہ ہوتا اور وہ ضائع ہو جاتی۔ مگر انہیں صرف دُنیاوی سختی دیکھنا پڑی کہ جس قدر سوال کرتے گئے قیود بڑھتی چلی گئیں اگر شروع میں کوئی گائے ذبح کر دیتے تو وہی کام دے جاتی۔

شیخ کے ساتھ جرح نہ کرے

مگر جُوں جُوں سوال کرتے گئے حُلیہ مقرر ہوتا گیا لہٰذا اگر شیخ حکم دے تو اس میں مزید سوال کر کے اپنے لئے مشقت پیدا نہ کرے۔ جیسے کسی کو وظیفہ بتایا جائے کہ دُرود شریف کی اتنی تسبیحات پڑھ لیا کرو تو جو نسا درود شریف بھی پڑھے گا ٹھیک ہے لیکن اگر پوچھ بیٹھا کہ جی کونسا؟ تو وہی پڑھنا ضروری ہوگا جو شیخ مقرر کرے۔ یہی حال تعین وقت کا ہے ورنہ مقصد پورا نہ ہوگا۔

یہاں مفسرین نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ کوئی نیک شخص فوت ہوا تو اس کے پاس ایک بچھڑی تھی جو اُس نے جنگل میں ہانک دی اور دعا کی اللہ! یہ تیرے سپرد ہے میرے بیٹے کی گزر اوقات کا سبب اسے بنا دے۔ تو وہ خوب پلی بڑھی۔ جوں جوں

یہ سوال کرتے گئے اللہ کریم اس کا حلیہ بیان فرماتے رہے اب اُس جیسی کوئی دوسری مل نہ سکتی تھی۔ اُدھر اس کے دل میں ڈال دیا کہ ان سے خوب قیمت وصول کرو۔ چنانچہ بعض کے نزدیک اس کی کھال میں اشرفیاں بھر کر انھیں دینا پڑیں۔ یہ اپنی طرف سے بہت عقلمند بن رہے تھے اور مین میخ نکال رہے تھے مگر ان کی عقلمندی کا فائدہ اللہ تعالیٰ اُن کو پہنچانا چاہتا تھا جو محض اس کے بھروسے پر بیٹھے تھے۔

لہٰذا نہ احکامِ شریعت پہ اعتراض درست نہ اتباعِ شیخ میں حیل وحجت کی ضرورت۔ اس سے دُنیاوی مصائب تو ضرور ہی وارد ہوتے ہیں اور ایمان کا خطرہ مزید ہے۔ یہاں دیوانگی کی قیمت ہے اور فریفتہ ہونے کا نام عقل ہے۔ سوچ بچار کو یہاں مصیبت کہتے ہیں۔

رکوع نمبر ۹ آیات ۷۲ تا ۸۲ الٓمّٓ ۳۲ ۱/۹

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۷۳﴾

اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس میں باہم جھگڑنے لگے لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے خدا اسکو ظاہر کرنیوالا تھا ﴿۷۲﴾ تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔ اس طرح خدا مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿۷۳﴾

72. And (remember) when ye slew a man and disagreed concerning it and Allah brought forth that which ye were hiding.

73. And We said: Smite him with some of it. Thus Allah bringeth the dead to life and showeth you His portents so that ye may understand.[10]

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا اُن سے بھی زیادہ سخت۔ اور پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور اُن میں سے پانی نکلنے لگتا ہو اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اور خدا تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں ﴿۷۴﴾

74. Then, even after that, your hearts were hardened and became as rocks, or worse than rocks, for hardness. For indeed there are rocks from out which rivers gush, and indeed there are rocks which split asunder so that water floweth from them. And indeed there are rocks which fall down for the fear of Allah. Allah is not unaware of what ye do.

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾

(مومنو) کیا تم اُمید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائینگے (حالانکہ) اُن میں سے کچھ لوگ کلامِ خدا (یعنی تورات) کو سُنتے پھر اُس کے سمجھ لینے کے بعد اُسکو جان بُوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں ﴿۷۵﴾

75. Have ye any hope that they will be true to you when a party of them used to listen to the Word of Allah, then used to change it, after they had understood it, knowingly?

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۷۶﴾

اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں جو بات خدا نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو اسلئے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمہارے پروردگار کے سامنے تمکو الزام دیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟ ﴿۷۶﴾

76. And when they fall in with those who believe, they say: We believe. But when they go apart one with another they say: Prate ye to them of that which Allah hath disclosed to you that they may contend with you before your Lord concerning it? Have ye then no sense?

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا
يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر
کرتے ہیں خدا کو سب معلوم ہے ﴿۷۷﴾

77. Are they then unaware that Allah knoweth that which they keep hidden and that which they proclaim?

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ
الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ
إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے
سوا (خدا کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن
سے کام لیتے ہیں ﴿۷۸﴾

78. Among them are unlettered folk who know the Scripture not except from hearsay. They but guess.

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ
بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ
عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ
فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ
وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں
اور کہتے یہ ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض
تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ ان پر
افسوس ہے اس لئے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں
اور (پھر) ان پر افسوس ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں ﴿۷۹﴾

79. Therefore woe be unto those who write the Scripture with their hands and then say, "This is from Allah," that they may purchase a small gain therewith! Woe unto them for that their hands have written, and woe unto them for that they earn thereby!

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا
مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ
عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ
أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو
ہی نہیں سکے گی۔ ان سے پوچھو کیا تم نے خدا سے اقرار لے رکھا
ہے کہ خدا اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا (نہیں) بلکہ تم خدا کے
بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں ﴿۸۰﴾

80. And they say: The fire (of punishment) will not touch us save for a certain number of days. Say: Have ye received a covenant from Allah—truly Allah will not break His covenant—or tell ye concerning Allah that which ye know not?

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ
بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

ہاں جو برے کام کرے اور اس کے گناہ (ہر طرف سے) اس کو
گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں (اور)
وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے ﴿۸۱﴾

81. Nay, but whosoever hath done evil and his sin surroundeth him, such are rightful owners of the Fire; they will abide therein.

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

اور جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے
(اور) ہمیشہ اس میں (عیش کرتے) رہیں گے ﴿۸۲﴾

82. And those who believe and do good works, such are rightful owners of the Garden. They will abide therein.

اسرار و معارف

پھر اس بات کو یاد کرو جب تم نے یعنی تمہارے اجداد نے ایک قتل کر دیا اور ایک دوسرے کو الزام دینے لگے مگر جس شے کو تم چھپانا چاہتے تھے اللہ اُسے ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

یہاں تقدیم و تاخیر واقع نہیں ہے کہ قتل تو پہلے ہوا اور پھر گائے کے ذبح کا حکم اور واقعہ ہُوا مگر اللہ کریم نے پہلے گائے کا واقعہ ارشاد فرمایا اور بعد میں قتل کا۔ اس کا باعث یہ ہے کہ یہاں بنی اسرائیل پر احسان ارشاد ہو رہے ہیں تاریخ دُہرانا مقصود نہیں۔ تو گائے کا واقعہ اس لحاظ سے پہلے بیان ہونا چاہیئے کہ دیکھو کس بے دلی سے اور طرح طرح کی باتیں کر کے تم نے گائے ذبح کی مگر ہماری عنایات اور

ہمارے کرم کو دیکھو کہ اس سے تمہیں وہ مقصد حاصل ہوگیا یعنی قاتل کا پتہ چل گیا۔ جو تمہارے اس بے دلی کے عمل سے ہونا تو نہ چاہیئے تھا مگر ہم نے حکم دیا گائے کا کوئی حصہ گوشت کا کوئی ٹکڑا اس کے جسم سے لگاؤ۔ گوشت کا مس ہونا تھا کہ مردہ اٹھ بیٹھا اور ساری بات اپنی زبان سے بتاکر مرگیا۔ اس سے نہ صرف قاتل کا پتہ چل گیا بلکہ قدرتِ باری کا ایک اور مظہر تمہارے سامنے آیا اور تم نے اپنی آنکھوں سے مُردے کو زندہ ہوتے اور باتیں کرتے دیکھا اور سُنا۔ اسی طرح اللہ قادر ہے قیامت کو تمام مُردوں کو زندہ کرے گا۔

تمہارے لیے کس قدر غور کرنے کا مقام ہے۔ یہاں یہ نہ سوچا جائے کہ اللہ قادر ہے تو خود ہی بغیر کسی گائے وغیرہ کے ذبح کے مُردہ اٹھ بیٹھتا اور بتا دیتا کہ یہ درست ہے، اللہ چاہتا تو یہ بھی ہو جاتا مگر ایک قانون ہے اللہ کا کہ دُنیا کے امور اسباب سے متعلق فرمائے گئے ہیں یہاں بھی گائے کا ذبح ایک سبب بنا۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا مگر ترکِ سبب نہ فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا جا کر دم کر دو۔ یا کفار کی آنکھیں ریت سے بھر دیں۔ مگر نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ مٹھی بھر ریت پھینکئے تو سہی۔ اگر مثالیں دی جائیں تو مضمون لمبا ہو جائے گا۔ غرض اصلی یہ عرض کرنا ہے کہ ہر کام کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔

توکل کی حقیقت

اسباب اختیار کر کے نتائج کی اُمید اللہ سے رکھنا توکل ہے اور جو نتیجہ بھی ظاہر ہو۔ اگر مرضی کے مطابق ہو تو اس پر اللہ کی تعریف کرنا شکر ہے اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو اس پر دل میں تنگی محسوس نہ کرنے اور حرفِ شکایت لبوں پر نہ لانے کا نام صبر ہے ترکِ سبب کر کے بیٹھ جانا ہرگز توکل نہیں۔

ثم قست قلوبكم من بعد ذلك .

اس قدر معجزات اور اتنی عنایات دیکھنے اور پانے کے بعد بھی تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے بلکہ قساوت میں پتھروں سے بھی بڑھ گئے۔ یہ قساوت یا نرمی وجودی شے نہیں بلکہ کیفی ہے ورنہ تو مومن کا دل اور کافر کا دل نکال لیا جائے تو گوشت ایک جیسا ہوگا۔ یہ سختی حسی نہیں بلکہ اس استعداد کے ضائع کر دینے کی کیفیت کا نام ہے جو عالمِ امر سے لطیفہ قلب میں رکھی ہے اور جس کی بدولت دل خطابِ الٰہی کا رُتبہ پاتا ہے اور جمالِ باری سے سیراب ہوتا ہے اور پھر خلقِ خدا کو سیراب کرتا ہے بعض اس کی وجہ سے ہدایت پاتے ہیں اور جو ہدایت نہیں پاتے دُنیاوی نعمتیں وہ بھی انہی زندہ دلوں کے صدقے میں کھاتے ہیں کہ جب کوئی دل زندہ نہ رہا یہ جہاں ہی نہ رہے گا۔ اور قیامت برپا ہوگی۔ تو جو دل اللہ کی عظمت کا احساس کھو بیٹھا اور یادِ الٰہی سے خالی ہوا تو پتھروں سے بھی گیا گزرا ہے کہ بعض پتھروں اور چٹانوں سے نہریں جاری ہیں جو ایک عالم کی سیرابی و شادابی کا باعث بنتی ہیں یا پھر بعض سے کم پانی نکلتا ہے مگر کسی نہ کسی درجہ میں خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس سے کم تر درجہ میں وہ پتھر بھی ہیں جو بعض اوقات محض خشیتِ باری سے اور عظمتِ الٰہی کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ چلو

رُوحانی نہ سہی دُنیا کے لیے مادی فوائد کا سبب تو بنتے ہیں۔ تم تو ان سے بھی گئے گزرے ہو کہ تمھاری قساوتِ قلبی نے لوگوں کو مادی طور پر بھی دُکھ اور مصیبت ہی دی ہے کہ دُنیا میں فساد پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

افتطمعون ان یؤمنوا لکم .... وھم یعلمون ۔

اب اے مسلمانو! کیا تم ایسے مُردہ دلوں سے ایمان کی اُمید رکھتے ہو۔ حالانکہ اس مُردہ دلی سے بڑھ کر اس قدر خواہشاتِ نفسانی کے اسیر ہیں کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اللہ کے کلام کو سُنا، سمجھا اور پھر جان بُوجھ کر اسے اپنے مطلب کے مطابق تبدیل کر دیا مقصد یہ ہے کہ بے علمی کا گناہ بھی گناہ ہے مگر جانتے ہوئے محض اپنی غرض پوری کرنے کو تاویلاتِ باطلہ کا سہارا لینا اور اللہ کے کلام کو بدل دینا یا اس کا مفہوم غلط بیان کرنا اس قدر گری ہوئی باطنی کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے کہ ایسے لوگوں کو کبھی ایمان نصیب ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی

یہاں صرف قصہ خوانی مقصود نہیں بلکہ ان یہود کو جن کے آباؤ اجداد کے یہ افعال تھے اور جن پر وہ بھی ناراض تھے متنبہ کیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی یہ احساس دلایا جا رہا ہے کہ انھوں نے موسےٰ علیہ السلام اور ان کی شریعت سے یہ سلوک کیا تو اس درجہ ذلیل ہو گئے دھیان رکھنا تمھارے پاس تو محمد رسُول اللہ ﷺ اور ان کی شریعت ہے۔

خدا ہمیں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی توفیق عطا کرے، آمین!

واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنّا .... وما یعلنون ۔

انہی کا حال بیان فرماتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ یہ ایسے بدبخت ہیں جو نہ صرف خُود کو مذہب اور ہم مذہبوں کو دھوکا دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں کو بھی دھوکے میں رکھتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان تک کر گزرتے ہیں۔ مگر جب آپس میں جمع ہوتے ہیں تو ایک دُوسرے کو تنبیہ کرتے ہیں کہ ایسی باتیں مسلمانوں سے کیوں کہہ دیتے ہو جو اللہ نے توریت کے ذریعے تم پر منکشف فرمائی ہیں کہ بعض یہودی یہ باتیں کر گزرتے تھے۔ نزولِ قرآن یا بعثتِ نبوی یا آپ ﷺ کا اتباع کرنے کی تاکید یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف و توصیف تورات میں اس طرح مذکور ہے تو وہ یہ کہتے کہ یہ باتیں کر کے تم اپنے خلاف ایک مضبوط دلیل مسلمانوں کے ہاتھ دے رہے ہو جو تمھیں آج دُنیا میں بھی اور کل اللہ کی بارگاہ میں بھی مغلوب کر دیں گے تمھیں اتنی بھی عقل نہیں۔

فرمایا یہ اس قدر بودی عقل کے مالک ہوئے ہیں کہ یہ نہیں جان رہے کہ تم جس رب سے چھپانا چاہتے ہو وہ تو ایسا قادر ہے کہ اس کا علم اس قدر مکمل اور جامع ہے کہ تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ وہ ہر حال میں جانتا ہے۔

یہ سب اثرات قساوتِ قلبی کے ہیں کہ جب دل سیاہ ہو کر سخت ہو جاتا ہے تو جسم سارے کا سارا غلط سمت کو چل نکلتا ہے، ہاتھ

پاؤں ہی نہیں بلکہ دماغ تک اُلٹی سمت رواں ہو جاتے ہیں اور عقل اندھی ہو جاتی ہے نہ صرف انسانوں سے بلکہ اللہ سے بھی دھوکا کرنے کی سعی ہوتی ہے حالانکہ یہ کتنی موٹی بات ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اس سے کچھ چھپانا ممکن ہی نہیں مگر یہ بات بھی عقل میں نہیں آتی بلکہ لوگ دو طرح سے بن جاتے ہیں۔ جیسے آگے یہود کے دو طبقوں کے حالات ارشاد ہوتے ہیں۔ کہ ایک طبقہ تو ان میں ناخواندہ اور جہلاء کا ہے لا یعلمون الکتاب جو اللہ کی بات کی عزت، عظمت اور برکات سے ناآشنا ہیں اور محض اپنی خواہشات کی تکمیل کے حیلوں کو مذہب کا درجہ دے رکھا ہے اور وہ اپنے زعم میں تو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی اُن کا وہم ہی ہے حقیقتاً وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے یہ تو سادہ سی بات ہے کہ جب ان کے دل سے اللہ کی کتاب کی عظمت گئی اللہ کی بارگاہ سے ان کی عزت ختم ہو گئی اور کوئی حیثیت نہیں رہی۔

دوسرے وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں جو کتاب اللہ کی آیات بدل دیتے ہیں اپنے ہاتھ سے لکھ لیتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ غرض روپیہ بٹورنا اور ذاتی وقار کو قائم رکھنا ہے مثلاً اسی موضوع پر کہ آپ ﷺ کی وہ تعریف جو ان کے ہاں مذکور ہے اپنی قوم کو نہیں بتاتے پھر حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتے ہیں محض حیلے بہانے کر کے کہ غرض اصلی دُنیا ہے دین نہیں ہے تو ان پر دوہری مار پڑ گئی ایک کلام الٰہی میں تحریف کرنے اور دُوسرے لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر کھانے کی۔

یہی حال ہمیشہ سے علمائے سُو کا رہا ہے کہ کتابیں پڑھتے ہیں مگر دل اندھے رہتے اور پھر مقصدِ حیات بدل جاتا ہے کہ رضائے باری کی جگہ حصُولِ دنیا لے لیتی ہے اور ان کا علم چند ٹکوں کے عوض بکتا رہتا ہے یہاں تک کہ غلط سلط مسائل گھڑتے ہیں اور خدا تعالےٰ سے خوف نہیں کھاتے۔

قالوا لن تمسنا النار .... ھم فیھا خالدون۔

بایں ہمہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں آگ نہ چھوئے گی اگر گناہوں کے عوض دوزخ جانا پڑا تو وہ محض چند روز ہو گا کہ بوجہ ایماندار ہونے کے ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے یعنی حال یہ ہے کہ سارا دین بدل کر رکھ دیا ہے حلال و حرام کو خلط ملط کر دیا۔ جہلاء نے رواج کو دین کا درجہ دے رکھا ہے اور علماء ہیں کہ اپنی طرف سے مسائل گھڑتے چلے جاتے ہیں جو صریحاً کتاب کی خلاف ورزی بھی ہے۔ مثلاً تورات میں بھی تو حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا حکم موجود تھا آپ ﷺ کے اوصاف بلکہ آپ کے خدام کے اوصاف موجود تھے ان ساری باتوں سے ہٹ کر ہنوز اپنے آپ کو آگ سے بری خیال کرتے ہیں تو ان سے ذرا یہ تو فرمایئے کہ تمھاری ذات سے اللہ کا کوئی وعدہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ لیکن اگر بات ذات کی نہیں صفات کی ہے تو ایمانداروں کے سارے اوصاف تم میں ناپید ہیں پھر تو تم اللہ پر بھی بہتان

تراشی کر رہے ہو کہ ان عقائد باطلہ کے ساتھ تمھیں بخش دے گا۔

اللہ، اللہ! یہ کیسی تصویر کشی ہے آج کے گمراہ معاشرے کی جو اپنے کرتوتوں کے ساتھ اپنے اسلام کا بھی مدعی ہے۔

فرمایا میاں! سیدھی سی بات ہے کہ کسے باشد، کوئی بھی ہو عالم ہو یا جاہل، مرد ہو یا عورت، شاہ ہو یا کہ گدا۔ جو برائی اور خطا کاری کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہی اُس کا اوڑھنا بچھونا بن جائے اور اس میں نیکی کا اثر تک نہ رہے وہ دوزخ کا رہنے والا ہے۔ جہاں ابدالآباد رہے گا کہ گناہ کی زد آخر ایمان پر پڑتی ہے اگر کوئی مسلسل گناہ کرتا ہے تو ایک روز اُس کا عقیدہ بھی چلا جاتا ہے جب عقیدہ گیا تو پہلی نیکیاں بھی ضائع ہو گئیں اور آئندہ اگر کوئی اچھا کام بھی کر بیٹھا تو عنداللہ مقبول نہ ہوا تو گویا اس کے وجود میں ذرہ برابر نیکی کا اثر باقی نہ رہا اور وہ ہمیشہ کا دوزخی بن گیا۔ ہاں ایسے لوگ والذین اٰمنوا .... جو نبی ﷺ کی بات پر یقین رکھتے ہیں توحید، کلام باری، دین خدا یا طریقِ عبادت فرائض ہوں یا نوافل سب کیا ہے؟ ارشاداتِ رسول ﷺ دُنیا ہو کہ عقبیٰ، جنّت ہو یا دوزخ، حشر ہو کہ نشر یا میزان یہ تمام امُور اور ان سے متعلق علم اور عقیدہ، یہ سب کیا ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا نام ہے

تو جو صدقِ دل سے اس پر یقین کرے اور عملاً اپنے کو حضور ﷺ کے احکام کا تابع بنا لے وعملوا الصّٰلحٰت کہ اچھے کام کرے تو اچھا کام بھی سُنتِ خیرالانام ﷺ کا ہی نام ہے۔ سو جس میں ایمان ہو اور نیکی کرے۔ وہ ہے جنّت کے قابل اور ایسے لوگوں کو جنّت نصیب ہو گی جہاں وہ ابدالآباد رہیں گے۔

رکوع نمبر ۱ آیات ۸۳ تا ۸۶ الٓمّٓ ۱/۲

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا
تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
الْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ
اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ
تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۸۳
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ
دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ
دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۸۴
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خدا کے سوا کسی
کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں
اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے
رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز
پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہنا۔ تو چند شخصوں کے سوا
تم سب (اس عہد سے) منہ پھیر کر پھر بیٹھے ۸۳
اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں کشت و خون
نہ کرنا اور اپنے کو ان کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے
اقرار کر لیا اور تم (اس بات کے) گواہ ہو ۸۴
پھر تم وہی ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کر دیتے ہو اور اپنے

83. And (remember) when We made a covenant with the Children of Israel, (saying): Worship none save Allah (only) and be good to parents and to kindred and to orphans and the needy, and speak kindly to mankind; and establish worship and pay the poor-due. Then, after that, ye slid back, save a few of you, being averse.

84. And when We made with you a covenant (saying): Shed not the blood of your people nor turn (a party of) your people out of your dwellings. Then ye ratified (Our covenant) and ye were witnesses (thereto).[11]

وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ
تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن
يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ
مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ
بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ
فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ
إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ
الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٨٦﴾ ع

میں سے بعض لوگوں پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرکے انہیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو بدلا دے کر ان کو چھڑا بھی لیتے ہو حالانکہ اُن کا نکال دینا ہی تم کو حرام تھا (یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (خدا) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں اُن کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو خدا اُن سے غافل نہیں ﴿۸۵﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دُنیا کی زندگی خریدی سو نہ تو اُن سے عذاب ہی ہلکا کیا جائیگا اور نہ اُن کو (اور طرح کی) مدد ملے گی ﴿۸۶﴾

85. Yet ye it is who slay each other and drive out a party of your people from their homes, supporting one another against them by sin and transgression[12]—and if they came to you as captives ye would ransom them, whereas their expulsion was itself unlawful for you—Believe ye in part of the Scripture and disbelieve ye in part thereof? And what is the reward of those who do so save ignominy in the life of the world, and on the Day of Resurrection they will be consigned to the most grievous doom. For Allah is not unaware of what ye do.

86. Such are those who buy the life of the world at the price of the Hereafter. Their punishment will not be lightened neither will they have support.

اسرار و معارف

بنی اسرائیل ہی کی حالت بیان کرتے ہوئے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ ذرا وہ منظر چشم تصور کے سامنے لاؤ جب ہم نے ان سے عہد لیا تھا کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کروگے دوسرے والدین کے ساتھ حسن سلوک کروگے اور تیسرے یہ کہ یتیموں اور مساکین کے ساتھ احسان کروگے اور چوتھے یہ کہ نوع انسانی تمہارے حسن کلام سے مستفید ہوگی اور پانچویں یہ کہ نماز ادا کروگے اور جو صدقات فرض ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کروگے۔ مگر سوائے چند معدودے چند لوگوں کے تم ان باتوں سے پھر گئے۔

یہود و نصاریٰ دعوے تو اللہ ہی کی عبادت کا کرتے تھے مگر عملاً اپنے علماء اور رہبان جو کہتے کر گزرتے تھے خواہ وہ اللہ کی اطاعت کے خلاف ہی ہوتا۔ ان کی اس حرکت کو اللہ کریم نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ کہ انہوں نے اللہ کریم کو چھوڑ کر علماء سوء اور اپنے بے دین پیروں کو اپنا رب بنا لیا ہے۔

یہ دونوں ادارے یعنی علماء اور پیر ہی اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں اور دوسرے لوگ اپنی عملی زندگی میں ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے محتاج۔ مگر جب یہ بگڑتے ہیں تو اللہ کی پناہ! قوموں کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں، جیسے یہود کے علماء نے اور ان کے پیروں نے یہاں تک زیادتی کی کہ اللہ کی کتاب کو بدل کر رکھ دیا۔ انبیاء جو اصلاح احوال کے لئے تشریف لائے ان کو قتل کیا۔ حتیٰ کہ خود حضرت محمد

کی ذاتِ برکات کے اوصاف جو تورات میں مذکور تھے بڑے اور آپ ﷺ کے ساتھ قتال سے بھی باز نہ رہے اور یہ قوم آنکھیں بند کرکے ان کے پیچھے دوڑتی رہی جسے اللہ نے سخت ناپسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر ان ہی کی پوجا شروع کردی حالانکہ یہ لوگ اللہ کی طرف بلاتے تو ان کی اطاعت ضروری تھی مگر جب یہ خود اس راہ سے بھٹکے تو تمہیں چاہیے تھا کہ اُن کو چھوڑ دیتے اسی طرح جو شخص اپنے نفس اور خواہشاتِ نفس کی تکمیل میں حدود اللہ کی پرواہ نہیں کرتا وہ بھی غیر اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے ہے جس کے لیے ارشاد ہوا۔ اتخذ الٰھہٗ ھواہ۔

علمائے سُو اور رہبان

دراصل عالم کا منصب مذہب ایجاد کرنا نہیں بلکہ مذہب بیان کرنا ہے اور اللہ اور اس کے نبی کی بات کو خلقِ خدا تک پہنچانا ہے اگر وہ باتیں گھڑنے میں لگ گیا تو بھٹک گیا۔ رہا پیر تو پیر علماء سے ہی بنتے ہیں یعنی ہر عالم پیر نہیں ہوتا مگر ہر پیر عالم ہوتا ہے کہ جاہل کی بیعت ہی حرام ہے۔ عالم ارشاداتِ نبوت کو لوگوں تک پہنچاتا ہے تو پیر ارشادات کے ساتھ انوار و برکات کا حامل بھی ہوتا ہے اور یہ سب کچھ تب ہی ہوگا۔ جب وہ خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اطاعت گزار ہوگا۔ اگر وہ اپنی زندگی سُنت کے خلاف رکھتا ہے تو اس کے پاس برکات کہاں اور دوسروں کو سوا گمراہی کے اس سے کیا حاصل۔

اس کے بعد دوسرا درجہ والدین سے حسنِ سلوک کا ہے کہ وہ تیرے دُنیا میں آنے کا سبب بنائے گئے۔ اولاد پر اور اس کے مال پر ان کا حق ہے اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی عزت بہرحال ضروری۔ دین کے معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کرے ان کی بے عزتی نہ کرے اور نہ حقیر جانے بلکہ اصلاح کے لیے دُعا کرتا رہے۔ اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے دوستی کرنے سے پہلے اُسے دیکھ لو، کیا اپنے ربّ کی اطاعت کرتا ہے اگر نہیں تو کم از کم اپنے والدین کی عزت کرتا ہے جنہوں نے دُنیا میں اس کے ساتھ زیادہ بھلائی کی ہے اگر ایسا نہیں تو تو اس سے کیا اُمیدِ وفا رکھتا ہے۔

والدین کے بعد قرابت داروں کا حق ہے ان سے حُسنِ سلوک کرو۔ قرابت کو قائم رکھو اور قطع رحمی کے قریب نہ پھٹکو۔ پھر معاشرے میں مستحق افراد یعنی یتیم اور مسکین لوگ تمہاری توجہ سے محروم نہ رہیں حتےٰ کہ نوعِ انسانی کے ہی خیر خواہ رہو۔ اور لوگوں سے حُسنِ کلام سے پیش آؤ اُن سے بدکلامی نہ کرو یعنی ہمیشہ پیار و محبت سے حق بات پہنچاتے رہو۔ حُسنِ کلام یہ ہے کہ کلام حق بھی ہو اور مناسب طریقے سے کہا بھی جائے مداہنت یعنی محض کسی کو خوش کرنے کی خاطر غلط باتیں اور بے جا خوشامد کو احسن کلام نہیں کہا جا سکتا۔

نماز ادا کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔

معاملات کی اصلاح پر صلاحیتِ عباداتت کا مدار ہے ترتیبِ قرآنی سے یہ بات واضح ہے کہ جب تک معاملات درست نہ ہوں

گے عبادات میں لذّت کہاں ۔ بلکہ اگر بات زیادہ بگڑی تو عبادات چھُوٹ ہی جائیں گی۔ جیساکہ آجکل حالات سامنے ہیں ۔

اِسی طرح وہ لوگ بھی اپنے معاملات دُرست نہ رکھ سکے نتیجتاً عبادات گئیں اور بالآخر ایمان رُخصت ہُوا۔ سوائے اُن چند لوگوں کے جنہیں اللہ نے توفیقِ استقامت عطا کی اور آخر کار نبی کریم ﷺ کا زمانہ جنہوں نے ان میں سے پایا۔ انھیں آپ ﷺ پر ایمان لانا نصیب ہُوا۔ فرمایا تم تو ہو ہی بدعہد اور پھر جانے والے لوگ۔

یہی ایک بات تھوڑی ہے بھلا وہ وقت یاد کرو !

واذاخذنا میثاقکم .... وانتم تشھدون۔

کہ جب ہم نے تم سے یہ عہد لیا کہ اپنا خون نہ گراؤ گے اور نہ اپنی جانوں کو وطن سے نکلنے پر مجبُور کرو گے ۔

یہ ہے اخوتِ اسلامی کہ مسلمان سارے ہی ایک ہی بدن کے اجزاء ہیں ۔ اگر مسلمان دُوسرے مسلمان کو قتل کرتا ہے تو گویا وہ اپنا ایک حصۂ جسم کاٹ رہا ہے ۔ یہ ایسا عہد ہے کہ جس کا تم نے نہ صرف اقرار کیا تھا بلکہ اب تک تسلیم کرتے ہو اور مانتے ہو ۔

ثم انتم ھٰؤلاء تقتلون انفسکم .... وما اللہ بغافل عما تعملون۔

پھر کیا تم نے اس کا پاس کیا ہرگز نہیں ۔ بلکہ اے یہُودیا اے بنی اسرائیل ! یہ تم ہی ہو جو آپس میں ایک دُوسرے کا گلا کاٹتے ہو ۔ اور اپنوں کو اس قدر تنگ کرتے ہو کہ وہ ترکِ وطن پر مجبُور ہو جاتے ہیں اور پھر جب کسی کو قید کی حالت میں پاتے ہو تو اُسے آزاد کراتے ہو اور اس کی خاطر رقمیں خرچ کرتے ہو کہ ہمارا دینی بھائی ہے حالانکہ اس کو اس ذلّت تک پہنچانے کے ذمہ دار بھی تو تم ہی ہو اور اس کو ذلیل وخوار کرکے ترکِ وطن پہ مجبُور کرنا ، اس کو ایذا دینا ہی تم پر حرام تھا وہاں تمھیں اللہ کی اطاعت کیوں بھُول گئی ؟ کیا اللہ کی کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کر بیٹھے ہو کہ اُسے کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے ۔ سو اگر انکار ہی ہے تو یاد رکھو کہ تمھارے اس فعل پر تمھیں دُنیا میں ذلّت نصیب ہو گی اور تم کبھی عزّت کی زندگی بسر نہ کر پاؤ گے ۔ یعنی جس شے کے حصُول کے لئے تم نے دوُسروں کی گردن کاٹی کہ میں اُن کی دولت سمیٹ لوں یا میری دھاک بیٹھ جائے ۔ وہ تمھیں حاصل نہ ہو سکے گی اور یہی اصُول ان قوموں پر لاگو ہے جو اس جُرم کا ارتکاب کرتی ہیں کہ عزّت کی زندگی سے محرُوم ہو جاتی ہیں اور خانہ جنگی کبھی عروج کا سبب نہیں بنی یہ تو اس عمل کا دنیاوی نتیجہ تھا ۔

اب آخرت میں اس عمل کے ساتھ احکامِ الٰہی کا انکار اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو بھی شامل ہو گیا جو کفر ہے صرف عمل نہ کرنا تو فسق ہے مگر اس کو کیا جائے کہ لوگ کہتے ہیں یہ حکم ہے ہی فضول اور ناقابلِ عمل ۔ تو یہ صریح کفر بن جاتا ہے اور اشدِ عذاب یعنی بہت سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا اور یاد رکھو اللہ تمھارے اعمال سے پوُری طرح آگاہ ہے یعنی ایسا بھی ہرگز نہیں کہ دیکھ تو رہا ہو مگر نگاہ میں سُستی ہو اور موٹی

موٹی باتیں دیکھ لیں کچھ رہ بھی گئیں. نہیں ہرگز نہیں. وہ پوری طرح تمام اعمال و افعال کے ساتھ سارے دلی عقائد کو بھی دیکھ رہا ہے.

رکوع نمبر ۱۱ آیات ۸۶ تا ۹۶ الٓمٓ 1/11

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا
مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى
ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ
رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ
اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ
وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝٨٧

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور اُن کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرئیل) سے اُن کو مدد دی. تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے ۝٨٧

87. And verily We gave unto Moses the Scripture and We caused a train of messengers to follow after him, and We gave unto Jesus, son of Mary, clear proofs (of Allah's sovereignty and We supported him with the holy Spirit.[13] Is it ever so, that when there cometh unto you a messenger (from Allah) with that which ye yourselves desire not, ye grow arrogant, and some ye disbelieve and some ye slay?

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ
اللّٰهُ بِكُفْرِھِمْ فَقَلِيْلًا مَّا
يُؤْمِنُوْنَ ۝٨٨

اور کہتے ہیں ہمارے دل پردے میں ہیں (نہیں) بلکہ خدا نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کر رکھی ہے پس یہ تھوڑے ہی پر ایمان لاتے ہیں ۝٨٨

88. And they say: Our hearts are hardened. Nay, but Allah hath cursed them for their unbelief. Little is that which they believe.

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ
قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَي الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا جَاۗءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا
كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝٨٩

اور جب خدا کے ہاں سے اُنکے پاس کتاب آئی جو اُن کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے. تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب اُنکے پاس آ پہنچی تو اُس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر خدا کی لعنت ۝٨٩

89. And when there cometh unto them a Scripture from Allah, confirming that in their possession—though before that they were asking for a signal triumph over those who disbelieved—and when there cometh unto them that which they know (to be the Truth) they disbelieve therein. The curse of Allah is on disbelievers.

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ اَنْ
يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ
يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ
مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰي
غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ۝٩٠

جس چیز کے بدلے اُنہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا وہ بہت بُری ہے یعنی اس جلن سے کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے نازل فرماتا ہے خدا کی نازل کی ہوئی کتاب سے کفر کرنے لگے تو وہ (اُس کے) غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے. اور کافروں کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ۝٩٠

90. Evil is that for which they sell their souls: that they should disbelieve in that which Allah hath revealed, grudging that Allah should reveal of His bounty unto whom He will of His bondmen.[14] They have incurred anger upon anger. For disbelievers is a shameful doom.

وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاۗءَهٗ ۤ وَھُوَ الْحَقُّ
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ
تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب خدا نے (اب) نازل فرمائی ہے اُسکو مانو تو کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر (پہلے) نازل ہو چکی ہے ہم تو اُسی کو مانتے ہیں (یعنی) یہ اسکے سوا (اور کتاب) کو نہیں مانتے حالانکہ وہ (سراسر) سچی ہے اور جو اُن کی (آسمانی) کتاب ہے اُسکی بھی تصدیق کرتی ہے (اُن سے) کہدو کہ اگر تم صاحب ایمان

91. And when it is said unto them: Believe in that which Allah hath revealed, they say: We believe in that which was revealed unto us. And they disbelieve in that which cometh after it, though it is the truth confirming that which they possess. Say (unto them O Muhammad): Why then slew ye the Prophets of Allah aforetime, if ye are (indeed) be-

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾

ہو تو خدا کے پیغمبروں کو پہلے ہی کیوں قتل کیا کرتے ﴿٩١﴾

lievers?

وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾

اور موسیٰ تمہارے پاس کھلے ہوئے معجزات لیکر آئے تو تم ان کے (کوہ طور پر جانے کے) بعد بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے اور تم (اپنے ہی حق میں) ظلم کرتے تھے ﴿٩٢﴾

92. And Moses came unto you with clear proofs (of Allah's sovereignty), yet while he was away, ye chose the calf (for worship) and ye were wrongdoers.

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

اور جب ہم نے تم (لوگوں) سے عہد واثق لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اس کو زور سے پکڑو اور جو تمہیں حکم ہوتا ہے (اس کو) سنو تو وہ (جو تمہارے بڑے تھے) کہنے لگے کہ ہم نے سن تو لیا لیکن مانتے نہیں۔ اور ان کے کفر کے سبب بچھڑا (گویا) ان کے دلوں میں رچ گیا تھا (اے پیغمبر) ان سے کہدو کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان تم کو بری بات بتاتا ہے ﴿٩٣﴾

93. And when We made with you a covenant and caused the Mount to tower above you, (saying): Hold fast by that which We have given you, and hear (Our Word), they said: We hear and we rebel. And (worship of) the calf was made to sink into their hearts because of their rejection (of the covenant). Say (unto them): Evil is that which your belief enjoineth on you, if ye are believers.

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾

کہدو کہ اگر آخرت کا گھر اور لوگوں (یعنی مسلمانوں) کیلئے نہیں اور خدا کے نزدیک تمہارے ہی لئے مخصوص ہے تو اگر سچے ہو تو موت کی آرزو تو کرو ﴿٩٤﴾

94. Say (unto them): If the abode of the Hereafter in the providence of Allah is indeed for you alone and not for others of mankind (as ye pretend) then long for death (for ye must long for death) if ye are truthful.

وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

لیکن ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں یہ کبھی اس کی آرزو نہیں کرینگے اور خدا ظالموں سے (خوب) واقف ہے ﴿٩٥﴾

95. But they will never long for it, because of that which their own hands have sent before them. Allah is Aware of evildoers.

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

بلکہ ان کو تم اور لوگوں سے زندگی کے کہیں حریص دیکھو گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی۔ ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے کہ کاش وہ ہزار برس جیتا رہے مگر اتنی لمبی عمر اس کو مل بھی جائے تو اسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان کو دیکھ رہا ہے ﴿٩٦﴾

96. And thou wilt find them greediest of mankind for life and (greedier) than the idolaters. (Each) one of them would like to be allowed to live a thousand years. And to live (a thousand years) would by no means remove him from the doom. Allah is Seer of what they do.

اسرار و معارف

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ ایک لائحہ عمل۔ پوری زندگی کا پروگرام اور ایسا جو دنیا و آخرت ہر دو عالم کی کامیابی کا ضامن ہو دیا۔ انسان کی ساری سوچ بچار۔ ساری تگ و دو اور انتخاب و اسمبلیاں صرف اس لیے ہیں کہ زندگی بسر کرنے کا بہترین طریقہ تلاش کیا جائے مگر ہم نے آسمان سے کتاب نازل فرما کر اللہ کی طرف سے تمہیں ایک مکمل ضابطہ حیات دیا اور ساتھ ایک اولوالعزم رسول بھیجا کہ صرف کتاب نافع نہیں جب تک دل پاک ہو کر اس کی تعلیمات کو قبول نہ کرنے لگ جائیں۔ جو صحبت رسول کا حاصل ہے اور جب یہ استعداد حاصل ہو تب بھی کتاب اللہ کی شرح نبی اور رسول ہی کر سکتا ہے کہ ہمیشہ کتاب میں اجمال ہوتا ہے اور اس کی

شرح انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں جو براہِ راست اللہ سے تعلیم پاتے ہیں۔

یہی حال یہاں ہے کہ سب سے عظیم کتاب سب سے عظیم رسول ﷺ لائے اور جوتے کے تسمے باندھنے سے لے کر امورِ سلطنت تک ہر شے کی تعلیم فرمائی مگر اس کا کیا کیا جائے کہ جب دل ہی فیضانِ نبوت سے خالی ہوں تو کتاب سے کیا حاصل ہو سکے گا۔

پھر یہ بات صرف موسیٰ علیہ السلام پر ختم نہ کر دی بلکہ اُن کے بعد پے در پے رسُول بھیجے جو سب دلوں کو زندہ کرنے کی قوت رکھتے تھے اور فیضانِ باری کے خزینے تھے۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جن کے پاس واضح معجزات بھی تھے اور جبرائیل امین جیسے عظیم فرشتے بھی ہمہ وقت ان کی اطاعت میں کھڑے تھے کہ تعمیلِ ارشاد کریں۔ نبی سب معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں مگر اسی کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت بھی ارشاد فرمائی کہ جبرائیل علیہ السلام کے دَم کرنے سے حمل قرار پایا۔ ولادت کے وقت وہی خادم تھے، پردے کے پیچھے خطاب فرما رہے تھے، بعد ولادت ساتھ رہے، زندگی بھر حفاظت کی۔ اور انہی کے ذریعہ آسمان پر اُٹھائے گئے یعنی ان کا مزاج ہی کامل ملکوتی تھا کہ نہ جماع سے پیدا ہوئے اور نہ ابھی خود ہی کیا تھا۔

جماع اگرچہ خود اطاعت بن کر ثواب کا باعث بنتا ہے مگر یہ ایک ایسا فعل ہے جو مکمل توجہ اپنی طرف جذب کرتا ہے اور احوال میں چند لمحوں کے لئے ایک انقطاع پیدا کر دیتا ہے جس کی تلافی کے لئے پھر کچھ وقت کچھ محنت ضرور درکار ہوتی ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں یہ بھی نہ تھا۔ اگرچہ وہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو شادی بھی کریں گے صحیح حدیث سے ثابت ہے مگر جس وقت کی بات ہو رہی ہے اُس وقت حالت ایسی ہی تھی۔ اسی طرح اُمتِ مرحُومہ میں بعثتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کتاب اللہ کی حفاظت بھی اللہ خود کر رہا ہے اور فیضانِ نبوی کے خزینے یعنی اولیاء اللہ بھی ہر دور کو منور فرما رہے ہیں۔

یہ حدیث کہ جس کا مفہوم ہے میری اُمت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں انہی روشن چراغوں کے حق میں ہے جو علومِ ظاہرہ کے ساتھ ساتھ سینے اور قلوب بھی منور رکھتے ہیں۔ اور دوسروں تک یہ روشنی پہنچانے کی استعداد رکھتے ہیں محض چند گردانیں یاد کر کے انھیں روٹی کا ذریعہ بنانے والے اس کا مصداق نہیں ہو سکتے تو تمھاری حالت یہ ہے کہ تم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے نفس کی کسوٹی پہ جانچا۔ نفس مختلف مادی اجزاء کے یکجا ہونے کی وجہ سے صُورت پذیر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی ساری توجہ مادی لذات کی طرف ہوتی ہے یہ تو رُوح اور دل ہے جو عالمِ بالا کے حقائق سے منور ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ نفس کو بھی منور کر کے اس کی خواہشات بدل دیتا ہے۔

برعکس اس کے تم نے نفس کو رُوح اور دل پر مسلط کیا جو انبیاء سے حصُولِ فیض تو کجا الٹا ان سے اکڑ گیا یہاں تک کہ تم بحیثیت قوم اکثر انبیاء کے قتل کے مرتکب ہوئے اور بہتوں کی تکذیب کرتے رہے تکبرِ نفس نے تکذیب پہ اُبھارا اور تکذیب سے دل اس قدر سیاہ

اور سخت ہوئے کہ انبیاء کے قتل سے بھی تم نے دریغ نہ کیا۔

یہی حال اکثر اہل اللہ کا ہوا ہے اور ہو رہا ہے کہ لوگ استفادہ کرنے کی بجائے ان کی ایذاء کا سبب بنے رہتے ہیں اور ان کو اپنے فتووں کی زد میں رکھتے ہیں بنیادی سبب تو وہی تکبر ہے۔

وقالوا قلوبنا غلف .... فقلیلا ما یؤمنون۔

اور اس کے ساتھ یہ دعوے کہ جی ہمارے دل تو پردوں کے اندر ہیں کبھی میلے نہیں ہوتے ہمیشہ حق بات قبول کرتے ہیں اگر تمہاری باتوں میں وزن ہوتا تو ہمارے دل قبول کرتے۔ فرمایا یہ بات نہیں کہ انبیاء کی بات بے وزن ہے بلکہ قبول نہ کرنے والوں کے دل کفر کے سبب لعنتِ الٰہی اور حق سے دُوری کی سزائیں گرفتار ہیں جیسے پہلے تھے ایسے ہی اب رسول اللہ ﷺ کا انکار کر رہے ہیں۔ یہ ان کے کفر اور بے راہ روی کی سزا ہے۔

یہاں سے خوب پتہ چلتا ہے کہ کثرتِ گناہ بالآخر ایمان کو بھی لے ڈوبتی ہے دل سیاہ ہوتے ہوتے اس قدر سخت ہو جاتے ہیں کہ ان پر حق بات اثر نہیں کرتی ورنہ اہل کتاب کی حالت یہ ہے کہ قرآن کو اور نبی اکرم ﷺ کو حق جانتے اور خوب پہچانتے ہیں مگر توفیقِ ایمان نہیں رکھتے۔

ولما جاء ھم کتاب من عند اللہ .... فلعنۃ اللہ علی الکٰفرین۔

کہ جب اللہ کی وہ کتاب ان کے پاس پہنچی جو ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ جملہ آسمانی کتابوں میں توحید، رسالت، آخرت اور عبادتِ الٰہی وغیرہ ہی تو ہیں جو قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ بھی کہ ان کی کتاب یا پہلی سب کتابوں میں آپ ﷺ کی بعثت اور نزولِ قرآن کی بشارت ہے تو یہ بعثت اور نزول اس کی تصدیق کا سبب بن گئی کہ واقعی ایسا ہوا جس کی خبر کتاب میں پہلے موجود تھی۔ اور یہ لوگ تو کافروں کے مقابلے پر جنگ میں فتح انہی کے وسیلے سے مانگتے تھے یعنی آنے والے نبی اور کتاب کی عظمت سے اس قدر آشنا تھے کہ اللہ کو ان کا واسطہ دے کر کفار پر فتح طلب کرتے تھے اور پاتے تھے اور میدانِ مناظرہ میں بھی ان کو دلائل سے عاجز کرتے تھے ہم صاحبِ کتاب ہیں اگرچہ انبیاء کا زمانہ دُور ہوا اور برکات اُٹھ گئیں مگر اب نبی آخر الزماں کا وقتِ ظہور قریب ہے۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ مل کر تمہیں خوب سزا دیں گے۔

مگر ہوا کیا؟ جب وہ ہستی، وہ کتاب آپہنچی، وہی شے جس کو یہ خوب جانتے تھے تو اُس کا انکار کر دیا۔ سو لعنت ہے اللہ کی کافروں پر یعنی وہ عذابِ الٰہی کا شکار ہیں۔

بئسما اشتروا به انفسھم .... وللکفرین عذاب مھین ۔

بہت بُرا سودا کیا ہے ان کے نفوس نے کہ محض حسد اور بُغض کی وجہ سے محض دُنیا کا جھوٹا وقار قائم رکھنے کو اللہ کی نازل کردہ نعمتوں یعنی نبوّت اور کتاب کا انکار کر بیٹھے ۔

یہ نبوّت کو بھی اپنی پسند کے تابع رکھنا چاہتے تھے کہ اگر بنی اسرائیل سے نبی ہوتا تو مان لیتے ۔ بنی اسرائیل سے باہر نبوّت کیسے ہو سکتی ہے ؟ فرمایا کیوں نہیں ہو سکتی ۔ اللہ اپنی عطا میں کسی کا پابند نہیں ہے جس پر چاہے اور جو چاہے کرم کر دے ۔ اپنے بندوں کو نوازتا ہے ۔ من عبادہٖ یعنی اس کے مقبول بندے بھی سب ایک درجہ کے نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے بعض کو خصوصی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے ۔ یہی یہودیانہ روش اب کے جاری ہے کہ کسی بزرگ کے خاندان سے ہونا ضروری ہے خواہ خود بدکار ہی ہو پیر مانا جائے گا اور اگر ایسا نہیں تو کس قدر نیک اور صاحبِ دل بھی ہو اکثر لوگ محروم رہیں گے انھوں نے نبوّت کو میراث جانا ، یہ ولایت کو میراث جانتے ہیں ' لہٰذا ایسا کرنے سے یہ لوگ دوہرے عذاب کا شکار ہوئے کہ ایک تو اللہ کے نبی کا انکار کیا ۔ دوسرے عطائے باری پہ اعتراض ہے تمھیں اپنی اس جراتِ بے جا کا پتہ چلے گا کہ کافروں کے لئے عذاب بھی ہے اور ذلّت بھی ۔ یعنی انھیں عذاب میں تکلیف کے علاوہ تذلیل کا سامنا بھی کرنا ہوگا ۔ برخلاف اس کے اگر مومن گرفتارِ بلا ہوا تو محض گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا ۔ اس کی عزّت قائم رکھی جائے گی ، معاملہ رب اور اُس کے بندے کے درمیان ہوگا لوگوں میں ذلیل نہ کیا جائے گا ۔

واذ اخذنا میثاقکم .... ان کنتم مومنین ۔

باتیں بہت کرتے ہو حالانکہ حال تمھارا یہ ہے کہ تم سے اطاعت کا عہد لینے کے لئے تم پر کوہِ طور کو معلق کیا گیا کہ اللہ کے احکام اچھی طرح سُنو اور ان پر پُوری محنت اور دیانتداری سے عمل کرو ۔ یہ کس قدر عظیم احسان تھا کہ اضطراراً تم سے اطاعت کرائی گئی ' حالانکہ عمومی قانون یہ نہیں ہے ورنہ تو اس طرح سب کے لئے آسانی ہو جائے اور تم نے عہد کیا قالوا سمعنا تم نے وعدہ کیا کہ اللہ ہم نے خوب سُن لیا ہے مگر تمھارے عمل اور بعد کی زندگی نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ تم نے اطاعت نہ کی اور نافرمانی میں مبتلا رہے ۔

بھئی ! یہ تو ایسے لوگ ہیں ان کی ناشکر گزاریوں کے باعث اور عبورِ دریا کے بعد پھر مبتلائے کُفر ہونے کے باعث ان کی توبہ ناقص رہی جس کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت ڈال دی گئی " واشربوا " ان کے دلوں کو بچھڑے کی محبت سے سیراب کیا گیا ۔ یہاں واقعہ رفعِ طور کی تکرار نہیں بلکہ ان کی ناشکری کا ایک درجہ اور اس کی کیفیت کا بیان مقصود ہے کہ بُت پرستوں کو عبادت میں مصروف دیکھ کر کہہ اٹھے تھے یا موسٰی اجعل لنا الٰھً ۔ ان کو اس کفر سے اگرچہ موسےٰ علیہ السلام نے ڈانٹ ڈپٹ کر توبہ تو کرائی ، مگر

ان سے حقیقی توبہ نہ ہو سکی حتیٰ کہ ان پر پہاڑ معلق کیا گیا اور اس وقت اطاعت کا وعدہ کر کے عملاً غلط روش اپنائی۔ اسی وجہ سے لوگوں میں اللہ کی محبت جگہ نہ پائے گی بلکہ غیر اللہ کی، ایک بت کی، ایک بچھڑے کی محبت ڈال دی گئی ان سے من حیث القوم کیا امید وفا کہ ان کرتوتوں کے ساتھ دعوئ ایمان بھی ہے۔

ان سے فرما دیجئے کہ اگر تمہارا ایمان یہی ہے کہ کفر و شرک بھی کیا جائے، حرام و حلال کی تمیز بھی نہ ہو حتیٰ کہ انبیاء کا قتل بھی صادر ہو اور ایمان بھی باقی رہے تو یہ بہت برا ایمان ہے یعنی یہ ایمان ہرگز نہیں بلکہ کفر کا پلندہ ہے جس کا نام تم نے ایمان رکھ لیا ہے۔

جیسے آجکل دعوئ ایمان بھی ہے اور سنتِ رسول ﷺ کو مٹا کر رسوم کو عبادت کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ ذات و صفاتِ باری تعالےٰ میں شرک بھی کیا جا رہا ہے اور نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانی کے ٹھیکیدار ہونے کے مدعی بھی ہیں۔ سو کوئی شخص بغیر عقائد کے جو حضور ﷺ نے تعلیم فرمائے اور بغیر ان اعمال کے جن کی اصل سنت سے ثابت ہو کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ خواہ کیسے بھی دعاوی کرتا رہے اب ان کے دعوے کو دوسری طرح سے جانچ لیں۔

قل ان کانت لکم الدار .... واللہ علیم بالظلمین ۔

کہ یہود کہتے تھے لن تمسنا النار ایاما معدودہ، لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصریٰ، نحن ابناء اللہ واحباء ؤ تو ان سب دعووں کی بنیاد یہ تھی کہ ہم حق پر ہیں مگر حقیقت اس کے برعکس ہے اور محض لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ورنہ دل سے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی برحق ہیں اگر ایسا نہیں تو آو اب تک بات عقل و نقل کی حدود میں رہی اب ذرا فوق العادت اور معجزانہ طور پر تمہارے دعاوی کو پرکھا جائے کہ اگر تم سچے ہو تو ذرا موت کی تمنا کرو

موت کی تمنا کرنا یا نہ کرنا یا کن حالات میں جائز ہے اور کن میں نہیں، یہ دوسرا مسئلہ ہے یہاں اس سے بحث نہیں۔ یہاں مقصد اس بات سے ہے کہ ان یہود کو جو آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں آپ ﷺ کی نبوت کا اس قدر یقین ہے کہ ان کے دل کہتے ہیں کہ اگر ہم نے کہہ دیا کہ آپ کے مقابلے میں ہم سچے نہ ہوں تو ہمیں موت آ جائے یقیناً موت آ جائے گی۔ لہٰذا یہ اعلان کر دیا کہ کبھی ایسی تمنا نہ کریں گے کہ یہ بدکار ہیں اور بہت بڑے ظالم کہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

یہاں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گناہ گار پر ایک انجانا سا خوف، ایک خفیہ سی پریشانی جو مسلط رہتی ہے وہ دنیوی زندگی کے خاتمے کا کھٹکا اور موت کی ہیبت ہے۔ اور نیک اور صالح انسانوں کے دلوں میں جمعیت اور سکون کی بنیاد بھی اُخروی آرام کی توقع ہے یہ بات ایک طرح سے مباہلہ سے مشابہت رکھتی ہے اور یہود یہ بھی نہ کہہ سکے کہ ہمیں موت آ جائے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر یہ گزرتے تو دنیا پر کوئی یہودی نہ رہتا بلکہ اپنے ہی لعابِ دہن سے گلے گھٹ کر مر جاتے۔

ولتجد نھم احرص الناس .... واللہ بصیرٌ بما یعملون۔

کہ آپ ان کو دوسروں سے بھی زیادہ زندگی پر حریص پائیں گے حتیٰ کہ مشرکین سے بھی جن کا آخرت پر ایمان ہی نہیں یا کفار جو آخرت کو مانتے ہی نہیں ان کے نزدیک صرف یہی دُنیا ہے ان کی حرص تو لازمی چیز ہے مگر یہ جو ایمان کے مدعی اور آخرت کے قائل ہیں یہ حرصِ دُنیا میں اُن سے بھی بازی لے گئے ان میں کا ہر فرد چاہتا ہے کہ کاش ہزاروں برس جیتا ہی رہے۔

تو پتہ چلا کہ اپنے آپ کو اُخروی نعمتوں کا مستحق جاننے کا دعویٰ نرا دعویٰ ہی ہے اور جب یہ بات ہے تو طویل عُمر اگر نصیب بھی ہو جائے تو یہ اللہ کے عذاب سے بچانے کا سبب تو نہیں بن سکتا بلکہ کفر کے ساتھ طویل عمر، اُلٹا عذاب کو بڑھانے کا ذریعہ ہو گی کہ نجات کا مدار تو ایمان پر ہے اور یہ اُن کے دعوے اور اُن کے کرتوت اللہ تعالےٰ خوب دیکھ رہا ہے۔ یہ ایسے ظالم ہیں کہ دل سے حق کو حق جانتے ہیں مگر مانتے نہیں۔

جاننے اور ماننے میں فرق

یہاں یہ خیال نہ گزرے کہ جب جانتے ہیں تو نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بھئی! جاننا تو شیطان بھی ہے مگر مانتا نہیں۔ ایمان کے لئے صرف جاننا کافی نہیں بلکہ ماننا ضروری ہے اور ماننے کے لئے سمعنا وعصینا نہ ہو کہ زبانی مانے اور عملاً جھٹلائے۔ بلکہ ماننا اُسے کہتے ہیں جس پر عمل بھی ہو۔

اکثر ائمہ نے جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں، اعمال کو ہی ایمان کہا ہے مگر احناف کے نزدیک اقرار کے ساتھ دلی تصدیق شامل ہو تو کافر نہ ہو گا۔ ترکِ اطاعت سے فاجر ہو گا۔ کہ یہ قول اور تصدیقِ قلبی بھی تو ایک عمل ہی ہے اور یہ بہت بڑا عمل ہے مگر اس کی زینت اعمال ہی سے ہے جو بہت ضروری ہے تو گویا ہر قول اور ہر فعل کا مدار عملاً اُس کے کرنے اور قلبی طور پر اس کی تصدیق سے ہے اگر دل ساتھ نہ ہو تو عمل محض ایک ڈھونگ رہ جاتا ہے۔

افسوس! ہمارے زمانے کی مصیبت یہی ہے کہ دل مرتے جا رہے ہیں مگر لوگ ہیں کہ جان بلب مریضوں (دلوں)، کو غفلت اور عدم توجہی کا شکار کر رکھا ہے۔

اللہ ہم سب کو ہدایت دے، آمین!

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (اُس کو غصے میں مرجانا چاہیئے) اُس نے تو (یہ کتاب) خدا کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کیلئے ہدایت اور بشارت ہے ﴿۹۷﴾

97. Say (O Muhammad, to mankind): Who is an enemy to Gabriel! For he it is who hath revealed (this Scripture) to thy heart by Allah's leave, confirming that which was (revealed) before it, and a guidance and glad tidings to believers;

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

جو شخص خدا کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُسکے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا خدا دشمن ہے ﴿۹۸﴾

98. Who is an enemy to Allah, and His angels and His messengers, and Gabriel and Michael! Then, lo! Allah (Himself) is an enemy to the disbelievers.

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور ہم نے تمہارے پاس سُلجھی ہوئی آیتیں ارسال فرمائی ہیں اور اُن سے انکار وہی کرتے ہیں جو بدکردار ہیں ﴿۹۹﴾

99. Verily We have revealed unto thee clear tokens, and only miscreants will disbelieve in them.

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اُن لوگوں نے جب جب (خدا سے) عہد واثق کیا تو اُن میں سے ایک فریق نے اُسکو (کسی چیز کی طرح) پھینک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن میں اکثر بے ایمان ہیں ﴿۱۰۰﴾

100. Is it ever so that when they make a covenant, a party of you set it aside? The truth is, most of you believe not.

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور جب اُنکے پاس خدا کی طرف سے پیغمبر (آخر الزماں) آئے اور وہ اُن کی (آسمانی) کتاب کی تصدیق بھی کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اُن میں سے ایک جماعت نے خدا کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں ﴿۱۰۱﴾

101. And when there cometh unto them a messenger from Allah, confirming that which they possess, a party of those who have received the Scripture fling the Scripture of Allah behind their backs as if they knew not:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هٰرُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۗ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور اُن (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اُن باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت اور ماروت پر اُتری تھیں۔ اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعۂ) آزمائش ہیں۔ تم کفر میں نہ پڑو۔ غرض لوگ اُن سے (ایسا) جادو سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جُدائی ڈال دیں۔ اور خدا کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو اُنکو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اُس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور جس چیز کے عوض اُنہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بُری تھی۔ کاش وہ (اس بات کو) جانتے ﴿۱۰۲﴾

102. And follow that which the devils falsely related against the kingdom of Solomon. Solomon disbelieved not; but the devils disbelieved, teaching mankind magic and that which was revealed to the two angels in Babel, Hârût and Mârût. Nor did they (the two angels) teach it to anyone till they had said: We are only a temptation, therefore disbelieve not (in the guidance of Allah). And from these two (angels) people learn that by which they cause division between man and wife; but they injure thereby no-one save by Allah's leave. And they learn that which harmeth them and profiteth them not. And surely they do know that he who trafficketh therein will have no (happy) portion in the Hereafter; and surely evil is the price for which they sell their souls, if they but knew.[16]

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو خدا کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔ اے کاش وہ اس سے واقف ہوتے ﴿۱۰۳﴾

103. And if they had believed and kept from evil, a recompense from Allah would be better, if they only knew.

اسرار و معارف

جب علمائے بنی اسرائیل عقل و نقل میں عاجز ہوئے تو صورت ایک مباہلہ کی بنی۔ جب وہاں بھی ناکام ہوئے تو اب سوائے تسلیم کے چارہ نہ تھا اور یہ راہ وہ اختیار نہ کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ایک اور عذرِ لنگ تراشا کہ نبی تو برحق ہیں اور ہم مان بھی ضرور لیتے مگر یہ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام مجھ پر وحی لاتے ہیں اور یہ وہ فرشتہ ہے جو بارہا ہم پر بربادی لایا اور ہمارے آباؤ اجداد سے سختیاں کیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ مثلاً میکائیل ہی وحی لاتا تو ضرور ہم بھی تسلیم کرتے مگر جبرائیل کے ساتھ ہماری بنتی نہیں ہے اس وجہ سے ہم نبوتِ محمدی ﷺ کا اتباع نہیں کر سکتے۔

یہ ساری بات انھوں نے جہلاء کو بہلانے کے لیے گھڑی۔ مگر اللہ کریم نے یہاں بھی ان کے جھوٹ کا پول کھول دیا۔ اور فرمایا ان جبرائیل کے دشمنوں سے فرمایئے کہ تمہیں فرشتوں سے برادری گانٹھنی ہے یا اس پیغام کو قبول کرنا ہے جو وہ اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پہ لاتے ہیں۔ یہاں باذن اللہ کہہ کر یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ کریم کا کلام ذاتی ہے اور فرشتہ تو صرف لانے پر مامور ہے اس کا مہبط آپ ﷺ کا قلبِ اطہر ہے۔

یہاں یہ بات سمجھ لی جائے کہ انسان جس قدر علوم حاصل کرتا ہے ان کا خزانہ تو دماغ ہے پھر یہ نزولِ علم دل پر کیسا؟ تو یہ جان لینا چاہیے کہ علم کی اقسام دو ہیں مادی اور روحانی۔ علومِ مادیہ یا مادی کمالات کو سیکھنا، محفوظ رکھنا اور ان کو عمل میں لانا دماغ کا کام ہے۔

دماغ اور دل کی صلاحیتوں میں فرق

جسم مادی ہے، اس کی ضروریات مادی ہیں، دماغ بھی ایک مادی جسم ہے جس کا کام جسم کی ضروریات کو جاننا اور ان کی تکمیل کی راہیں تلاش کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ مادی کمالات کے لیے ایمان ضروری نہیں، کافر بھی ڈاکٹر، سائنسدان، انجنیئر وغیرہ بن سکتا ہے۔

دوسرا علم روحانی ہے روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے وہاں کے علوم جاننا دماغ کے بس کی بات نہیں بلکہ دل کا کام ہے۔ وہ دل جو اس گوشت کے لوتھڑے میں اللہ نے رکھ دیا ہے جو حقیقتاً عالم امر ہی کا ایک لطیفہ ہے اللہ کی ذاتی عظمت کا شعور اس کی صفات کا ادراک، آسمان سے بالا کی باتیں، ارواح، برزخ، آخرت، موت یا بعد الموت، حشر و نشر، ثواب عذاب، جنت، دوزخ یہ سب حقائق ہیں جن کو روحانی علوم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے جن کا مہبط دل ہے۔

اگر دماغ میں صلاحیت ہوتی تو ساری کائنات میں سب سے افضل دماغ بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے آپ ﷺ

کے دماغ کو خطاب فرمایا جاتا یا اُن علوم کی تعلیم دی جاتی مگر نہیں، یہاں مہبطِ وحی قلبِ اطہر ہے۔ لہٰذا اس علم سے مستفید ہونے کے لیے روزنِ دل وا کرنا ہوگا تو فرمایا۔ فرشتہ اللہ کا ذاتی کلام لایا جو براہِ راست قلبِ اطہر پر نازل ہُوا۔ یہ بھی کلام کی عظمت کا اظہار ہے۔ کہ دماغ کی رسائی ہی سے بالاتر ہے بلکہ خود دماغ کی اصلاح کرنے والا ہے نہ یہ کہ کسی کا دماغ اس کی اِصلاح کرنے لگ جاتے۔

قرآن کے مصدق ہونے کا مفہوم

اپنے سے پہلے اس کلام کی جو کسی زمانے میں بھی اللہ کی طرف سے نازل ہُوا تصدیق کرتا ہے یہ تصدیق بھی دو قسم کی ہے ایک تو مضمونِ اخبار میں پہلے کی تصدیق کرتا ہے، مثلاً ذات وصفاتِ باری، حشر و نشر، حساب کتاب یا جنت دوزخ کے جو حقائق پہلی منزل من اللہ کتاب نے بیان کیے وہی یہ بیان کرتا ہے اور دُوسری تصدیق حالاً ہے کہ ان سب کتابوں میں نبی آخرالزماں ﷺ اور اللہ کی آخری کتاب کے آنے کی پیشگوئی موجود ہے سو اس نبی ﷺ اور کلام نے آکر عملاً ان کی پیشگوئی سچی ثابت کردی۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی کتاب نازل نہ ہوگی اگر ایسا ہوتا تو قرآن صرف اپنے سے پہلے کی وحی کا مصدق ہی نہ ہوتا بلکہ بعد والے کلام کی پیشگی تصدیق فرماتا۔ مگر ایسا نہیں، پہلے کی بات کرتا ہے اپنے بعد کا کوئی امکان ہی نہیں رکھتا اس کے بعد کا کوئی شخص بھی اگر نزولِ وحی کا دعوےٰ کرے گا تو کذاب ہوگا۔

وھُدًی اور راہ دکھاتا ہے یعنی بہترین رہنمائی کرتا ہے کہ جس قدر اصُولِ حیات یا طریقِ زندگی لوگوں نے بنائے ہیں ان میں رکھ کر دیکھ لو، سب سے بہترین طرزِ حیات وہی ہے جو یہ کلام سکھاتا ہے اور یہ واحد طرزِ حیات یا ہدایت ہے جو پیدائش سے لے کر آخرت تک رہنمائی فرماتا ہے ورنہ باقی سب طریقِ حیات کم از کم موت سے آگے تو خاموش ہیں۔

وبشریٰ للمومنین۔ اپنے ماننے والوں میں ایک ایسی رُوحانی خوشی اور خوشخبری تقسیم کرتا ہے جو انھیں آخرت کی لذتوں سے آشنا کردیتی ہے اور ایک ایسا سکون عطا فرماتا ہے جس کی لذت کو دُنیاوی آلام بھی کم نہیں کرسکتے۔ ؎

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

یہ جملہ اس کلام کے اعجاز ہیں اور تمھیں اس کلام کو ماننا تھا۔ مگر کیسے مانتے کہ جب تمھارا اصل مرض تو کفر ہے اور اللہ سے دُشمنی تو فرمایا جو اللہ کا دشمن ہو اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا اور جبرائیل ومیکائیل کا، اللہ تو خود دشمن ہے کافروں کا۔ یعنی یہ جبرائیل سے دشمنی میکائیل سے دوستی نہیں بن سکتی۔ بلکہ اس کا اصل سبب ہی اللہ سے دشمنی ہے تو جب اللہ ہی سے دشمنی ہے تو پھر سب فرشتوں تمام انبیاء سے دشمنی کا سبب ہے۔

اسی طرح جو بھی مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کا یا اُن میں سے بعض کا دشمن ہوگا تو تبیعتاً وہ سب کا دشمن ہوگا، بلکہ خود اللہ کا دشمن ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ میرے دو وزیر آسمانوں میں اور دو زمین میں ہیں۔ آسمانوں میں جبرائیل و میکائیل اور زمین پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم الی آخر الحدیث۔ تو گویا شیخین رضی اللہ عنہم کا یا اُن میں سے کسی ایک کا دشمن بھی اسی وعید کا مستحق ہوگا اور سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ فان اللہ عدو للکفرین۔ کہ خدا خود کفار کا بوجہ ان کے کفر کے دشمن ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غضبِ الٰہی کا شکار ہوکر اللہ کے مقبول بندوں یا اس کے رسولوں اور فرشتوں کی عداوت میں مبتلا ہوں گے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ نیکاں کند

اور اسی طرح بالعکس جب راضی ہوتا ہے تو اسے اپنے مقبول بندوں کی محبت عطا فرماتا ہے اور ان کی مجلس میں پہنچاتا ہے یعنی نیک ہم نشین عطا فرماتا ہے پھر واضح اور بیّن دلیلیں اور روشن نشانیاں نازل فرمائیں، کلام اللہ خود بہت بڑا معجزہ ہے۔ علاوہ ازیں معجزاتِ نبوی ظاہر و باہر اور بے شمار ہیں۔ ان سے انکار کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں کر رہے بلکہ ہر مصیبت ان کی بداعمالیوں کی لائی ہوئی ہے کہ بدکاری نے دل کو اقرار کی صلاحیت سے محروم کر دیا ہے۔

اور یہ کوئی آج کی بات نہیں بلکہ یہ تو نسلاً بعد نسلٍ بدعہدی کرتے چلے آ رہے ہیں جب بھی اللہ نے کوئی وعدہ لیا ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے ضرور عہد شکنی کی بلکہ اکثر نے کی اور عملاً کم ہی لوگ ہوئے جو حق پر رہے۔ وہی حال آج ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کا عہد بھی تورات میں موجود مگر ایمان لانے والے کم اور عہد شکنی کرنے والے زیادہ ہیں۔

ولما جاء ھم رسول من عند اللہ .... کانھم لا یعلمون۔

جب اُن کے پاس اللہ کا عظیم الشان رسُول تشریف لایا جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا بھی ہے کہ اگر اس کا انکار کریں تو اس پیشگوئی کا کیا کریں گے جو اُن کی کتاب میں موجود ہے اور جس کی حقانیت کے مدعی بھی ہیں۔ اور خوب جانتے اور سمجھتے ہیں اس ساری بات کو، آپ ﷺ کی ذات کو، آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات کو حتیٰ کہ حلیہ مبارک تک سب جانتے ہیں۔ مگر دیکھ لو کس طرح کتاب الٰہی کو پس پُشت ڈال رہے ہیں گویا کچھ جانتے ہی نہیں اور بجائے اتباعِ نبوت کرنے کے ان علوم کے اکتساب میں لگے ہوئے ہیں جو عہدِ حضرت سلیمان علیہ السلام میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔

واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین علیٰ ملک سلیمٰن .... لو کانوا یعلمون۔

ہر اصل کے ساتھ نقل کا وجود ہے یہاں تک کہ اللہ کے مقابلے میں خدائی کے جھوٹے دعویدار موجود۔ انبیاءؑ کے مقابلے میں کذاب اور اولیاءؒ کے مقابلے میں نقال ہمیشہ رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابرکت حکومت نے جو جن و انس ہی کو نہیں بلکہ درند و پرند اور ہوا تک کو محیط تھی، جذبۂ نقالی کو ہوا دی اور کئی ایسے شوقین پیدا ہوئے جن کو جنات کی تسخیر کرنے کا خبط سمایا۔ شیاطین نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا اور بعض کفریہ کلمات لوگوں کو تعلیم کئے۔ جو کوئی ان الفاظ .... کو دُہراتا، امکانی حد تک شیاطین اس کی مدد کرتے تاکہ یہ کفر سازی قائم رہے۔

سحر کی اصل اور تاثیر

یہی سحر کی اصل بنی جو آج تک مروّج ہے اس کی اصل میں دو طرح کا کفر اور زندقہ پایا جاتا ہے یا تو الفاظ کفریہ ہوتے ہیں اور اگر الفاظ قرآنی ہوں گے تو لکھنے کا طریقہ غلط، مثلاً دمِ مسفوح سے لکھے جائیں گے نیز ساحر ہمیشہ گندے اور ناپاک رہنے کو ترجیح دیتے ہیں کہ شیطان اسی حال کو پسند کرتا ہے جس طرح سحر کرنے کے دو طریقے ہیں اسی طرح اُس کی تاثیرات بھی دو قسم کی ہیں ایک تو یہ کہ آدمی کی نظر یا قوّتِ متخیلہ متاثر ہو کر اس کے سامنے مختلف صُورتیں متشکل کر دیتی ہے واقعتاً ایسا نہیں ہوتا جیسے فرعونی ساحروں کے بارے میں ارشاد ہے سحروا اعین الناس اور یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعٰی کہ لوگوں کی آنکھوں پر جادُو کر دیا۔ یا ان کے سحر کے اثر سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال آتا کہ رسّیوں کے سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں۔ گویا واقعی کچھ نہ تھا۔ رسّیاں ویسی کی ویسی ہی تھیں مگر قوّتِ متخیلہ متاثر ہو کر سانپ سمجھنے لگ گئی اور دوسری تاثیر یہ کہ جادُو کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت ہی بدل جائے، جیسے انسان کو پتھر یا کسی جانور کے قالب میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس میں بات بہت طویل ہے کہ ایسا ممکن ہے یا نہیں۔ اکثر کے نزدیک قلبِ ماہیت محال ہے واللہ اعلم۔

غرضیکہ ان لوگوں یعنی بنی اسرائیل نے کُتبِ سماوی کو چھوڑ کر شیطانی تعلیمات کو اپنایا۔ یہاں تک کہ اللہ نے بابل کے مقام پر دو فرشتے نازل فرمائے کہ جو جادو اور کلام اللہ میں فرق بیان کریں اور جادو کی خرابی سے لوگوں کو مطلع کریں۔

اجمالاً تو جادُو کا غلط ہونا تعلیماتِ انبیاء نے واضح کر دیا تھا مگر جادو کی قسمیں اور باریکیاں اور اس کے مروّج الفاظ سے بحث انبیاءؑ کا منصب ہی نہ تھا اور فرشتے جو کارخانۂ تکوین میں ہر کام بجا لاتے ہیں۔ اللہ نے ان کو مقرر فرمایا کہ انبیاء صرف تشریعی امور بجا لاتے اور مظہرِ ہدایت ہوتے ہیں مثلاً حضور ﷺ نے یہ تو فرمایا کہ جوا حرام ہے اور اس کی وجہ بھی ارشاد ہوئی کہ نقصان یقینی اور نفع موہوم ہو تو یہ جوا ہوگا۔ مگر کس طرح، تاش کے پتوں پہ یا کسی اور چیز سے کھیلا جاتا ہے۔ ان جزئیات سے بحث کرنا گویا جوئے کے

مختلف طریقے بیان کرنا ہے جن کو سُن کر کوئی بد باطن جوا شروع کرسکتا ہے کہ طریقہ تو اس نے سُن ہی لیا۔ سو یہ بات نبی کی شان کے لائق نہیں۔ اسی طرح جادو کی جزئیات بیان کرنا بھی کسی نبی کو زیب نہیں دیتا تھا۔ اس لئے یہ کام اللہ نے فرشتوں سے لیا اور ہارُوت و مارُوت دو فرشتے نازل فرمائے۔ جن کے فرشتہ ہونے پر دلائل قائم کردیئے گئے جیسے نبی کی نبوت کے اثبات کے لئے معجزات، اور انھوں نے اپنا کام شروع کردیا کہ یہ علم نہ سلیمان علیہ السلام کا ہے اور نہ انبیاء کو زیب دیتا ہے یہ سب شیطانی جادو ہیں اور ان سے بچو۔ نیز جادُو کی جزئیات بھی بیان کیں کہ کیا کرنے سے کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے جو اشتباہ اور التباس معجزات اور شعبدہ میں پیدا ہوچلا تھا اُسے بھی ظاہر فرمایا کہ جادُو اور سحر کسی جن یا شیطین یا اسی طرح کی مخلوق کا عمل ہوتا ہے۔

معجزہ اور شعبدہ میں فرق

فرق یہ ہے کہ اس کا سبب عام نظر سے اوجھل ہوتا ہے مگر معجزہ اسباب سے بالاتر ہوتا ہے اور براہِ راست فعل باری۔ یہ بھی ایک لطیف بات ہے اور عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر۔ اس سے بھی آسان فرق ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ دین کی تائید، نبوت کے اثبات اور احکام الٰہی کے قیام کے لئے ہوتا ہے۔ برخلاف اس شعبدہ باز یا جادُوگر ہمیشہ اپنی عظمت منوانے کے لئے کوشاں رہتا ہے اسی طرح کرامت بھی وہی ہوگی جو احیائے دین کے لئے ظاہر ہو اور ایسی عجیب بات کا اظہار، جو محض اپنی ذات کا لوہا منوانے کے لئے ہو شعبدہ ہوگا۔ نیز ایک صاف پاک طیب و طاہر قول سے متعلق ہوگا جبکہ دوسرا قول و فعل کی قباحت پر استوار ہوگا۔

رحمتِ باری دیکھو کہ فرشتوں کو تعلیم پر مقرر فرمایا اور جب تک چاہا زمین پر رکھا مگر ان کی کج فہمی اور بدمزاجی ملاحظہ ہو کہ باوجود اس کے کہ وہ فرشتے جزئیاتِ سحر بیان کرنے سے پیشتر تاکید کرتے اور ہر فرد کو آگاہ کرتے جو بھی ان کے پاس جاتا اُسے کہتے کہ میاں یہ جادُو نرا کفر ہے اور ہمارا وجُود بھی تمھارے لئے ایک امتحان کی حیثیت رکھتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جادُو کی باریکیاں سیکھ کر جادُو ہی میں مبتلا ہوجاؤ۔ اور اسی طرح کافر بن جانا یعنی فلا تکفر۔ مگر یہ ایسی باتیں سیکھتے جن کے ذریعے سے مرد اور اس کی بیوی میں تفریق ہوسکے یعنی پرائی عورتوں کو پھانستے پھرتے اور وہی کاروبار یہُود اب تک یعنی آپ ﷺ کے عہد مبارک تک کرتے چلے آرہے ہیں۔ افسوس! آج یہ سارا کاروبار یہود سے بڑھ کر مسلمانوں میں بھی پھیل چکا ہے اور اکثریت کے ایمانوں کو ضائع کرتا چلا جارہا ہے۔ مگر ایک بات یاد رہے وما هو بضارين به من احد الا باذن الله کہ جادوگر جو چاہے کرے یہ ممکن نہیں اور نہ اس خوف میں مبتلاء ہونے کی ضرورت۔ یہ تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے مگر ہاں جب اللہ ہی اجازت دے دے۔ یعنی جب کسی سے حفاظتِ الٰہیہ ہی اُٹھ جائے تو اُسے تو یہ گیند بنا لیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا ایمان و عقیدہ درُست ہو اور اللہ کی اطاعت کرنے والا ہو تو اُس کو حفاظتِ الٰہی حاصل ہوتی

ہے اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

جیسے عاصم بن لبید یہودی نے حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا تو اللہ نے ساری حرکت سے حضور ﷺ کو مطلع فرما دیا اور کنگھی، بال اور کھجور وغیرہ نکال لی گئی یا وہ کنواں جس میں یہ پھینکی گئی تھیں صاف کر دیا گیا۔

جادو کی تاثیر

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کی تاثیر ہوتی ہے اور انبیاء بھی متاثر ہو سکتے ہیں جیسے بھوک یا پیاس وغیرہ امور طبعی سے متاثر ہوتے ہیں مگر ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا الٹا منہ کی کھاتا ہے۔ اسی طرح عاملوں کی ساری عمر کا عمل کامل کی ایک نگاہ سے زائل ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں جو بدنصیب خدا کو چھوڑ بیٹھتے ہیں ان پر حکومت جادوگروں ہی کی ہوتی ہے جیسے ہندو کہ کبھی پنڈتوں کے چکر سے نہیں نکل سکتے یا بدعتی اور گمراہ فرقے کہ ہمیشہ ٹونے ٹوٹکے والوں کے اسیر رہتے ہیں۔ یہ بدعتی ایسے علوم کی تحصیل میں عمریں کھپا دیتے ہیں جو اگرچہ وقتی طور پر عارضی فوائد، دنیا یا جاہ کا سبب تو ہیں مگر نتیجتاً ہمیشہ نقصان دہ اور ضرر رساں ہیں کہ ابدی ذلت میں مبتلا کرتے ہیں اور جن سے کسی بھی طرح کا حقیقی فائدہ نہیں۔

ولقد علموا یہ بات بھی خوب جانتے ہیں کہ جس کسی نے کتاب اللہ کی بجائے عمر تحصیل سحر کی نذر کر دی اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں، اور وہ ہمیشہ ذلت میں گرفتار ہوا اور کس قدر عظیم مصیبت ہے جو یہ اپنی جانوں کے لئے مول لے رہے ہیں یعنی محنت و مشقت اور طرح طرح کی چلہ کشیاں کر کے حاصل کیا ہوگا۔ جہنم کتنا گھاٹے کا سودا ہے کتنا ہی اچھا ہوتا کہ یہ اس بات کو سمجھ پاتے اور ٹونے ٹوٹکے اور جادو کی جگہ آپ کی مبارک تعلیمات کو اپنا کر ولو انھم امنوا یعنی آپ ﷺ کی تعلیمات کو قبول کرتے واتقوا اور ان پر عمل پیرا ہوتے نیکی اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کریم کے ہاں بہت بہتر بدلہ اور اجر پاتے۔ کاش ان میں اس قدر عقل ہوتی اور اتنا علم رکھتے کہ حق و باطل میں تمیز کر سکتے۔

یہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خلاف سنت زندگی گزارنے والا شخص بے علم اور بے وقوف بھی ہے خواہ فی زمانہ اسے دانشور ہی کا خطاب کیوں نہ ملا ہے ساری دانش ساری بینش کا خلاصہ اتباع نبوی ہے۔

رکوع نمبر ۱۳ آیات ۱۰۴ تا ۱۱۲ البقرۃ ۲ $\frac{1}{13}$ $\frac{1}{13}$

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقُولُواْ رَٰعِنَا وَقُولُواْ ٱنظُرْنَا وَٱسْمَعُواْۗ وَلِلْكَٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

اے اہل ایمان (گفتگو کے وقت پیغمبر خدا سے) راعنا کہا کرو۔ انظرنا کہا کرو اور خوب سن رکھو اور کافروں کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے ﴿١٠٤﴾

104. O ye who believe, say not (unto the Prophet): "Listen to us" but say "Look upon us,[16] and be ye listeners. For disbelievers is a painful doom.

105. Neither those who disbelieve among the People of the Scripture[17] nor the idolaters love that there should be sent down unto you any good thing from your Lord. But Allah chooseth for His mercy whom He will, and Allah is of infinite bounty.

106. Such of Our revelations as We abrogate or cause to be forgotten, we bring (in place) one better or the like thereof. Knowest thou not that Allah is Able to do all things?

107. Knowest thou not that it is Allah unto Whom belongeth the sovereignty of the heavens and earth; and ye have not, beside Allah, any friend or helper?

108. Or would ye question your messenger as Moses was questioned aforetime? He who chooseth disbelief instead of faith, verily he hath gone astray from a plain road.

109. Many of the People of the Scripture long to make you disbelievers after your belief, through envy on their own account, after the truth hath become manifest unto them. Forgive and be indulgent (toward them) until Allah give command. Lo! Allah is Able to do all things.

110. Establish worship, and pay the poor-due[18] and whatever of good ye send before (you) for your souls, ye will find it with Allah. Lo! Allah is Seer of what ye do.

111. And they say : None entereth Paradise unless he be a Jew or a Christian. These are their own desires. Say : Bring your proof (of what ye state) if ye are truthful.

112. Nay, but whosoever surrendereth his purpose to Allah while doing good, his reward is with his Lord; and there shall no fear come upon them neither shall they grieve.

جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب یا مشرک وہ اس بات کو
پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے
خیر (و برکت) نازل ہو اور خدا تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت
کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے (۱۰۵)
ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اسے فراموش کرا دیتے
ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں
کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر بات پر قادر ہے (۱۰۶)
تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت
خدا ہی کی ہے۔ اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست
اور مددگار نہیں (۱۰۷)
کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے اسی طرح کے
سوال کرو جس طرح کے سوال پہلے موسیٰ سے کئے
گئے تھے۔ اور جس شخص نے ایمان (چھوڑ کر اس) کے
بدلے کفر لیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا (۱۰۸)
بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے
ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر
بنا دیں۔ حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔
تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک
کہ خدا اپنا (دوسرا) حکم بھیجے۔ بیشک
خدا ہر بات پر قادر ہے (۱۰۹)
اور نماز ادا کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔
اور جو بھلائی اپنے لئے آگے بھیج رکھو گے
اس کو خدا کے ہاں پا لو گے۔ کچھ شک نہیں
کہ خدا تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے (۱۱۰)
اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور
عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا
یہ ان لوگوں کے خیالات باطل ہیں (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو
کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو (۱۱۱)
ہاں جو شخص خدا کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان
لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے
پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے
دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (۱۱۲)

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ
وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ
خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ
مَنْ يَشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾
مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ
مِنْهَآ أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾
أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ
دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾
أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ
كَمَا سُئِلَ مُوسٰى مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ
يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ
ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾
وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ
يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ
كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ
فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ
بِأَمْرِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾
وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ۗ
وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ
خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ إِنَّ
اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾
وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا
مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ تِلْكَ
أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ
إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١١١﴾
بَلٰى ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ فَلَهٗ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهٖ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

اسرار و معارف

فرمایا اُن کے ایمان لانے کی کیا اُمید، یہ ایسے بدباطن ہیں کہ عمداً بارگاہ نبوی میں گستاخی کرتے اور ایسے پوشیدہ طریقے سے کرتے ہیں کہ گستاخی بھی کرلیں اور پکڑے بھی نہ جائیں تو یہ لفظ محاورہ عرب کے لحاظ سے اگرچہ ادب کا تھا کہ ارشاد فرماتے ہوئے اگر کوئی لفظ کسی نے نہ سُنا تو عرض کرتا راعنا یعنی ہماری رعایت فرمایئے یا مراد کہ ہم پر شفقت فرمایئے۔ مگر یہود بے بہبود "ع" کی زیر کو کھینچ کر راعی پڑھتے جس سے مراد گڈریا یا چرواہا بنتا ہے تو گویا طنز مقصود ہوتا ہے کہ ہم تو فاضل ہیں اور آپ ﷺ معاذاللہ محض ایک چرواہے ہیں۔ یہی لفظ مومنین بھی عرض کرتے مگر ان کی مراد ہرگز یہ نہ ہوتی، وہ تو محاورتاً کرتے تھے مگر چونکہ یہود نے یہ لفظ توہین کے لیے چُن لیا تھا تو اللہ کریم نے اسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی لُغت سے ہی خارج فرما دیا کہ کبھی راعنا مت کہو۔

غالباً اسی وجہ سے سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اکفار الملحدین میں لکھا ہے کہ کوئی جملہ شانِ رسالت میں ایسا کہنا جس سے مراد توہین نہ ہو مگر سُننے والا سمجھے کہ اس نے توہین کی ہے تو قائل کافر ہو جائے گا۔ سو اس سے صحابہ کرامؓ کو اللہ نے بچا لیا۔ اور فرمایا کہ یہ لفظ ہی چھوڑ دو اور انظرنا کہا کرو جو عرفاً اس کے ہم معنی ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ اس کی بھی نوبت کیوں آئے واسمعوا غور سے سُنا کرو کہ معجزاتِ نبوی ﷺ میں یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کی آواز جہاں تک مجمع ہوتا برابر پہنچتی بغیر اس کے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کوشش فرماتے یا زیادہ اونچا بولتے بلکہ آپ ﷺ کی معتدل اور طبعی آواز جیسے پہلی صف والا آدمی سُنتا ایسے ہی دُور بیٹھنے والے تک پہنچتی تھی اگر بات رہ جاتی تو نقص سُننے والے کی طرف سے ہوتا سو یہ ہو ہی کیوں، پوری توجہ سے سُنو۔ ہے کفار، جو ایسی خباثتیں کرتے ہیں ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے جو آخرت کا تو ہے ہی یقینی۔ مگر دُنیا میں بھی یہود کی حالت بہت بُری ہوئی، جس کا مشاہدہ چشم عالم نے کیا۔

ما یود الذین کفروا .... سواء السبیل ○

اگر بات یہ ہے کہ کفار خواہ یہود و نصاریٰ، اہل کتاب میں سے ہوں، خواہ مشرکین میں سے یہ اپنے دل سے اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر اللہ کی طرف سے انعامات کا ظہور ہو۔ تو چونکہ یہ آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت سے تو آگاہ ہیں ہی یہ بات بھی کہ اللہ خالق باقی سب مخلوق ہے ساری مخلوق میں جس قدر حسن و جمال اور علوم و درجات تقسیم ہوئے سب سے زیادہ کا جامع محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اس میں بحث کی گنجائش کہاں ہے اللہ سب کو سمجھ عطا فرمائے! آمین۔

یہ تو آپ حضرات کو رحمتِ باری سے محروم کرنے کی تدبیر کرتے مگر اللہ بھی جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے مختص فرمالیتا ہے۔

"یعنی صحابہ کرام کو اللہ نے اپنی رحمت کے لئے چُن لیا تھا"

کہ اول مخاطب کلامِ باری کے وہی ہیں اور سب سے پہلے انہی کو آداب بارگاہ رسالت سے مطلع فرمایا جا رہا ہے تو اس طرح یہ آیت عدلِ صحابہؓ پہ بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے چُن لے جیسے آپ حضرات کو چُن لیا ہے اور یہود و مشرکین کے فریب پر مطلع فرما دیا ہے کہ وہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

اسی طرح یہ قبلہ کی تبدیلی پہ معترض ہیں کہ جی مذہب حقہ کیسے جسے کبھی بیت المقدس کی طرف منہ کرکے عبادت کرتے ہوئے پاتے ہیں اور پھر اچانک سمت بدل کر کعبہ کو قبلہ قرار دیتا ہے۔ اب پہلے والا ٹھیک تھا یا موجودہ؟ فرمایا یہ سب مسلمانوں کو بھٹکانے کی چالیں ہیں ورنہ اعتراض تو جب تھا کہ کوئی خبر یا اطلاع غلط ثابت ہوتی۔ اخبار میں تو نسخ ہے نہیں۔ اب رہے احکام تو بندہ اللہ تعالے کی اطاعت کا پابند ہے خُدا بندے کی صلاح یا مشورے کا پابند نہیں اللہ کی مرضی کسی شریعت میں دو نمازیں تھیں دوسری میں پانچ فرض کردیں۔ کسی کا قبلہ بیت المقدس تو کسی کا کعبہ تھا۔ مسلمانوں کو دونوں کی سعادت بخشی۔ سو جو کوئی جانتے ہیں کہ اگر کوئی ناسمجھی سے بھی توہینِ رسالت کا مرتکب ہوا تو انعاماتِ باری تو کجا ایمان بھی نہ بچا پائے گا اس لئے اس طرح کے الفاظ کے پھیر میں اُلجھانا چاہتے ہیں۔

یہ معاملہ اس قدر نازک اور آج کے لوگ اس قدر دلیر ہیں۔ کہ ہر بات پر موضوع بحث ہی ذات نبوی ﷺ ہے علمِ غیب کا مسئلہ، یا حاضر و ناظر کا سماع، موتیٰ کی بات ہو یا برزخ کے عذاب و ثواب کی بحث۔ آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات سے کی جائے گی جہاں ذرا بے ادبی ہوئی اور ایمان چلا گیا، کیا کافی نہیں کہ

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حکم منسوخ ہوتا ہے یا ذہنوں سے بھُلا دیا جاتا ہے تو اس کی جگہ اس جیسا یا اس سے بھی بہتر برکات کا حامل حکم بھیج دیا جاتا ہے یہ دونوں طریقے نسخ کے ہیں کہ یا تو حکم دے دیا جاتا ہے کہ فلاں آیت پر عمل نہ ہوگا اور تلاوت باقی رکھی جاتی یا تلاوت اور حکم دونوں منسوخ فرما دیئے جاتے یا تلاوت منسوخ حکم باقی۔ جیسے آیہ رجم، اور یا حکم دینے کی بجائے وہ آیت فراموش کرا دی اور صحابہ کرامؓ اور خود نبی اکرم ﷺ کو یاد نہ رہتی۔ ان میں سے کوئی بھی صورت ہو اس میں بندوں کی بھلائی ہی ہوتی ہے۔ اور زیادہ برکات کا نزول اور اے مخاطب! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ غالب ہے مغلوب نہیں اس کی اطاعت کی جائے گی۔ نہ یہ کہ انسان اس کے لئے قاعدے مقرر کرے۔ اے مخاطب! کیا نہیں سمجھتا کہ آسمانوں اور زمین کی حقیقی سلطنت اُسی کے لئے ہے اور

وہ اکیلا حاکم اور ساری کائنات محکوم ہے۔ خوب سُن لو، ایک وقت آرہا ہے جب حقائق بے نقاب ہوں گے تو تم اس کے مقابلے میں کسی کو نہ اپنا دوست پاؤ گے نہ مددگار۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ موسٰے علیہ السلام پر تو کتاب ایک ہی بار نازل ہوئی تھی تم بھی اپنے نبی ﷺ سے یہ سوال کرو تو کیا انھوں نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب فوراً مان لی تھی یا طرح طرح کے سوال کر کے عذاب الٰہی کو دعوت دی تھی اب تمھیں ترغیب دے رہے ہیں تو کیا تم موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے نبی ﷺ کو عبث سوالوں سے پریشان کرنا چاہتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہ ایمان نہ ہوگا بلکہ یہ راہ تو ایمان سے ہٹ کر کفر اختیار کرنے کی ہے۔ اور جس کسی نے ایمان چھوڑ کر کفر اپنایا۔ وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔

ودّ کثیر من اھل الکتاب .... بما تعملون بصیر۔

یہ ساری کوشش اہلِ کتاب کی اس وجہ سے ہے کہ تم سے حسد کرتے ہیں جلتے ہیں تم پر نزولِ رحمت کو برداشت نہیں کرپاتے حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ حق وہی ہے جس پر تم عمل پیرا ہو تو یہ حیلے تمھیں راہِ حق سے ہٹانے کے لیے کر رہے ہیں۔ جیسے آج بھی یہود کا رائج کردہ سُودی نظام۔ کہ سُود کھانے والے کا ایمان نہ بچ سکے گا یا مغرب سے نصاریٰ کے ممالک سے اشیاء جن میں اکثر خنزیر کی آمیزش کر دی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے منہ میں جائے گا تو ان کے ایمان ضرور خراب ہوں گے مگر افسوس کہ مسلمان بچوں کے دُودھ سے لے کر میّت کے کفن تک انہیں سے منگانا پسند کرتے ہیں۔

یہ سب حیلے تمھیں بھٹکانے کے لیے ہیں جن سے کمال رحمت فرماتے ہوئے اللہ نے تمھیں آگاہ کر دیا ہے تم درگزر کرو خیال میں نہ لاؤ حتٰے کہ اللہ کا حکم آجائے یا اللہ جہاد کا حکم دے کہ ہر چیز پہ قادر ہے ان کا افرادی قوت اور دولت و اسلحہ کا گھمنڈ خاک میں ملادے اور یہی ہوا کہ جب اللہ کی اجازت ملی تو یہود کا حشر عبرت کا سبق بن گیا اور یا پھر موت اور قیامِ قیامت ان کی ذلت کو عام کردے کہ اللہ تو ہر بات پہ قادر ہے۔ اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو یعنی فضول اُلجھنے کی بجائے عباداتِ الٰہی پہ کمربستہ ہو جاؤ۔

مناظرہ

اسی لیے عام مناظرہ ممنوع ہے ہاں اگر کوئی شخص تحصیل علم کی بنا پر سوال کرے تو درست۔ یا پھر ایسے شخص سے مناظرہ کرنا جو لوگوں کے عقائد خراب کر رہا ہو اُس آدمی کے لیے جائز ہے جو اس کو جواب دے کر لوگوں کے دین کی حفاظت کا سبب بنے ورنہ یہ کام محض شغلاً کرنے کا نہیں جتنا وقت یہاں برباد کرو گے اس کو اللہ کی یاد اور اطاعت

پر لگاؤ کہ ہر نیکی کو تم کل اللہ کے ہاں اپنے لیے محفوظ پاؤ گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ذاتی طور پر تمہارے تمام کو دیکھ رہا ہے کام کرتے وقت یہ دھیان رہے کہ اللہ کے سامنے کر رہا ہوں۔

وقالو لن یدخل الجنۃ .... ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

اور یہ کہتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ کے علاوہ کوئی جنت میں داخل نہ ہو گا گویا انھوں نے جنت میں داخلے کو قومیت پر منحصر کر دیا ہے کہ بس اہل کتاب کی فہرست میں یا یہود و نصاریٰ کی مردم شماری میں آ گئے تو جنت کے وارث قرار پائے۔ کیا مجال جو دوسرا وہاں دم مار سکے۔

یہی حال آج کے مسلمانوں کا ہے کہ نام دین محمد یا عبداللہ خان رکھ لو اور مسلمانوں کی مردم شماری میں آ جاؤ یا قومی مسلمان بن جاؤ۔ جنت کے مالک ہو جاؤ گے خواہ عقائد و اعمال کچھ بھی پلے نہ ہو مگر یہ بات سوائے ایک آرزو کے کچھ وزن نہیں رکھتی۔

ذرا ان سے کہئے کہ اس بات پہ کوئی سند تو لاؤ اور اپنی صداقت کی کوئی دلیل تو پیش کرو جو یہ ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ بات اس طرح ہے جنت قومیت یا نسل پر موقوف نہیں بلکہ جو کوئی بھی ہو اگر وہ سرِ تسلیم خم کر دے یعنی عقائد صحیحہ کو تسلیم کرے۔ وھو محسن اور صدق دل سے ان پر عمل پیرا ہو۔ احسان کی تعبیر احادیث میں یوں ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی ایسا اطمینان حاصل ہو اور دل کا ایسا ربط نصیب ہو جائے۔ یا کم از کم اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے یہ کم تر درجہ ہے۔ اس سے کم کی گنجائش نہیں۔ اسی کو اصطلاح صوفیہ میں نسبت کہا گیا ہے۔

جو کوئی عقائد و اعمال میں صمیم قلب سے کوشاں ہو اس کے لیے اللہ کے ہاں انعامات و برکات ہیں اور وہ شخص نہ آئندہ سے خوف زدہ ہو گا اور نہ گزشتہ پہ پشیمان .... کہ اس نے راہِ عمل ایسی اپنائی جو ہر طرح سے محفوظ ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اس کا دل بھی اس کے ساتھ ہو۔ محض رسمی کارروائی نہ ہو کہ اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں اور نہ صرف دعویٰ قومیت ہو۔ جو کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اور یہی بنیادی ضرورت ہے جو دل کو ذاکر کرنے اور ذکرِ قلبی پر مجبور کرتی ہے کہ دل جب تک خود زندہ نہ ہو، خود استعدادِ قبول نہ رکھتا ہو کب اعمال میں ساتھ دے گا اور یہی فیضِ صحبت ہے کہ علمِ نبوت نے عقائد و اعمال ارشاد فرمائے اور صحبت نبوی نے دلوں کو گرمایا اور درجۂ صحابیت پر فائز کر دیا۔

آج بھی اگر کوئی صاحبِ دل میسر آ جائے تو انسان کی دنیا بدل جاتی ہے ورنہ محض رسمی وعظ اور ضابطے کی کارروائی تو عام ہے جس کا اثر وقتی و عارضی ہوتا ہے مجلس ختم، اثر ختم عملی زندگی کو متاثر نہیں کر پاتا۔ پھر یہاں ایک مصیبت اور ہے کہ لوگ دو حصوں

میں بٹ گئے ہیں ایک وہ حضرات جنہوں نے تعلیم، تعلّم اور عبادات کو تو اپنایا مگر دلوں کی طرف توجہ نہ فرمائی اور اصلاحِ باطن سے صرفِ نظر کیا جس کا نتیجہ سامنے ہے کہ زبان قرآن و حدیث بیان کرتی ہے بدن رکوع و سجود میں لگا ہے مگر دل دُنیا میں اٹکا ہے جب ذرا سا لالچ یا خوف سامنے آیا فوراً رائے بدل لی اور مداہنت کی راہ اپنانا پڑی۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جنہوں نے یہ سمجھا کہ ہمارے دل میں درد موجود ہے ہم محبتِ الٰہی سے سرشار ہیں۔ اب اس کا فائدہ انھوں نے یہ اٹھایا کہ اعمال اپنی پسند کے شروع کر دیئے اور ان خرافات میں جا پھنسے جو خلافِ سُنّت اور محض رسومات تھیں، اُنہی کو دین سمجھ لیا تو یہ دونوں باتیں درست نہ ہوئیں بلکہ چاہیئے یہ تھا کہ من اسلم یعنی عقائد و اعمال اور اطاعت و فرمانبرداری کے طریقے وہی اپناتا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے تعلیم فرمائے۔

درجۂ احسان کیسے حاصل ہوتا ہے؟

اور اس کے ساتھ اس فیض کو حاصل کرتا ہے جو محض صُحبت سے حاصل ہے۔ تعلیم ارشاداتِ رسُول ﷺ سے تزکیہ صحبتِ رسُول ﷺ سے جس نے صحابہؓ کو صحابیت بخشی وہ تعلیمِ رسُول نہ تھی کہ وہ تو بحمدللہ ہم تک بھی پہنچی اور ہمیں بھی اس کے طفیل دین نصیب ہوا۔ وہ تو صحبتِ نبوی ﷺ تھی جس نے انھیں احسان بخشا دل کی زندگی عطا کی۔ درجہ صحابیت عطا فرمایا۔ تو اس کے لیئے اللہ کے ہاں بہت اعلیٰ انعامات ہیں اور وہ بے خوف و خطر ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کہ محض دعویٰ اسلام ہی کو کافی سمجھ لیا جائے اور پھر اس پر طرہ یہ کہ محض اسی دعویٰ کی بنیاد پر یہ امید بھی ہے کہ ہمیں دُنیا میں بھی کوئی دکھ نہ ہو اگر پریشانی آتی ہے تو اس کا سبب اسلام کو گردانتے ہیں حالانکہ مسلمانوں کی مصیبت کا اصلی سبب مسلمان ہوتے ہوئے ترکِ اسلام ہے کہ عملاً اسلام سے دُور چلے گئے اور سارا کام نرے دعوے سے لینا چاہا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے مادی وسائل اور افرادی قوت کی کمی کے باوجود بڑی طاقتوں کو اللہ کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ مگر وہ اس وقت حقیقی مسلمان تھے نرا دعویٰ نہ تھا جب عمل گیا صرف دعویٰ رہا تو تائیدِ باری نہ رہی اب بات صرف اسباب پر رہ گئی اگر اسباب میں کافر اس سے بڑھ کر ہے تو وہ یقیناً اسے تکلیف دے گا۔ یہی حال تجارت، مال و دولتِ دنیاوی کا ہے کہ کافر نے اس طرف بھی توجہ دی اور وہ آگے نکل گئے اگر ہماری طرح محض کسی عقیدے کا نام لے کر بیٹھ جاتے تو وہی ہوتا جو ہمارے ساتھ اب ہو رہا ہے۔ مسلمان اگر محنت کریں اور اسلامی اصولوں کے مطابق بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ناکام ہو۔ یہاں تو مصیبت یہ ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر یورپ کی اقتدا میں نکلے تو محنت کرنا ان سے بھی نہ سیکھا بلکہ صرف

بے حیائی، آخرت سے غفلت اور کفر در آمد کیا۔

الغرض محض نام یا قومیت کسی کام کی نہیں جب تک خلوص قلب اور عمل صالح ساتھ نہ ہو۔

رکوع نمبر ۱۴ آیات ۱۱۳ تا ۱۲۱ الٓمّٓ $\frac{1}{14}$

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى
عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ
الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ
الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی رستے پر نہیں اور عیسائی
کہتے ہیں کہ یہودی رستے پر نہیں۔ حالانکہ وہ کتاب (الٰہی)
پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بالکل انہیں کی سی بات وہ
لوگ کہتے ہیں جو (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک)
تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے
ہیں خدا قیامت کے دن اس کا ان میں فیصلہ
کر دے گا ﴿۱۱۳﴾

113. And the Jews say the Christians follow nothing (true), and the Christians say the Jews follow nothing (true); yet both are readers of the Scripture. Even thus speak those who know not. Allah will judge between them on the Day of Resurretion concerning that wherein they differ.

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ
اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى
فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ
اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ
فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا کی مسجدوں
میں خدا کے نام کا ذکر کئے جانے کو منع کرے اور ان
کی ویرانی میں ساعی ہو۔ ان لوگوں کو کچھ حق
نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے
ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں
بڑا عذاب ﴿۱۱۴﴾

114. And who doth greater wrong than he who forbiddeth the approach to the sanctuaries of Allah lest His name should be mentioned therein, and striveth for their ruin? As for such, it was never meant that they should enter them except in fear. Theirs in the world is ignominy and theirs in the Hereafter is an awful doom.

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ فَاَيْنَمَا
تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور مشرق اور مغرب سب خدا ہی کا ہے۔ تو جدھر
تم رخ کرو ادھر خدا کی ذات ہے۔ بیشک خدا
صاحب وسعت اور باخبر ہے ﴿۱۱۵﴾

115. Unto Allah belong the East and the West, and whithersoever ye turn, there is Allah's countenance. Lo! Allah is All-Embracing, All-Knowing.

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ
بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے
(نہیں) وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں ﴿۱۱۶﴾

116. And they say: Allah hath taken unto Himself a Son. Be He glorified! Nay, but whatsoever is in the heaven and the earth is His. All are subservient unto Him.

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا
قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

(وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جب
کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا
تو وہ ہو جاتا ہے ﴿۱۱۷﴾

117. The Originator of the heavens and the earth! When He decreeth a thing, He saith unto it only: Be! and it is.

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا
يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ
قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ
قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ

اور جو لوگ (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) وہ کہتے ہیں
کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی
نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی
انہی کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جو

118. And those who have no knowledge say: Why doth not Allah speak unto us, or some sign come unto us? Even thus, as they now speak, spake those (who were) before them. Their hearts are all alike. We have made clear the revelations

بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ
نَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ
الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾
وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا
النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ
اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ
اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ
جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ
اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ
حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾

لوگ صاحبِ یقین ہیں اُن کے سمجھانے کے لئے ہم نے نشانیاں بیان کردی ہیں ﴿١١٨﴾
(اے محمدؐ) ہم نے تم کو سچائی کے ساتھ خوشخبری سُنانے والا
اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہلِ دوزخ کے بارے
میں تم سے کچھ پُرسش نہیں ہوگی ﴿١١٩﴾
اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی
یہاں تک کہ اُن کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو (اُن سے)
کہہ دو کہ خدا کی ہدایت (یعنی دینِ اسلام) ہی ہدایت ہے اور
(اے پیغمبر) اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحیِ خدا) کے آجانے پر بھی
اُن کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو (عذابِ) خدا سے
(بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار ﴿١٢٠﴾
جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو
(ایسا) پڑھتے ہیں جیسا اُس کے پڑھنے کا حق ہے۔
یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ اور جو اس کو
نہیں مانتے وہ خسارہ پانے والے ہیں ﴿١٢١﴾

for people who are sure.

119. Lo! We have sent thee (O Muhammad) with the truth, a bringer of glad tidings and a warner. And thou wilt not be asked about the owners of hell-fire.

120. And the Jews will not be pleased with thee, nor will the Christians, till thou follow their creed. Say: Lo! the guidance of Allah (Himself) is Guidance. And if thou shouldst follow their desires after the knowledge which hath come unto thee, then wouldst thou have from Allah no protecting friend nor helper.

121. Those unto whom We have given the Scripture, who read it with the right reading, those believe in it. And whoso disbelieveth in it, those are they who are the losers.

اسرار و معارف

اب ان کا حال دیکھئے کہ یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا مذہب کوئی بنیاد ہی نہیں رکھتا۔ انجیل کے کتاب اللہ ہونے اور عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا دیکھا دیکھی نصاریٰ نے دینِ موسوی اور تورات کا انکار کردیا اور لگے کہنے یہ بے بنیاد نظریات ہیں حالانکہ دونوں اہلِ کتاب ہیں اور آسمانی کُتب بنیادی عقائد کی یکساں تبلیغ کرتی ہیں اور توحید و رسالت آخرت حشر و نشر کے حقائق یکساں بیان کرتی اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں تو اس طرح ان دونوں گروہوں نے گویا خود اپنی کتاب کا بھی انکار کردیا۔ اور اُنہی کی طرح جہلاء اور مشرکین کو بھی کتبِ الٰہیہ کے انکار کا موقع مل گیا اور اُنھوں نے دونوں کا انکار کردیا۔ اپنی بڑ ہانکنے لگے کہ جی اصل مذہب تو یہی بُت پرستی ہے۔

بعثتِ خاتم النبیین ﷺ نے عقلی اور نقلی دلائل سے تو ہر طرح حق و باطل میں تمیز کردی ہے اور اس کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ نئی کتاب۔ اب تو ایک ہی بات ہے کہ روزِ قیامت اللہ جل شانہٗ عملاً ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں گے اور ان کے اختلافات حل ہوجائیں گے دنیا میں یہ حق پرستی کے جھوٹے مدعی یہ تک نہیں سوچتے کہ انھوں نے اللہ کے گھروں

کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ .... ان اللہ واسع علیم۔

اِن سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا کہ بُت پرستوں نے خود نبی کریم ﷺ پہ بیت اللہ کا داخلہ روک دیا جب تک ان کا بس چلا وہ رکاوٹ بنے رہے ان یہود و نصاریٰ کے اسلاف کو دیکھو جس کو دُوسرے پر داؤ چلا، چڑھ دوڑا اور معبد و مساجد حتیٰ کہ بیت المقدس تک کو برباد کرنے اور اُس کی توہین کرنے سے باز نہ رہے اور اب جبکہ اسلام دینِ حق ہے نہ صرف مساجد ان کے سجدوں سے خالی ہیں بلکہ یہ طرح طرح کے اعتراضات اور بے جا شبہات پیدا کر کے اُن کو بھی راہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں جو مسجدوں کی آبادی کا سبب بنے ہوئے ہیں اور مساجد کی عظمتِ خود اس بات کی متقضی ہے کہ جو شخص ان میں داخل ہو وہ اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر جانے اور اس عظمت وہیبت الٰہیہ طاری ہو۔ وہ لرزاں و ترساں ادب احترام سے حاضر ہو۔ جہاں تک مساجد کے ادب کا تعلق ہے تو دنیا کی تمام مساجد اس لحاظ سے مساوی ہیں اور کسی بھی مسجد کی بے حُرمتی ایسا ہی ظلم ہے، جیسے بیت اللہ یا مسجد نبوی ﷺ یا بیت المقدس کی۔ اگرچہ ان تینوں مساجد کی عظمت اور خاص بزرگی اپنی جگہ مسلّم۔

بیت اللہ میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کا ثواب پاتی ہے اور مسجد نبوی اور بیت المقدس میں پچاس ہزار کا۔ نیز مسجد کی ویرانی کے یا وہاں پر نماز و ذکر سے روکنے کے جتنے بھی طریقے ہیں سب ناجائز اور حرام ہیں جن میں سے کسی کو منع کرنا تو ایک ظاہر ہے۔ کبھی وہاں شور و غل کر کے یا پڑوس میں زور زور سے ریڈیو بجا کر لوگوں کی نمازوں میں خلل ڈالنا بلکہ اوقاتِ نماز میں یا جب لوگ نوافل یا ذکر وغیرہ میں لگے ہوں تو بلند آواز میں تلاوت کرنا یا ذکر جہر بھی ممنوع ہے ہاں اگر عام نمازی نہ ہوں تو اور بات ہے۔

اسی طرح مسجد کی ویرانی کی جس قدر صُورتیں ہیں سب ممنوع ہے صرف یہ کہ انہیں ڈھایا نہ جائے بلکہ کوئی ایسی صورت یا ایسا جھگڑا جو نمازیوں کو وہاں آنے سے روک دے یہی حکم رکھے گا نیز ان لوگوں کے لیے یہاں بہت بڑی تنبیہہ ہے جنہوں نے مساجد میں حاضری ہی چھوڑ دی ہے اگرچہ دُوسرے لوگوں کو روک نہ رہے ہوں تو بھی خود حاضر نہ ہونا ویرانی ہی کا سبب ہے اور اللہ نے یہاں کفار کے اس دعویٰ کا جواب دیا ہے جو وہ اپنے جنّتی ہونے پر قائم کرتے تھے کہ تمہیں مساجد میں تو قدم رکھنے نہیں دیتا جنت میں ضرور تمہاری ہی دعوت کا منتظر ہوگا؟

یہاں حال یہ ہے کہ کسی سے نماز کا کہو تو کہتا ہے جی! اللہ اپنے فضل سے ہی بخشے گا ہم نے نمازی بھی دیکھ رکھے ہیں، بھئی! نمازی اور بے نمازی میں ایک فرق تو ظاہر ہے کہ وہ پانچ وقت اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوتا ہے اور دوسرے کو اللہ اپنے

در پر نہیں آنے دیتا تو یہی اللہ کا فضل ہے کہ جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو توفیقِ اطاعت ارزاں فرما دیتا ہے ورنہ نافرمان ایک تو خود اطاعت نہ کر کے ظلم کر رہا ہے دوسرے وہ کسی نہ کسی وجہ سے مساجد کی ویرانی کا سبب بھی بن رہا ہے ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے دُنیا میں اگر اُسے مال و دولت یا اولاد مل بھی تو اس کی پریشانیاں بڑھائے گی اور اس کے لئے یہ بھی مصیبت بن کر رہے گی اور نہ ملی بھی تو اس طرح اُخروی عذاب میں گرفتار ہوگا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ .... واللّٰہ واسعٌ علیم۔ ۱۱۵

یہ جو انھیں بات مِل گئی ہے کہ جی پہلے تو مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبے کی طرف کیوں پھر گئے کہ ابتداءً قبلہ بیت المقدس ہی تھا تقریباً سولہ ماہ مدنی زندگی میں ایسا ہی رہا حتےٰ کہ اللہ نے استقبال کعبہ کا حکم نازل فرمایا تو یہود و نصاریٰ نے اس بات کو بہت ہوا دی کہ جی اگر نبی ہوتے تو شروع سے ایک قبلہ کیوں نہ مقرر کر لیتے۔ اب ان کی وہ نمازیں کیا ہوئیں، جو بیت المقدس کو رُخ کر کے ادا کیں۔ تو اللہ نے فرمایا یہ تو کمال اطاعت ہے کہ مسلمان نہ تو بیت المقدس کے پجاری ہیں نہ کعبہ کے۔ بلکہ یہ تو اللہ کے اطاعت گزار ہیں۔ بیت المقدس قبلہ مقرر فرمایا تو اُدھر سجدہ ریز، اور کعبۃ اللہ کی طرف حکم دیا تو اُدھر حاضر۔ اور خود اللہ تعالےٰ تو تمام سمتوں کو محیط ہے وہ کسی خاص سمت یا مکان میں مقید نہیں بلکہ ہر سمت اور ہر مقام پر اس کا ظہور یکساں ہے۔ اور ہر جگہ موجود۔ ہاں وہ علیم ہے اور کئی حکمتوں کی وجہ سے کسی خاص سمت کی تعیین کی جاتی ہے مثلاً ایک سمت کی تعیین نے پُورے عالمِ اسلام میں ایک گونہ تنظیم پیدا فرما دی۔ برخلاف اس کے کہ ایک جگہ چند نمازی جمع ہوتے تو ہر ایک کا منہ دوسری طرف ہوتا اور ایک افتراق کی شکل سامنے آتی اور اسی طرح کی اور بے شمار حکمتیں جنہیں اللہ بہتر جانتا ہے ورنہ تو اگر نمازی کو سمت معلوم نہ ہو اور تاریکی وغیرہ سے سمجھ نہ آتی ہو کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو اپنے اندازے سے نماز پڑھے وُہی سمت قبلہ ہو گی خواہ بعد میں پتہ بھی چل جائے کہ غلط سمت کو پڑھ لی پھر بھی نماز ادا ہو جائے گی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں اسی طرح فقہ میں جزئیات دیکھی جا سکتی ہیں جن سے استقبالِ قبلہ کے حکم شرعی کی حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے۔

وقالوا اتخذ اللّٰہ ولداً .... کن فیکون۔ ۱۱۷

ذرا ان کی دیانتداری ملاحظہ ہو کہ جن کتابوں کو یہ مانتے ہیں ان پر کس طرح اپنے ایجاد کردہ عقائد مسلط کر رکھے ہیں جیسے ہر کتاب نے تنزیہ باری بیان کیا ہے مگر یہ دونوں گروہ مدعی ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے یہود نے کہا عزیز ابن اللہ اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا حالانکہ اللہ تمام احتیاجات سے بالاتر ہے اور کوئی اس کا کسی طرح ہمسر نہیں جبکہ

صاحبِ اولاد خود بہت سی احتیاجات میں مبتلا ہوتا ہے اور اولاد ایک ایسا سلسلہ ہے جو بے شمار قسم کے افکار میں جکڑ لیتا ہے جس کے لیے بیوی کی ضرورت، رشتہ داروں کی ضرورت، خانہ داری کی محتاجی اور خود بقائے نسل کی احتیاج موجود ہے حالانکہ اس کی ذات ان سب سے بالاتر ہے۔

پھر اولاد والد کے اوصاف لے کر آتی ہے انسان کا بچہ انسان اور حیوان کا بچہ حیوان بلکہ بھینس کا بچہ گائے نہیں ہو گا۔ اور نہ گائے بھینس جنے گی حتیٰ کہ درخت کا ننھا پودا اپنی قسم کے بڑے درخت کی خصوصیات، پتے، رنگ اور ذائقہ وغیرہ رکھتا ہو گا تو لامحالہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو خدائی اوصاف رکھتی۔ پھر وہ پاک اور لاشریک نہ رہتا۔ یہ تو کئی خدا بن جاتے۔ چھوٹے سہی اختیارات میں کم سہی مگر ہوتے تو خدا ہی۔ حالانکہ ان کی کتابوں نے بھی اس کی تقدیس بیان کی ہے بلکہ جملہ کتب نے اعلان کیا ہے کہ اس کی ذات کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اُسی کی ملکیت ہے اور سب کچھ اور ہر کوئی اور ہر شے اس کے آگے دست بستہ حاضر ہے کسی کو رکھے یا مٹا دے کسی میں مجالِ دم زدن نہیں ہر شے اس نے نئے سرے سے پیدا کی ہے۔ وہ تھا، اور کچھ نہیں تھا۔ ارض و سما اُس نے پیدا فرمائے۔ اس کی قدرت کامل اس کا اختیار غیر محدود۔ اور اس کا حکم سب پر جاری ہے۔ اُس کی ذات قدیم، ازلی اور ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات قدیم، ازلی اور ابدی ہیں اس کا علم جامع حضوری ہے اور زمانوں کی قید سے بالاتر۔ ماضی ہو یا مستقبل اُس کے سامنے سب حاضر۔ بلکہ وہ ایسا قادر ہے جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو وہ اسی کام کو کہتا ہے ہو جا! اور وہ ہو جاتا ہے یعنی سب کچھ اس کے سامنے اس کے علم میں موجود اور حاضر ہے جو ہو چکا ہے جو ہو رہا ہے جو ہونے والا ہے مخلوق کے لیے غیر موجود ہے مگر اس کے سامنے حاضر۔ وہ اُسی کو حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتا ہے۔

عقیدہ بداء کی تردید

یہاں عقیدہ بداء کی تردید ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے خدا کی طرف ایسا بہتان منسوب کیا وہ ان متذکرہ فرقوں سے کسی طرح کم نہ رہے اور انھوں نے یہ جانا کہ معاذاللہ، اللہ کا حکم نامکمل ہے جب کچھ ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ سامنے ہوتا ہے تب اللہ کو پتہ چلتا ہے کہ کیا ہو گیا۔ تو کیا کسی ایسی ہستی کو احتیاج سے پاک کہا جا سکتا ہے۔ جو کرنا تو درکنار، جاننے میں بھی محتاج ہو۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

یہ اس قدر گمراہی صرف اس لیے اپنانا پڑی کہ اس کے بغیر عظمتِ صحابہؓ کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ تورات و انجیل میں ان کی تعریف کی گئی پھر مسلسل تیئس برس قرآن کریم نازل ہوتا رہا جس نے ہر پہلو سے اُن کو مثالی بندے قرار دیا اور رضائے الٰہی کے مظہر اور واجب الاتباع بتایا تو یار لوگوں کو ان چیزوں سے انکار کرنے کے لیے عقیدہ بداء کی ضرورت پڑی کہ پہلے

تو ایسے ہی تھے مگر جب حضور نبی کریم ﷺ نے سفرِ آخرت فرمایا تو یہ بدل گئے اب وحی تو باقی نہیں اور اللہ کو بدل ہو گیا تھا ان کے اس وقت کے احوال سے آہ بیچارہ اللہ۔ ایسے بے بس اور مجبور کو اللہ ماننے کی کیا ضرورت؟

تو یہ سب کیا ہے اقرار کے پردے میں کتاب اللہ کا انکار ہے ورنہ ان کی پہلی کتابوں نے اللہ کے محتاج ہونے کا انکار کیا ہے جو بنیاد ہے ایمان کی، اس کے ساتھ ذرا اُن کا سلوک دیکھئے یہ حال تو اہل کتاب کا ہے۔ رہے جہلاء تو وہ ان سے بھی آگے نکل گئے۔

وقال الذین لا یعلمون .... لقوم یوقنون - ۱۱۸

وہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہم پر کوئی نشانی اور دلیل نازل کیوں نہیں فرماتا۔ یہ جاہل اتنا نہیں جانتے کہ اگر دنیا میں سب انسانوں کو مکالمۂ باری نصیب ہو تو میاں! امتحان کیسا؟ اور کہاں کا ابتلاء۔ پھر سب اسی کے ہو رہیں اور کوئی اس کے در سے اُٹھے ہی نہیں۔

دنیا میں یہ دولت صرف انبیاء کو نصیب ہوتی ہے اور وہبی طور پر ملتی ہے کہ کوئی انسان عبادت و ریاضت سے اُس درجہ کو پا ہی نہیں سکتا۔ اور آخرت میں جس قدر انعامات اور نعمتیں رکھی ہیں ان سب سے اعلیٰ دیدارِ باری اور کلامِ باری ہی تو ہے۔ ارے بے وقوفو! جنت تو جنت ہے میدانِ حشر میں عظمتِ باری دیکھ کر ہر کافر پکار اُٹھے گا۔ اے اللہ! ایک بار زندگی دُنیا کی لوٹا دے اور پھر دیکھنا ہم کس قدر اطاعت کرتے ہیں۔

اگر یہ سب چیزیں ہر ایک پہ اب ہیں ظاہر ہو جائے تو پھر امتحان اور آزمائش چہ معنی دارد۔ یہ اپنے کو انبیاء کا ہم پلّہ جانتے ہیں ایسے ہی جاہلانہ اقوال ان سے پہلے کفار بھی کہا کرتے تھے اور عجب بات ہے کہ آج بھی جن اعتراضات کو جدید سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے ان کی چھان پھٹک کی جائے تو بات وہی ملتی ہے جو صدیوں سے کفار دُہراتے چلے آرہے ہیں ان کی وجہ تشابہت قلوبہم ہے ان کے دلوں نے کفر اور بدکاری کی وجہ سے پہلے کافروں سے مشابہت پیدا کر لی ہے اس لئے انہی جیسی باتیں بھی ان کے دلوں سے نکلتی ہیں۔ جب کوئی بدی کی راہ اپناتا ہے تو اُسے شیطان سے ایک تعلق پیدا ہوتا ہے۔

نسبت کے کرشمے

پھر اس کو جوں جوں بڑھاتا ہے تو نوبت کفر تک پہنچتی ہے پھر کفر کے مدارج ہیں تو جس طرح کی نسبت کفر یہ پاتا ہے اس طرح کا جو کافر پہلے گزرا ہے اس جیسی باتیں دُہراتا ہے اور ایک راز یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ مبارک کلمہ پر ایک خاص برکت اور رحمت متوجہ ہوتی ہے اسی طرح بڑے کافروں کے کفریہ الفاظ پر ایک خاص

درجہ کا غضب بھی بھڑکتا ہے تو شیطان کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ کفار کے منہ سے وہ الفاظ کہلوائے جو بڑے بڑے کافروں نے کہے تھے تاکہ اس درجہ کے غضبِ الٰہی کا شکار ہوں۔ اسی طرح جو شخص نیکی کی طرف گامزن ہوتا ہے اسے نیک لوگوں سے ایک خصوصی تعلق نصیب ہوتا ہے۔ جس کے درجے بھی مختلف ہیں فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ اسی راہ کی منازل ہیں جنہیں فنا فی الرسول نصیب ہوتا ہے ان کے قلب کا ایک ربط رسول اللہ ﷺ سے پیدا ہو جاتا ہے اور ان کے منہ سے وہ باتیں جاری ہوتی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی تھیں۔ وہ مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس شعر کا مصداق بنتے ہیں

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات اُن کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی
میرا فقط ہاتھ چل رہا ہے اُنہی کا مطلب نکل رہا ہے
انہی کا مضمون، انہی کا کاغذ، قلم اُنہی کا، دوات اُن کی

یہ اس لیے کہ تشابہت قلوبھم ان کے دل مشابہت پیدا کر لیتے ہیں۔ کفار کے اعتراضات اس وجہ سے نہیں کہ حق بیان کرنے میں کوئی کسر ہے بلکہ اس کی وجہ پہلے کفار سے ان کی باطنی نسبت ہے ورنہ تو ہم نے قد بینّا الآیات ظاہر و باہر دلائل ارشاد فرمائے ہیں اور رسالتِ محمدیہ ﷺ اور حقانیت کتاب اللہ پر نہایت واضح دلیلیں موجود ہیں۔ مگر یہ ان لوگوں کو مفید ہے جو یقین و اطمینان کے طالب ہیں۔ معترضین کو کیا حاصل؟ کچھ حاصل کرنے کیلئے طالب ہونا ضروری۔ اعتراضات سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

انا ارسلنٰک بالحق .... اصحٰب الجحیم۔

ہم نے تو آپ ﷺ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور احقاقِ حق کے واضح دلائل قائم فرما دیئے ہیں۔ اہلِ کتاب کے لئے پہلے سے ان کی کُتب میں اور مشرکین کے لئے آپ ﷺ کی سیرت، آپ کی صورت، آپ کے معجزات، آپ کی تعلیمات اور آپ کی پیشگوئیاں یہ سب اہلِ یقین کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اب آپ ﷺ کا کام ماننے والوں کو بشارت و خوشخبری دینا اور منکرین و معاندین کو انکار کے وبال سے آگاہ کرنا اور اس راہ کے خطرناک انجام یعنی دوزخ سے ڈرانا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی اس راہ پر چلتا ہے تو آپ کیوں ملول خاطر ہوتے ہیں۔

سُبحان اللہ ! کیا کرم ہے اللہ کا رسُول ﷺ کا فر کی ذات سے متنفر ہونے کی بجائے مبتلائے کفر دیکھ کر اُس کا دُکھ محسوس فرماتا ہے کہ آخر اللہ کا بندہ تو ہے بیچارہ بھٹک گیا ہے اور ہمیشہ دوزخ میں جلے گا تو مومنین کے ساتھ کس قدر شفیق ہو گا اللہ ! اللہ ! فرمایا آپ کوئی اہلِ دوزخ کے متعلق جوابدہ تھوڑے ہی ہیں. اگر کوئی اپنی مرضی سے وہ اختیار کرتا ہے تو کرکے دیکھ لے۔

ولن ترضیٰ .... ولا نصیر۔

کفار کے ساتھ مراسم

یہ یہود و نصاریٰ اور ان کے ساتھ اتفاق و اتحاد، تو یہ لوگ تب تک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے دین اور ان کی رسُومات کے تابع نہ ہو جائیں جو محال ہے تو پھر ان کا خوش رہنا بھی محال ہے یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں کے گہرے مراسم گمراہ فرقوں سے استوار ہیں. ان میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں وہ گمراہی موجود ہے ورنہ حق اور باطل کا یکجا ہونا ممکن نہیں، ہاں دُنیا کے امور میں مثلاً تجارت، ملازمت یا اس طرح کی باتیں یہ تو ہو سکتی ہیں مگر ایک دوسرے کی دعوتوں میں شرکت آپس میں دلی محبت تب ہی ہو گی جب کوئی وصف مُشترک ہو گا۔

تو سیدھی بات تو یہ ہے کہ اگر ان کی طرف سے کوئی ارادہ کسی طرح ظاہر بھی ہو تو کہہ دیا جائے کہ صحیح اور درُست راہ وہ ہے جو اللہ نے ارشاد فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اے مخاطب ! اگر تو علم قطعی اور وحی آجانے کے بعد بھی ان کی خرافات کو اپنائے تو پھر تجھے کوئی دوست یا مددگار اللہ کے سامنے نہیں ملے گا نیز اس کے مقابلے میں کسی کی بات کو کوئی وقعت نہ دی جائے. یہ تو اس حکم کی عظمت کا اظہار ہے کہ جب خطاب رسُول اللہ ﷺ سے ہے تو آپ ﷺ سے تو اس کا سرزد ہونا محال اور اس پر غضب کا وارد ہونا کیا. مگر یوں سمجھ لو کہ جب دُنیا میں کوئی آپ ﷺ جیسا نہیں تو پھر جو کوئی بھی کفار سے دوستی کی خاطر اُن کی رسُوم کو اپنائے گا اور ان کے کُفر کی ترویج کے لیے چندے دے کر انھیں خوش کرے گا پھر اللہ کی گرفت کے وقت انھیں پکار کر دیکھ لے گا کہ کس قدر کام آتے ہیں یاد رہے یہ ذاتی تعلقات کی بات ہو رہی ہے حکومت کی نہیں. حاکم پر بحیثیت رعایا ہونے کے سب کے حقوق ہوتے ہیں اُسے کفار کے حقوق کی نگہداشت کرنی چاہیے۔

الذین اٰتینٰھم الکتاب .... ھم الخٰسرون۔

ہاں ان میں جو لوگ اس کتاب کو جو انھیں عطا ہوئی اس طرح پڑھتے ہیں کہ بجائے اس میں ترامیم کرنے کے اس سے راہنمائی حاصل کریں. حق تلاوۃ یعنی فہم سلیم سے حق و انصاف سے یہ تلاش کرتے ہیں کہ اللہ کی کتاب ہمیں کن امُور سے منع فرماتی ہے اور کن امُور کو اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے تو اُن کو ہدایت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور وہ آپ ﷺ پر اور اللہ کی آخری کتاب پر بھی

ایمان لے آتے ہیں۔ تلاوتِ کتاب کا طریقہ بھی یہ ہے کہ برکت حاصل کرنے اور دل کو منور کرنے کے لئے اس کے معانی پر غور کرے اور دل و جان سے اس کے احکام اپنائے۔ اگر محض اعتراضات کے لئے اور کج بحثی کے لئے پڑھتا بھی رہے تو گویا ہوگا انکار کرے گا۔ اور اس پر یقین نہ رکھے گا۔ تو ایسا کرنے والا کسی کا کچھ نہ بگاڑے گا بلکہ اپنی تباہی کا سبب بنے گا۔ اور خود کو ایمان کے اعلےٰ انعامات سے محروم کرکے ابدی نقصان میں مبتلا ہوگا۔

رکوع نمبر ۱۵ آیات ۱۲۲ تا ۱۲۹ الٓمّٓ ١/١٥

يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور یہ کہ میں نے تم کو اہلِ عالم پر فضیلت بخشی ﴿۱۲۲﴾

122. O Children of Israel! Remember My favour wherewith I favoured you and how I preferred you to (all) creatures.

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـــًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اُس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئے اور نہ اُس سے بدلہ قبول کیا جائے اور نہ اُس کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ دے اور لوگوں کو (کسی اور طرح کی) مدد مل سکے ﴿۱۲۳﴾

123. And guard (yourselves) against a day when no soul will in aught avail another, nor will compensation be accepted from it, nor will intercession be of use to it; nor will they be helped.

وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ‌ؕ قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا‌ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ‌ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ اُن میں پورے اترے۔ خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو) خدا نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کیلئے نہیں ہوا کرتا ﴿۱۲۴﴾

124. And (remember) when his Lord tried Abraham with (His) commands, and he fulfilled them, He said: Lo! I have appointed thee a leader for mankind. (Abraham) said: And of my offspring (will there be leaders)? He said: My covenant includeth not wrongdoers.

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى‌ ؕ وَعَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾

اور جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اُس کو نماز کی جگہ بنا لو اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کیلئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو ﴿۱۲۵﴾

125. And when We made the House (at Mecca) a resort for mankind and a sanctuary (saying): Take as your place of worship the place where Abraham stood (to pray). And We imposed a duty upon Abraham and Ishmael, (saying): Purify My House for those who go around and those who meditate therein and those who bow down and prostrate themselves (in worship).

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ

اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے پروردگار اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اسکے رہنے والوں میں سے جو خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں انکے کھانے کو میوے عطا فرما۔ تو خدا نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اسکو بھی کسی قدر متمتع کرونگا مگر پھر اسکو عذابِ دوزخ کے (بھگتنے کے)

126. And when Abraham prayed: My Lord! Make this a region of security and bestow upon its people fruits, such of them as believe in Allah and the Last Day, He answered: As for him who disbelieveth, I shall leave him in contentment for a while,

إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾
وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ
وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ
إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ ع ۱۵

لئے ناچار کردوں گا اور وہ بُری جگہ ہے (۱۲۶)
اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی
کر رہے تھے تو دُعا کئے جاتے تھے کہ اے پروردگار ہم سے
یہ خدمت قبول فرما بیشک تُو سننے والا (اور) جاننے والا ہے (۱۲۷)
اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو۔ اور
ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رہیو
اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم
کے ساتھ) توجہ فرما بیشک تُو توجہ فرمانے والا مہربان ہے (۱۲۸)
اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے
ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ
پڑھ کر سُنایا کرے۔ اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے
اور اُن کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے بیشک تُو
غالب (اور) صاحب حکمت ہے (۱۲۹) ۳۲

then I shall compel him to the doom of fire—a hapless journey's end!

127. And when Abraham and Ishmael were raising the foundations of the House, (Abraham prayed): Our Lord! Accept from us (this duty). Lo! Thou, only Thou, art the Hearer, the Knower.

128. Our Lord! And make us submissive unto Thee and of our seed a nation submissive unto Thee, and show us our ways of worship and relent toward us. Lo! Thou, only Thou, art the Relenting, the Merciful.

129. Our Lord! And raise up in their midst a messenger from among them who shall recite unto them Thy revelations, and shall instruct them in the Scripture and in wisdom and shall make them grow. Lo! Thou, only Thou, art the Mighty, Wise.

اسرار و معارف

ہر طرح کے عقلی، نقلی اور اعجازی جواب ارشاد فرما کر جب سب طرف سے عاجز کر دیا اور حضور ﷺ کی حقانیت واضح ہو گئی تو پھر خطاب براہِ راست بنی اسرائیل کو ہُوا کہ اے اولادِ یعقوب علیہ السلام! میرے احسانات و انعامات جو میں نے تم پر کئے یاد کرو، یہ میرا ہی احسان تھا کہ تمھیں تمھارے دَور کی پوری دنیا پہ فضیلت عطا کی۔

بنی اسرائیل کے ساتھ بات اس قدر طویل ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں بھی ایک عالم میں یہی لوگ سربراہ تھے بلکہ مذاہبِ عالم پر چھائے ہوئے تھے اور خود مشرکینِ عرب بھی اپنی مشکلات میں ان کی طرف رجُوع کرتے۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے سوال کرنے کے لئے مدینہ آتے اور علماء یہود سے پوچھ کر مکہ جا کر سوالات کیا کرتے یعنی ان کی مذہبی بڑائی مسلم تھی۔ پھر دنیا میں بہت بڑی بڑی حکومتیں پہلے بھی رہی تھیں اور اس وقت بھی موجود تھیں۔

جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو کم از کم سارے عرب کی نگاہ اس بات پر تھی کہ دیکھیں علماء بنی اسرائیل آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں؟ ان کا گمانِ فاسد یہ ہوگا کہ یہ فاضل لوگ ہیں معاذ اللہ۔ حضور ﷺ کو عاجز کر دیں گے۔ پھر

پوری دُنیا پہ اس دَور میں بھی اور ہمیشہ کے لیے بھی قرآنِ کریم کے مضامین ہی سند کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے بھی یہ بات ذرا مفصل ہو گئی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ انسان جو ذرا بھی عقل رکھتا ہے جب دل سے جاننا چاہے تو جان لے کہ حق کیا ہے۔ نیز جب اہلِ کتاب پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ ﷺ کو ماننا ہی دین ہے۔ تو جو ادیانِ باطلہ آسمانی کتاب ہی نہیں رکھتے ان پر تو بدرجہ اَولیٰ ثابت ہو گئی ہر طرح سے آپ ﷺ کی رسالت ثابت فرما کر فرمایا کہ اصل شے تو یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ حقدار ہے عبادت کا وہ ہے ہی ایسا کہ اس کی عبادت کی جائے۔

عبادت کے درجے

لیکن اگر کوئی اتنی ہمت نہ رکھتا ہو تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ کم از کم اس کے احسانات پر تو نگاہ کرے۔ کس قدر انعامات ہیں جو اُس نے مخلوق کے ایک ایک فرد پر کیے ہیں اور تم پر انفرادی کیا اور بحیثیت قوم کیا کس قدر عظیم احسانات فرمائے تمھیں اقوامِ عالم کا سردار بنایا۔ تمھاری قوم میں نسلاً بعد نسلٍ حکومت اور نبوت کو جمع فرمایا اور تمھیں ظاہراً باطنی سربلندیاں عطا کیں۔ اور پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا ہی احسان فراموش بھی ہو تو اُسے روزِ جزا سے بے خطر نہ ہونا چاہیے کم از کم اس دن سے تو ڈرتا رہے جو باز پُرس کا اور اعمال کے اجر کا دن ہے اور جس سے کوئی کسی صُورت بچ نہیں سکے گا۔

عبادت کے تین مدارج ذکر ہوئے اوّل درجہ اخص الخواص کا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی عظمت سے آشنا ہو کر اس لیے عبادت کرے کہ اللہ کو سزاوار ہے اور اُس کی شان کے شایان۔ دُوسرا درجہ خواص کا ہے کہ جنت یا آخرت کے ابدی انعامات جو رضائے الٰہی کے مظہر ہیں۔ کی طلب میں عبادت کرے۔ یا پھر کم از کم اُخروی عذاب سے ڈر کر تو ضرور سر جھکا دے یہ عوام کا درجہ ہے۔

اور پھر کفر جس کو تم نے گلے لگا رکھا ہے یہ تو بہت بڑی مصیبت ہے کہ انسان کو بالکل بے یار و مددگار اور تنہا چھوڑ دے گی تو کوئی اس کی سفارش کرے گا اور نہ ہی اس کو کوئی سفارش مفید ہو گی اور نہ کوئی ایسی ہستی ہے جو طاقت کے ساتھ اُسے چھڑا سکے یعنی نجات کے تمام دروازے اور خلاصی کی ساری ممکنہ راہیں، اور وہ راہیں بھی جو ممکن تو نہیں مگر تمھارے فاسد ذہنوں میں موجُود ہیں کہ غالباً کوئی تمھیں اللہ سے چھین لے گا۔ یہ سب مکمل طور پر بند اور منقطع ہیں۔ ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے ایمان قبول کرنا جو تم کر کے نہیں دے رہے۔

اور اس کفر کے ساتھ دعویٰ ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے وارث اور دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا۔ اب یہاں اس دعوے میں تو مشرکینِ عرب بھی اُن کے ہمنوا تھے۔ یہود کا دعوےٰ تھا کہ دینِ ابراہیمی ہمارے پاس ہے اور یہی حق ہے یہی دعوےٰ انصاریٰ کا تھا اور یہی دعوےٰ مشرکین کا بھی تھا۔ بلکہ انھوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے بُت بنا کر بیت اللہ میں

رکھے ہوئے تھے تو اللہ کریم نے سب پر اتمامِ حجت کرتے ہوئے فرمایا کہ،

واذابتلٰی ابراھیم .... لاینال عھد الظٰلمین۔

ابراہیم علیہ السلام ایسے تو نہ تھے جیسے تم ہو۔ تمہیں اپنا اقتدار کلمہ پڑھنے سے مانع ہے تم میں سے کسی کو مال و دولت نے روک رکھا ہے کوئی رسُومات کا اسیر ہے اور کسی کو رشتہ داری نے جکڑ رکھا ہے مگر ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے متعدد امتحانوں میں ڈالا تو وہ سب پر پورے اُترے۔

ان بظاہر مشکلات کو جو اللہ کی راہ میں آتی ہیں امتحان بدیں وجہ کہہ دیا جاتا ہے کہ انسان طبعاً جن سب چیزوں کی طرف رغبت رکھتا ہے حبِ اللہ کے لئے اور اس کی راہ میں ان کو قربان کرنا پڑتا ہے تو خود انسان کے لئے ایک امتحان کی صورت بن جاتی ہے ورنہ یہ مقصد نہیں کہ اللہ اس کی قابلیت سے واقف نہیں اور آزما کر جاننا چاہتا ہے بلکہ اس کی تربیت اور اس کے منازلِ علیہ پر فائز ہونے کے لئے یہ سب ضروری ہے اسی لئے تو ابتلاء کے ساتھ صفاتی نام رَبَّہٗ آیا ہے جیسے شہادت ایک مرتبہ قرب ہے مگر اس کے لئے بھی تو راہِ حق میں قتل ہونا پڑتا ہے اور جان نذر کرنا پڑتی ہے۔

منازلِ قرب

نبوّت اگرچہ شے وہبی ہے مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں جس طرح اللہ کی ذات غیر محدُود ہے اسی طرح اُس کے قرب کی منازل بھی غیر محدُود ہیں۔ اور اس ترقی کے لئے مجاہدات ضروری ہیں خواہ وہ اضطراری ہوں یا اختیاری۔ حتٰی کہ خود نبی اکرم ﷺ کا مکہ کی مشکل ترین زندگی سے گزرنا۔ تبلیغِ دین کے مختلف سفر، ہجرت، جہاد، سلطنتِ اسلامی کا قیام اور دندانِ مبارک کی قربانی سب اسی راہ کی منازل ہیں۔ اور ولایت جو شے کسبی ہے اور بعض اوقات وہبی بھی نصیب ہوتی ہے اس کے لئے کیوں یہ تمام چیزیں شرط نہ ہوں گی۔ پھر جب منازلِ قرب غیر محدود ہیں تو یہ کہہ دینا کہ فلاں حضرت نے سلوک مکمل کر لیا ہے بہت مشکل ہے یہ وہ راہ ہے جس کی انتہا ابدالآباد نہ آئے گی۔ دُنیا، برزخ اور جنّت میں مسلسل ترقی کا نام سلوک ہے۔

خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام مراحل سے گزرے جس گھر میں اور جس آغوش میں آنکھ کھولی انہیں بت پرستی میں مبتلا پایا تو اللہ کی راہ میں چھوڑنا پڑا اپنے ماحول، برادری اور معاشرے کو ایسا ہی پایا تو سب کو خیرباد کہنا پڑا۔ حکومتِ وقت کو اس مرض کا مریض پایا تو اس سے ٹکرا گئے آگ میں کود گئے مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی وطن کو چھوڑنا پڑا تو کر گزرے ضعیفی میں چاند سا بچہ عطا ہوا تو بیوی اور بچہ کو جنگل چھوڑنے کا ارشاد ہوا، تعمیل کی۔ حتٰی کہ بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا چھری چلا دی فاتمھن غرض تمام

ارشادات کی مکمل اطاعت کی۔

یہ گویا ان کے زعم باطل کو رد فرمایا جا رہا ہے کہ خود کو ابراہیمی تو کہتے ہو مگر کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہے اور قبولِ حق کی جرأت نہیں رکھتے۔ اللہ نے انھیں تو فرمایا کہ آپ کو انسانیت کا پیشوا بنا دوں گا یعنی وہ تمام کمالات جو بحیثیت انسان کوئی حاصل کرسکتا ہے اور وہ تمام راہیں جن پر کوئی انسان کامل چل سکتا ہے لہٰذا ان پر اپنے آگے آپ کے نقوش پا پائے گا لِلنَّاسِ إِمَامًا امام سے مراد پیشرو یا موجودہ لغت میں لیڈر ہے۔

امام کا مفہوم

امامت منصب نہیں ہے یہاں فرقہ امامیہ کا یہ استدلال کہ امام معصوم ہوتا ہے اور یہ کہ نبوت کے بعد امامت ملتی ہے اس لئے نبوت سے افضل ہے سرے سے ثابت ہی نہیں ہوتا قرآن کریم نے امام محض پیشوا کے معنوں میں لیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے۔ انبیاء میں پیشوا ہوئے لیکن جو لوگ کفر میں آگے نکل گئے اور کافروں کے پیشوا ہوئے ان کو بھی ائمۃ الکفر فرما دیا جیسے ارشاد ہے وقاتلوا ائمۃ الکفر۔

نبوت ایک منصب ہے کسی بڑے سے بڑے لیڈر کو نبی نہیں کہا گیا بجز ان ہستیوں کے جو من جانب اللہ مبعوث ہوئے اسی لئے تو جو نماز میں لوگوں کی پیشوائی کرتا ہے اسے بھی امام کہہ دیا جاتا ہے جس نے حدیث شریف میں لوگوں کی راہنمائی کا یہ درجہ پایا اس فن کا امام کہلایا جس نے فقہ میں راہنمائی کی وہ فقہ کا امام ہوا۔ وعلے ہذا۔

تو جب ابراہیم علیہ السلام پر یہ انعام ہوا تو انھوں نے عرض کی بار الہا! میری اولاد کو بھی یہ عظمت نصیب فرما کہ وہ نیکی اور قرب کی منازل میں درجۂ پیشوائی کو پہنچیں۔ فرمایا۔ ضرور! مگر ان کو جو حق پرست ہوں گے ظالموں کو ہرگز نہیں۔ یعنی محض آپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے انعاماتِ باری کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ عدل شرط ہوگا۔ یعنی یہ جو موروثی ولایت ہے یہ نہ چلے گی کہ باپ فوت ہوا تو بیٹا خواہ کیسا ہی بدکار ہو گدی نشین بن گیا۔ بلکہ اس کے لئے عقائد کا ہونا شرط ہے جو اس وقت ان لوگوں میں جو آپ ﷺ کے مقابل تھے مفقود تھی۔ سو اُن کا دعوے باطل ٹھہرا۔ اب مُشرکین کا یہ زعم کہ ہم بیت اللہ کے خادم ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے آپ ﷺ کو نبی ماننے کی۔

فرمایا کہ یہ بیت شریف کی تعمیر جدید کا شرف بھی ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ مگر کس لئے۔

واذ جعلنا البیت .... والرکع السجود۔

جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے ثواب کی نیت سے جمع ہونے کی جگہ قرار دیا اور جائے امن بنایا اور امت محمدیہ

کو بھی حکم دیا کہ مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنایا کرو۔ یعنی اسے ارکانِ حج میں داخل فرمایا۔ تو تعمیر کے وقت ہی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ میرے گھر کو ظاہری و باطنی نجاست سے پاک رکھو۔ یہاں یہ پورا قصہ نقل کرنا کہ کیسے شام سے ہجرت کر کے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ننھے اسماعیل علیہ السلام وہاں پہنچے اور کیسے ٹھہرائے گئے اور ابراہیم علیہ السلام پہنچا کر واپس تشریف لے گئے، میرے خیال میں طوالت کا باعث ہوگا۔ دیگر تفاسیر میں مفصل موجود ہے وہاں سے ملاحظہ فرمایا جائے۔

میں مضمونِ آیت سے متعلق عرض کروں گا کہ اللہ کریم نے اس جگہ کو ایسی تجلیات کا مہبط بنایا ہے جو ہر مومن کے دل کو کھینچ لیتی ہیں حتیٰ کہ بار بار حج کرنے سے شوقِ زیارت بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور اس مقام کو جائے امن بنایا کہ تم لوگ باوجود گمراہ ہونے کے اس کی وجہ سے ہزاروں طرح دنیاوی امن و سلامتی پا رہے ہو تو جو مومن یہاں پہنچے گا دو عالم میں مامون ہوگا اور مقامِ ابراہیم کو ایک خاص فضیلت بخشی۔

یہ سب اس لئے کہ اس گھر کو خالص میرے لئے پاک و صاف رکھا جائے نہ عمل کی گندگی یہاں پھیلنے پائے نہ عقیدے کی اور یہ صرف طواف کرنے والوں اور معتکف ہونے والوں اور عبادتِ الٰہی میں لگے رہنے والوں کے لئے مختص کر دیا جائے یہاں کسی طرح سے عبادات میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور کوئی غیر مشروع کام نہ کیا جائے۔

یہی حال تمام مساجد کا ہو کہ وہ بھی مساجد اللہ کہلاتی ہیں اور یہی حکم اس دل کا ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب ہوگا کہ شرک و بدعت سے بھی پاک ہو اور کبر و نخوت اور حسد وغیرہ کے بتوں سے بھی۔ اس میں تو محض اللہ کا نام، اللہ کی یاد اور جذبہ اطاعت۔ نہ یہ کہ مشرکینِ مکہ کی طرح دعویٰ ہو دینداری کا اور کعبہ بتوں سے بھر رکھا ہو۔ طالبینِ راہِ طریقت کو جان لینا چاہیئے کہ اس راہ میں ادنیٰ سی بدعت بھی قابلِ برداشت نہیں۔ سراسر اتباعِ سنتِ خیر الانام ہے جو ہر طرح سے پاکیزہ ہے کی جائے۔

تو ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اے اللہ!

اِذ قال ابراهیم .... وبئس المصیر۔

اے میرے پروردگار! اے وہ جس نے مجھے تمام کمالات ظاہری و باطنی عطا فرمائے ہیں اور اے وہ جو سب کا پالنے والا ہے اس شہر کو امن کا شہر بنا، اور اس کے مکینوں کو ہر طرح کا رزق مہیا فرما۔ من الثمرات سے مراد تمام ضروریاتِ زندگی ہیں اور قبولِ دعا کا اثر دیکھو کہ اے اہلِ مکہ! تم ہر طرح سے امن میں ہو۔ کبھی کوئی جابر اُسے فتح نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ اصحابِ فیل کا واقعہ خود قرآن میں مذکور ہے۔

"وفا الوفا" میں ایک حکمران کا ذکر ہے کہ جس نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو مُنہ سے ایک بدبُودار پانی جاری ہو گیا اس نے اپنے

علماء کو جمع کرکے مشورہ طلب کیا تو سب نے کہا اس شہر پر آپ قابض نہ ہوں اور یہاں کے رہنے والوں کو راضی کریں تو اس نے کئی عرصہ تک ان لوگوں کی عزت کی اور ہر طرح سے دلجوئی کی۔ اُن علماء نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور ہجرت مدینہ کی پیشگوئی کی کہ مکہ مکرمہ کی کرامت دیکھ کر وہ ایمان لایا پھر مدینہ پہنچا جہاں اس نے بعض علماء کو حضور ﷺ کے نام خط دے کر ٹھہرایا کہ جب آپ ﷺ مبعوث ہوں تو یہ چٹھی پیش کی جائے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ انہی کی اولاد میں سے تھے۔ اور آپ ﷺ کی تشریف آوری پر چٹھی پیش کی تھی اسی کی طرف یہ شعر منسوب ہے۔

ولو مد عمری الی عمرہ ∴ لکنت وزیرا لہ وابن عم

غرض ہر طرح سے شہرِ امن قرار پایا۔ دنیا میں کسی جگہ اور کسی موسم میں کوئی شے پیدا ہوتی ہو۔ مکہ مکرمہ میں وہ سارا سال دستیاب رہتی ہے مگر یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایمان کی قید بڑھا دی کہ جو ان میں سے اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں انھیں یہ نعمتیں نصیب فرما۔ غالباً یہ پہلی دعا۔ کی وجہ سے ہوگا کہ جب اولاد کے لیے انعاماتِ باری میں شرکت کی دعا کی۔ تو حکم ہوا تھا کہ نافرمانوں کو یہ دولت نصیب نہ ہوگی مگر وہ مدارجِ روحانی اور قربِ الٰہی کی بات تھی۔

یہاں نعمِ دُنیا کا ذکر ہے تو اللہ کریم نے ایمان کی قید اُٹھا دی۔ فرمایا جو بھی یہاں وارد ہوگا وہ دُنیاوی راحتوں سے ضرور نوازا جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ کافر کے لیے نعمتیں چند روزہ ہیں کہ دُنیا میں تو متمتع ہوگا مگر پھر کھینچ کر آگ کے عذاب میں پھینک دیا جائے گا جو ایک بہت مشکل جگہ ہے۔

یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ محض دُنیا کی دولت اللہ کی رضا کا مظہر نہیں صحتِ عقیدہ اور عمل بغیر دولت کے بھی رضائے الٰہی کا مظہر ہے اس کے ساتھ دولتِ دُنیا بھی نصیب ہو جائے تو انعامِ باری ہے ورنہ وجہِ عذاب۔ تو کفار کا یہ زعم بھی رد ہو گیا کہ ہم مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں اور بڑے آرام سے گزر ہو رہی ہے اگر حق پر نہ ہوتے تو اس بے آب و گیاہ صحرا میں اس قدر آرام دہ شہر کی راحتیں کیوں پاتے فرمایا یہ تو دعائے ابراہیمی کا صلہ ہے اور دُنیا کافر و مومن پہ عام ہے اس چند روزہ عافیت کو ابدی عافیت کی دلیل مت جانو۔ بلکہ اخلاق ابراہیمی پیدا کرو۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل .... انک انت التواب الرحیم۔

کہ تمام عمر اطاعت الٰہی میں بسر فرمائی۔ گھر بار، مال و جان، اولاد رہِ خدا میں نثار کی اور پھر بھی جب باپ بیٹا تعمیرِ کعبہ میں لگے ہیں تو بجائے اپنی طاعات پر گھمنڈ کرنے کے عجز و انکسار سے دل پُر ہیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہیں کہ اے ہمارے رب! یعنی اے وہ ہستی جس

نے ساری توفیقِ کمال عطا کی۔ اپنے کمال پر ناز نہیں ہے بلکہ اپنے رب یعنی کمالات کے عطا کرنے والے کی بخشش پر احساسِ تشکر ہویدا ہے اور عرض گزار ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری محنت کو قبول فرما لیجئے کہ آپ بے نیاز اور ہم محتاج ہیں اور آپ تو اے اللہ! سننے والے ہیں ہماری معروضات کو سن رہے ہیں اور جاننے والے، ہمارے دلوں کی گہرائی آپ کے سامنے ہے اور ہماری نیتوں پر آپ آگاہ ہیں۔ اے ہمارے رب اور منعمِ حقیقی! وجعلنا مسلمین لک ہم دونوں کو ہمیشہ اپنا فرمانبردار رکھئے۔

یہ ہے شانِ معرفت۔ کہ جس قدر معرفت نصیب ہوئی اللہ کی عظمت اور اس کے مقابلے میں اپنے اعمال کمتر نظر آتے ہیں حتّٰی کہ نبی اکرم ﷺ عرض کرتے ہیں الٰہی! ماعبدناک حق عبادتک یہ دلیل ہے معرفتِ باری کی۔ چند روز ٹوٹی پھوٹی نماز ادا کر کے شکوے لے بیٹھنا کہ جی بڑی محنت کی ہے۔ مگر ابھی تک کوئی مدارج طے نہیں ہوئے عدمِ معرفت پہ دال ہے ایسے شخص نے اللہ کی عظمت کو جانا ہی نہیں۔

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار

کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک سبحان اللہ! اولاد کو راہِ حق میں ذبح کرنے والے خلیل اللہ کو اولاد کس قدر عزیز ہے کہ کسی موقع پر اسے بھولتے نہیں۔ دنیادار تو اولاد کا مستقبل سنوارتے ہیں مگر ان کی نگاہ سے حقیقی مستقبل اوجھل ہی رہتا ہے اور محض دنیا کی دولت کا اہتمام کر کے خود کو فارغ سمجھ لیتے ہیں۔ مگر اللہ کے بندوں کی نگاہ ہر دو عالم پر ہوتی ہے جہاں رزقِ دنیا طلب فرمایا وہاں ان کے لئے آخرت کے طالب اور دین و ایمان کے خواہاں بھی ہیں۔

نبوت اور مناصبِ ولایت اعلیٰ خاندانوں کو نصیب ہوتے ہیں

عرض کی اے اللہ! ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو ضرور پورا پورا فرمانبردار بنا دیجئے! کہ بڑے لوگوں کا معاشرہ میں ایک مقام ہوتا ہے اگر ان کی اولاد سدھر جائے تو عوام کی اصلاح کا سبب بنتی ہے ورنہ لوگ ہر کس و ناکس کے پیچھے چلنا گوارا نہیں کرتے اسی لئے تمام انبیاء اعلیٰ خاندانوں سے ہوئے ہیں اور صاحبِ منصب ولی ہمیشہ اعلیٰ خاندان سے ہوتا ہے بلکہ عموماً خلفائے اربع کی نسل سے ہوتے ہیں کم از کم اقطاب اور اس سے اوپر کے مناصب انہی لوگوں میں ملتے ہیں تو گویا یہ دعا صرف اولاد کے لئے نہیں بلکہ اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنانے کے لئے ہے۔

وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا ہمیں اپنا طریقِ عبادت جو آپ کے ہاں مقبول ہو دکھا دیجئے مناسک نسک کی جمع ہے اور اعمالِ حج

کو بھی کہا جاتا ہے ممکن ہے مراد تعمیر بیت اللہ کے بعد ارکانِ حج ہی ہوں کہ اللہ ! دکھا دیجئے خواہ آنکھوں سے یا دل سے مگر عموم کے ساتھ۔ یہاں بات واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا زاہد اپنی طرف سے عبادت کا طریقہ ایجاد کرنے کا مجاز نہیں بلکہ عند اللہ مقبول طریقہ وہی ہو گا جو اللہ اپنے رسُول کو فرمائے گا اور اس کی وساطت سے مخلوق تک پہنچائے گا۔ سو عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اصل سُنتِ خیر الانام ﷺ میں موجود ہو ورنہ بدعت بن جائے گی۔

بعض لوگ محض بزرگوں کی عقیدت میں بہہ جاتے ہیں اور یہ تک نہیں دیکھتے کہ اگر ان کا کوئی عمل خلافِ سُنت ہے تو ممکن ہے کوئی عُذرِ شرعی ان کے پاس موجود ہو، جیسے اگر شیخ اُٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو مریدین کو بلا عذرِ شرعی بیٹھ کر نہ شروع کر دینی چاہیئے یہ تو مثالاً عرض ہے آجکل کے اکثر غیر مشروع امور کی اصل پوچھو تو کہا جاتا ہے ہمارے حضرت کرتے تھے۔ بھئی سب حضرات کے بھی حضرت ہیں، محمد رسُول اللہ ﷺ ! وہ کیوں نہیں کرتے جو آپ ﷺ کرتے تھے۔

عرض کی کہ بارِ الٰہا ! ہمیں طریقِ عبادت تعلیم فرمادے۔ وتب علینا ہماری عبادات کو قبول بھی فرما یعنی اس قدر زُہد کے بعد بھی یہ خیال ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے قبول کر کہ تیری بارگاہ عالی ہے اور ہماری عبادات بہرحال ایک انسان کی کوشش سُبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ کہ تو قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

فرمایا، یہ ہے اُسوہ ابراہیمی ! اے کبر و نخوت کے پتلو ! ذرا اپنے آپ کو جانچو، یہ بھی تو انھوں نے عرض کیا تھا،

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم .... انک انت العزیز الحکیم۔

اے ہمارے رب ! ان میں ایک رسُول انہی میں سے بھیج۔ ایسا عظیم الشان اور عالی مرتبہ کہ اُن پر تیری آیات پڑھے یعنی انھیں آپ سے ہم سخن کر دے اور تعلیم دے ان کو کتاب و حکمت کی، اور ان کو پاک کر دے کہ تو زبردست ہے سب کر سکتا ہے اور حکیم ہے سب سے اعلیٰ طریقے سے کر سکتا ہے۔

غرض اہلِ حق کی جماعت کا قیام ایک عظیم الشان رسُول ﷺ کے ساتھ، حضرت ابراہیم کی دعا ہے جو حدیث پاک میں ملتا ہے کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مظہر دعائے ابراہیمی ہیں

یہاں تک تو اکثر حضرات نقل فرماتے ہیں مگر پتہ نہیں کیوں امۃ مسلمۃ لک کا خیال نہیں فرماتے جہاں آقائے نامدار ﷺ مظہر دعا ہیں وہاں آپ ﷺ کے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم بھی مظہر دعاء ابراہیمی ہیں۔

تو یہاں جس عالی مرتبت رسُول کی بعثت کی دعا ہے اور جو پہلی ساری دعاؤں کی طرح مقبولیت کے شرف سے سرفراز ہے اس کے مظہر ہی خاتم النبیین ﷺ ہی تو ہیں۔ اب دُعا میں ان کے فرائضِ منصبی کا ذکر بھی ہے کہ تیری آیات اُن پر پڑھے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

تلاوتِ قرآن مجید ایک مستقل حکم ہے

تو پتہ چلا کہ تلاوتِ کتاب بجائے خود ایک مقصود ہے اور اس کا جاننا اور اِس کے مطالب پر آگاہ ہونا ایک علیحدہ کام۔ اللہ کی کتاب عام کتابوں کی طرح نہیں ہے کہ اگر معانی کا پتہ نہ چلے تو پڑھنا ہی چھوڑ دو۔ اگر صرف معانی جان کر عمل کر لینا ہی مقصد ہوتا تو خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین بار بار نہ پڑھتے۔ جب کہ اکثر سے روزانہ ختم اور بعض سے تین دن میں ایک ختم ساری زندگی کا معمول ثابت ہے اور سات دن میں ختم پر تو سات منازل گواہ ہیں کہ یہ عمل تو اکثریت کا رہا ہے۔

آیاتک سے ثابت ہو گا کہ وہی الفاظ قرآن کہلائیں گے جو منزل من اللہ ہیں۔ کسی دُوسری زبان میں ترجمہ قرآن نہ کہلائے گا کہ بغیر متن کے صرف انگریزی یا اُردُو میں شائع کر دیا جائے۔ نیز کتاب اللہ کی تعلیم آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں ہے۔ قرآن کا مفہوم وُہی ہو گا جو آپ ﷺ کی تعلیم سے ثابت ہو ورنہ محض عربی دانی پر نازاں ہو کر اپنی پسند سے ترجمہ کر لینا قابلِ قبول نہ ہو گا۔ اس طرح تو عربی جاننے میں ابوجہل کسی سے کم نہ تھا۔ خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بڑے بڑے فاضل ادیب اور شاعر موجُود تھے مگر سب تعلیمِ کتاب میں آپ ﷺ کے محتاج کہ آپ کا منصب ہے "معلّمِ کتاب"۔

یہاں ان لوگوں کا زعم باطل بھی دھرا رہ جاتا ہے جنھوں نے یہ دعوے کر دیا کہ ہمیں قرآن ہی کافی ہے حدیث پاک کا تو کیا اعتبار۔ یہ صحیح نہیں رہی اور اس میں بہت رطب و یابس بھر گیا ہے۔ یہ کہنے والے فضلاء اللہ کے اس وعدے کو بھول جاتے ہیں،

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہاں اگر صرف الفاظ کی حفاظت ہی مراد لی جائے تو مفہومِ الفاظ کون مقرر کرے گا جس کو جاننے میں ابوبکر و عمر فاروق اعظم

رضی اللہ عنہم تک حضور ﷺ کے محتاج ہیں۔ آج کے فضلاء بازی لے گئے کہ بغیر حدیث کے معانی اخذ کر لیتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ الفاظِ قرآن بالکل محفوظ چلے آئے جبکہ احادیث کے ارشادات اس طرح محفوظ نہ رہے کہ ظالموں نے اپنے پاس سے احادیث وضع کر کے تعلیماتِ نبوی کو اُلجھانے کی کوشش کی۔ مگر حفاظتِ الٰہیہ دیکھ لو۔ ایسے ایسے عظیم انسان پیدا فرمائے جن کی عمریں اسی فن کی نذر ہوگئیں اور دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔

اسی حفاظت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دنیا میں اہلِ حق ہمیشہ رہیں گے ورنہ لوحِ محفوظ میں تو کتاب اللہ کو کوئی خطرہ نہیں۔ حفاظت کی ضرورت تو دنیا میں ہے اور دُنیا میں انسان بستے ہیں۔ سو انسانوں میں الفاظ معانی کتاب اللہ کے درست الفاظ اور نبی پاک ﷺ کی صحیح تعلیم باقی رہے گی تب حفاظت کہی جا سکے گی تو اس کے لئے ضرور اس کے حامل انسان بھی ہوں گے اور اسی سب کے ساتھ ویزکیھم اور پاک کرے ان کو، ان کا تزکیہ کر دے۔ ان میں کوئی ایسی بات نہ رہے جو اللہ کو پسند نہ ہو ان کے دل منوّر اور سینے روشن کر دے جو فیضانِ صحبت ہے کہ جو بھی آپ ﷺ کے قریب ہوا۔ یعنی ایمان کی نگاہ سے آپ ﷺ کو دیکھا مرتبہ صحابیت پر فائز ہو گیا اور یہ وہ منصبِ عالی ہے کہ ملا جن کو مل گیا۔

آپ ﷺ کے دُنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ولایت تو نصیب ہو سکتی ہے مگر صحابیت نہیں یعنی تزکیہ کا وہ مقام جو براہِ راست فیضِ نبوی ﷺ سے حاصل ہوا ممکن نہ رہا۔ اگرچہ فیض منقطع نہ ہوا۔ مگر بالواسطہ ہو گیا کہ صحابی کی صحبت نے تابعی پیدا کئے اور انھوں نے تبع تابعین اور پھر دِل سے دِل روشن ہوتا چلا گیا اور سلاسلِ ولایت قائم ہوئے جو ہمیشہ قائم رہیں گے کہ لحافظون کی حفاظتِ الٰہیہ میں بالواسطہ شریک ہیں یہ تزکیۂ باطن ہی تھا کہ جس نے مشرکوں سے موحد، بُت پرستوں سے بُت شکن، ڈاکوؤں سے غازی، ظالموں سے ایثار پیشہ، راہزنوں سے راہبر اور جاہلوں سے فاضل پیدا کئے جن جیسے لوگ نہ چشمِ فلک نے ان سے پہلے پائے نہ بعد میں پانے کی اُمید رکھتی ہے۔

ب یہاں چند چیزیں حاصل ہوئیں کہ۔

۔ تعلیمِ قرآن کے لیے تعلّمِ حدیث ضروری۔

۲۔ اور عمل بالقرآن والحدیث کے لئے تزکیہ لازم۔

۳۔ اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہر دور میں اصلاح کے لئے نہ بغیر نبی کے محض تعلیم آئی اور نہ بغیر تعلیمات کے محض نبی یہ دونوں چیزیں جہاں میسر آئیں وہاں تزکیہ نصیب ہوا۔

تزکیہ کے لئے کتاب اور معلم دونوں کی ضرورت ہے

اور تزکیہ کے صدقے عمل کی راہیں کھل گئیں بعض لوگوں نے محض پڑھنے پڑھانے کو دین جانا اور کاملین کی صحبت کی ضرورت محسوس نہ کی تو علم دین بھی ان کو دنیا کمانے کا ہی ذریعہ نظر آیا۔ اور بعض نے کتاب اللہ کی پرواہ نہ کی اور محض علماء و مشائخ کے پیچھے آنکھیں بند کر کے دوڑ لگا دی۔ جو یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ یہ دونوں راستے درست نہ تھے مقصد کو وہی لوگ پا سکے جنہوں نے ماہر علماء۔ اور تربیت یافتہ کامل مشائخ کی صحبت اختیار کی اور دونوں چیزوں کو اُن کی اپنی اصل جگہ پر رکھا اور اُن کی اہمیت کو سمجھا۔

یہاں یہ بھی واضح ہُوا کہ تزکیہ اس باطنی طہارت کا نام ہے جو اطاعت رسول ﷺ کا جذبہ پیدا کرے اگر سی مجلس میں شعبدہ بازی حاصل ہو جائے اور احکام دین ہاتھ سے چلے جائیں تو یہ رہزن ہوگا۔ راہبر نہیں! راہبر وہی ہے جو مومن کو رسول اللہ ﷺ کے دامنِ شفقت میں پہنچا دے جو خالص عقائد اور سُنت کے مطابق اعمال تعلیم کرے جو دل سے انا نکال کر عظمت الٰہی کو جاگزیں کرے۔ جو نگاہ میں وُسعت دے کہ دونوں جہانوں کو دیکھ رہی ہو۔ جو یہ قابلیت عطاء کرے۔ کہ انسان بستا دنیا میں ہو اور تعمیر آخرت کی کر رہا ہو۔

حصُولِ ولایت کے لِئے خاندان شرط نہیں

ولایت کے لئے کوئی خاص قوم یا صنف مخصوص نہیں بلکہ ہر مومن کو چاہیے حاصل کرے جب صحابی جس کی جوتی کی گرد وں نہیں پا سکتے بننے کے لیے کوئی مرد ہونا یا عورت ہونا، عالم ہونا یا نہ ہونا کسی قوم یا خاندان کا ہونا شرط نہیں تو ولایت کے لئے کیوں ہوگا۔ جب ہاں دلی خلوص اور عملی اطاعت ہی شرط ہے تو یہاں بھی یہی ہوگی۔ غرض حصُول تزکیہ باطن کے لئے کاملین کی صُحبت تلاش کر کے اس سے استفادہ کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے مگر شرائط مندرجہ بالا کے ساتھ

یہ جو بات چل نکلی ہے کہ چند مخصوص افراد تو ولایتِ خاصہ حاصل کر سکتے ہیں سب مسلمان نہیں یہ بھی دُرست نہیں بلکہ ہر انسان میں قدرتی ملکہ موجود ہوتا ہے۔ اگر کافر بھی ایمان لے آئے اور کامل کی صُحبت اختیار کرے تو اللہ تعالےٰ کے فضل کو پا سکتا ہے اور ولایتِ خاصہ حاصل کر سکتا ہے۔

جب ہم علمائے متقدمین کی سوانح پڑھتے ہیں یہی بات ملتی ہے کہ فلاں جگہ سے تعلیم مکمل کی اور پھر شیخ کی تلاش میں فلاں حضرت کے پاس پہنچے اور استفادہ کیا مگر آج یہ حال ہے کہ چند ابتدائی رسالے پڑھے، فاضل بن بیٹھے اور لگے تصوف و سلوک کی

تردید کرنے۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا۔

دوسری طرف ایک طبقہ نے علمِ دین پر عمل تک غیر ضروری قرار دے دیا۔ صرف پگڑی باندھی اور کسی گدی پر براجمان ہو گئے۔ عمرِ عزیز مرغ لڑانے میں بسر کی اور لاکھوں افراد کی قسمت سے کھیل گئے۔ اللہ کی پناہ!

یہ سب حال ارشاد فرما کر واضح فرما دیا کہ دینِ ابراہیمی اور اسوۂ ابراہیمی کیا ہے اور انھوں نے کس طرح سچے جانشینوں کے لیے دعا کی۔ اس کا مظہر رسولِ کامل اور جماعتِ حقہ کون ہے اور تم محض دعوے کرنے والے کیا کر رہے ہو اور کہاں تک درست ہو اور حضرت خلیل اللہ نے جن مقاصد کی تکمیل کے لیے دعا فرمائی ان کے لیے کون مبعوث ہوا۔ کس طرح ان کی تکمیل فرما رہا ہے اور وہ جماعتِ حقہ کون ہے جو صحراؤں سے اُٹھی اور اکنافِ عالم میں ان برکات کو عام کر دیا۔

فصلی اللہ علیہ و علے آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

رکوع نمبر ۱۶ آیات ۱۳۰ تا ۱۴۱ الٓمٓ ¹⁄₁₆

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ
اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ
اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ
فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ
اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾
وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ
وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى
لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ
يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ
لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ
بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ
وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور ابراہیم کے دین سے کون رُوگردانی کر سکتا ہے
بجز اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے اُن کو
دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ
زُمرۂ صلحاء میں ہوں گے (۱۳۰)
جب ان سے اُنکے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں
نے عرض کی کہ میں ربّ العالمین کے آگے سرِ اطاعت خم کرتا ہوں (۱۳۱)
اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت
کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا)
کہ بیٹا خدا نے تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے تو
مرنا تو مسلمان ہی مرنا (۱۳۲)
بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو
تم اُس وقت موجود تھے۔ جب اُنہوں نے
اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت
کرو گے۔ تو اُنہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ
کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے
معبود کی عبادت کریں گے جو معبودِ یکتا ہے اور
ہم اُسی کے حکم بردار ہیں (۱۳۳)

130. And who forsaketh the religion of Abraham save him who befooleth himself? Verily We chose him in the world, and lo! in the Hereafter he is among the righteous.

131. When his Lord said unto him: Surrender! he said: I have surrendered to the Lord of the Worlds.

132. The same did Abraham enjoin upon his sons, and also Jacob, (saying): O my sons! Lo! Allah hath chosen for you the (true) religion; therefore die not save as men who have surrendered (unto Him).

133. Or were ye present when death came to Jacob, when he said unto his sons: What will ye worship after me? They said: We shall worship thy God, the God of thy fathers, Abrâham and Ishmael and Isaac, One God, and unto Him we have surrendered

134. Those are a people who have passed away. Theirs is that which they earned, and yours is that which ye earn. And ye will not be asked of what they used to do.

یہ جماعت گزر چکی۔ ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ) ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا)۔ اور جو عمل وہ کرتے تھے اُن کی پرسش تم سے نہیں ہوگی ﴿۱۳۴﴾

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

135. And they say: Be Jews or Christians, then ye will be rightly guided. Say (unto them, O Muhammad): Nay, but (we follow) the religion of Abraham, the upright, and he was not of the idolaters.

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم (اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿۱۳۵﴾

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾

136. Say (O Muslims): We believe in Allah and that which is revealed unto us and that which was revealed unto Abraham, and Ishmael, and Isaac, and Jacob, and the tribes, and that which Moses and Jesus received, and that which the Prophets received from their Lord. We make no distinction between any of them, and unto Him we have surrendered.

(مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اُس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُن کی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں اُن پر اور جو اور پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے ملیں اُن پر (سب پر) ایمان لائے ہم اُن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اُسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں ﴿۱۳۶﴾

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾

137. And if they believe in the like of that which ye believe, then are they rightly guided. But if they turn away, then are they in schism, and Allah will suffice thee (for defence) against them. He is the Hearer, the Knower.

تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں۔ اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں۔ اور اُن کے مقابلے میں تمہیں خدا کافی ہے۔ اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے ﴿۱۳۷﴾

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

138. (We take our) colour from Allah, and who is better than Allah at colouring? We are His worshippers.

(کہہ دو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے۔ اور ہم اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿۱۳۸﴾

صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴿١٣٨﴾

139. Say (unto the People of the Scripture): Dispute ye with us concerning Allah when He is our Lord and your Lord? Ours are our works and yours your works. We look to Him alone.

(ان سے) کہو کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا)۔ اور ہم خاص اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿۱۳۹﴾

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾

140. Or say ye that Abraham, and Ishmael, and Isaac, and Jacob, and the tribes were Jews or Christians? Say: Do ye know best, or doth Allah? And who is

(اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُن کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے (اے محمد ان سے) کہو کہ بھلا تم

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ أَأَنْتُمْ

أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ
كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾
تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا
كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا
تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ع

زیادہ جانتے ہو یا خدا؟ اور اس سے بڑھکر ظالم کون جو
خدا کی شہادت کو جو اُسکے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے
اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو خدا اس سے غافل نہیں ﴿۱۴۰﴾
یہ جماعت گزر چکی۔ اُنکو وہ (ملیگا) جو اُنہوں نے کیا
اور تم کو وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے
اُن کی پرسش تم سے نہیں ہوگی ﴿۱۴۱﴾

more unjust than he who hideth a testimony which he hath received from Allah? Allah is not unaware of what ye do.

141. Those are a people who have passed away; theirs is that which they earned and yours that which ye earn. And ye will not be asked of what they used to do.

اسرار و معارف

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا اسوہ حسنہ، آپ کا مذہب، آپ کے عقائد اور اعمال انسانیت کی معراج ہیں۔ ان سے پھرنے والا شخص وہی ہو سکتا ہے جو انسانی قدروں سے بالکل ہی واقفیت نہ رکھتا ہو اور انتہائی درجے کا احمق ہو۔ ورنہ جسے فطرتِ سلیم نصیب ہو گی وہ ان کمالات کو اپنانے کی کوشش کرے گا۔

ابراہیم علیہ السلام ایسی مبارک ہستی ہیں کہ ہم نے انہیں دنیا میں نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر اپنے لئے چن لیا اور آخرت میں بھی وہ اللہ کے مقرب و مقبول بندوں میں سے ہیں تو ایک ایسا کردار، جو دو عالم میں سربلندی و سرفرازی عطا کرے اور قربِ الٰہی کا سبب اور وسیلہ بنے اُسے کوئی ہوشمند انسان تو چھوڑنے سے رہا بلکہ جس قدر دانا تر ہو گا اُسی قدر اُسے زیادہ عزیز رکھے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال دیکھیو

اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین ۔

جب اُس کے پروردگار نے فرمایا کہ راہِ تسلیم یعنی کلی اطاعت کی راہ اپناؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں نے ربّ العٰلمین کی اطاعت اختیار کی۔ یعنی اس درجہ حق اطاعت ادا فرمایا کہ یہ تک عرض نہ کیا کہ اللہ! تیری اطاعت اختیار کر رہا ہوں بلکہ اللہ کی شانِ ربوبیت کو پیشِ نظر رکھا اور عرض کی کہ پروردگارِ عالم یعنی سارے جہانوں کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کرنے والے کی اطاعت اختیار کی۔ اس میں نہ صرف اللہ کی تسبیح و تعریف بیان کی بلکہ خود توفیقِ اطاعت بھی اسی کی طرف منسوب کر دی کہ مجھے تیری اطاعت کی توفیق ارزاں ہوئی یہ بھی تیرا ہی احسان ہے۔

کمالِ معرفت

کمالِ معرفت تو یہ ہے کہ اپنے کمالات کو بھی احسانِ باری جانے۔ اگر اپنی کسی خوبی کو اپنا کمال سمجھتا ہے۔ تو ہنوز اس گلی سے بیگانہ ہے اور لذتِ معرفت سے ناآشنا۔ یہ کلام جہلاء کا ہے کہ چند سجدے اگر کر ہی گزریں تو

اپنے آپ کو اعلیٰ مناصب کا حقدار خیال کرتے ہیں اور ٹھنڈی سانس لے کر کہتے ہیں اجی ! ہم نے بس محنت کرنے میں حد ہی کر دی۔ بھئی ! یہ سجدوں کی توفیق بھی کسی کی عطا ہے۔

معیارِ کمال کشف و کرامات ہی نہیں بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ انسان کس قدر تسلیم و رضا کا جذبہ پا سکا۔ اس میں جس قدر ترقی نصیب ہوئی اتنا ہی شکر زیادہ ادا کرے اور استقامت کی دعا کرتا ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں اور محض چند خوابوں اور اس قبیل کی دوسری باتوں کو کمال سمجھ رہا ہے تو درست نہیں۔

ہاں کشف بھی کرامت ہے اگر اطاعت کے ساتھ نصیب ہو الا فلا کہ کشف عالم بالا یا عالم غیب کا۔

مومن اور کافر

جس میں برزخ، آخرت، آسمانوں سے بالا کی دنیا شامل ہے، کافر کو نصیب نہیں۔ لا تفتح لھم ابواب السماء۔ لیکن دنیا میں ایک جگہ بیٹھ کر دوسری جگہ کی خبر کر دینا، انسان کو دیکھ کر اس کی گزشتہ زندگی کے واقعات بتا دینا یا آئندہ کے بارے میں اندازہ لگانا یا اس طرح کی باتیں جو ہیں اُس کے لئے تو ایمان بھی شرط نہیں کافر بھی حاصل کر سکتا ہے اور جہلاء میں عموماً اسی قبیل کی باتیں مشہور بھی ہوتی ہیں اور وہ اِسی کو کشف کہتے ہیں۔

اصل کمال حصولِ جذبہ تسلیم ہے کہ صدقِ دل سے اللہ کی مکمل اطاعت کا جذبہ پیدا ہو یہی کمال ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا، تمام انبیاء اور صُلحاء کا۔ اسی کی ان سے تحصیل بھی مطلوب ہے یہ ان کے نزدیک کس قدر قیمتی سرمایہ ہے۔ وہ یوں دیکھ لو !

ووصی بھا .... وانتم مسلمون۔

کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد خود حضرت یعقوب علیہ السلام نے اولاد کو وصیت فرمائی تھی۔ دم واپسیں بچوں کو بُلا کر تاکید کی تھی۔ یہ وہ وقت ہے جب سب سے قیمتی متاع اگر کوئی پاس ہو تو اس کے بارے اولاد کو سمجھاتے ہیں۔ تو ان حضرات کے نزدیک سب سے اعلیٰ دولت ہی دین و ایمان، اسلام اور جذبۂ تسلیم و رضا تھا کہ اولاد کو وصیت فرمائی، اے بیٹو ! یہ دینِ برحق اللہ نے تمہارے لئے چُن لیا ہے اور پسند فرما لیا ہے۔ اب اس کا حق یوں ادا کرنا کہ موت بھی آئے تو اسلام اور ایمان پر آئے، زمین ٹل جائے، آسمان پھٹ جائے، زمانہ زیر و زبر ہو جائے مگر خبردار ! دینِ برحق کا دامن ہاتھ سے نہ جائے اور اللہ کی اطاعت سے قدم باہر نہ نکلے۔

یہاں تم ہو کہ دعوائے ابراہیمی ہونے کا اور اطاعتِ الٰہی کے مقابلے میں اپنی خواہشات کی تکمیل عزیز رکھتے ہو۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام جن کے نام نامی سے اس دور کے علماء منسوب ہیں اور بنی اسرائیل کہلاتے ہیں، ذرا اُن کا حال بھی سُنو،

ام کنتم شہداء .... لہٗ مُسلِمُون۔

کیا تم پاس تھے؟ یعنی تم تو پاس نہ تھے اگر تم موجود ہوتے تو جان سکتے چلو، ہم تمھیں بتاتے ہیں کہ جب یعقوب علیہ السلام کا وقتِ آخر آیا اور سفرِ آخرت کی تیاری ہوئی تو بیٹوں کو جمع فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید ہی فرمائی تھی۔ انھوں نے استفہامی انداز اپنایا اور بیٹوں سے پوچھا ما تعبدون من بعدی کہ وہاں اُن کے بیٹے تو اسماعیل و اسحاق علیہم السلام نبی تھے۔ مگر یہاں صرف حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے۔ باقی سارے تو نہ تھے تو انھوں نے اس سے زیادہ تاکیدی رنگ اپنایا اور بیٹوں پر سوال کیا کہ ہم تو جانتے ہیں مگر یہ کہو کہ میرے بعد تمھارا معبود کون ہوگا؟ اور تم کس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگے؟ تو انھوں نے عرض کیا ”ابا جان! ہم اُسی کی عبادت کریں گے جو آپ کا بھی معبود ہے اور آپ کے ابا و اجداد کا بھی، ابراہیم و اسحٰق و اسماعیل علیہم السلام کا بھی اور برحق معبُود ہے اور وحدہٗ لاشریک بھی ہے وہ ازل سے مستحقِ عبادت ہے اور ہمیشہ کے لئے اُسی کی شان قائم ہے اور ہم بھی اُسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور اُسی کے فرمانبردار ہیں۔

دراصل اسلام ہی دینِ حق ہے اور ہمیشہ سے جب سے یہ انسان دنیا پہ آیا ہے یہی دینِ حقہ رہا ہے اگرچہ مختلف ادوار میں بے شک نام مختلف ہوں، دینِ موسوی یا عیسوی کہا جائے یا یہودی یا نصرانی۔ ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں کہ توحیدِ باری آخرت، حشر و نشر، جنت و دوزخ، فرشتے وغیرہا۔ جملہ اخبار اور عقائد ایک ہی ہیں۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام نے تعلیم فرمائے۔ ادیان میں اگر تفاوت ہے تو عبادات میں ہے اوقاتِ عبادات یا طریقِ عبادات میں ہے معبُود ایک ہی ہے اور یہ فرق بھی کمال اطاعت ہی کو ظاہر کرتا ہے کہ جب اور جو حکم ملا اس کی تعمیل کی اور حق اطاعتِ اسلام میں نبی آخر الزماں ﷺ دے رہے ہیں۔ جو تمھارے حلق سے نہیں اُترتی اور تمھارا خیال ہے کہ تمھیں صرف اسرائیلی یا ابراہیمی ہونے کا دعوےٰ ان کے اعمالِ خیر میں حصہ دار بنا دے گا۔ ایسا ہرگز نہیں! بلکہ

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ .... عما کانوا یعملون۔

یہ ایک جماعت تھی، ایک طبقہ تھا، مقدس بزرگوں کا گروہ تھا۔ اس چند روزہ چمن کی زینت بنا، اسے رونق بخشی اور

دار البقا، کو سُدھارا تو جو کچھ انھوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے ان کی بھلائیاں اور ان کے مجاہدے ان ہی کے لیے باعثِ اجر اور باعثِ رضا ہیں۔ تمھیں تو وہ ملے گا جو تم کماؤ گے کیونکہ ان کے بارے تم جوابدہ بھی نہیں ہو۔ یعنی اگر بزرگوں کی جگہ کسی کو جواب دینا پڑے تو کیا کہے گا یقیناً کہے گا اللہ! میں اس وقت پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ اگر میرے بزرگوں نے کوئی غلطی کی ہے تو مجھے اس کی سزا ہرگز نہ دے۔ جب یہاں یہ کلیہ جانتے ہو تو وہاں بھی یہی بات ہوگی کہ جن بزرگوں نے نیکیاں کی ہیں ان کا بدلہ بھی کرنے والے ہی پائیں گے۔ ہاں! تم اُن کا اتباع کرو، خوب محنت کرو، عقائد و اعمال میں ان کی اطاعت کرو تو بات بنے گی ورنہ نہیں۔ نہ صرف خود کو بلکہ ان کے اسوہ حسنہ کو اپناتے ہوئے اپنی اولاد تک کو دین پر لگاؤ اور اپنے اہل و عیال میں جذبۂ تسلیم پیدا کرو۔

وقالوا کونوا ھودًا .... ماکان من المشرکین۔

اب اُن کا دعویٰ ہے کہ دینِ حق یہودیت یا نصرانیت ہے اور دونوں اپنے اپنے حق پر ہونے کے مدعی ہیں اگرچہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور نصرانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں مگر اپنی اپنی جگہ نہ صرف یہ دونوں بلکہ مشرکین بھی خود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو بتاتے ہیں۔ یہ ان کی شانِ امامت ہے کہ مشرک باوجود مبتلائے شرک ہونے کے ان کا احترام بجا لاتے ہیں اور یہود و نصاریٰ خود کو ملتِ ابراہیمی کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے تو ان سے فرمایئے کہ جو ہستی تمھارا مرکزی نکتہ ہونے کی حیثیت رکھتی ہے اور جس پیرو ہونے کے سب مدعی ہو وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں البتہ ان کی روش پر اتحاد ہو سکتا ہے مگر وہ تو ہرگز مشرک نہ تھے بلکہ کلیتہً راہِ راست پر چلنے والے تھے۔

بعض لوگوں نے دعویٰ تو نیکوں اور سلف صالحین کی محبّت کا کر رکھا ہوتا ہے مگر عقائد و اعمال اپنی طرف سے وضع کر لیے ہوتے ہیں۔ یہاں شہادت یہ ملتی ہے کہ ان کو بزرگوں سے کوئی نسبت نہیں اگر واقعی نسبت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو عقائد و اعمال میں ان کا اتباع اختیار کریں۔ اگر یہ بات اللہ مسلمانوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے تو بے شمار اختلافات ختم ہو سکتے ہیں اہلِ حق کو مناسب نہیں کہ باطل کی طرف جھکیں بلکہ حق یہ ہے کہ اس طرف کے لوگوں کو حق کی طرف بلایا جائے۔

قولوا اٰمنا باللہ .... ونحن لہٗ مسلمون۔

ان سے کہیئے کہ نہ صرف رسُول اللہ ﷺ بلکہ سب مسلمان جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو سب سے مخاطب وحی تھے اور جب یہ آیات نازل ہوئیں تو وہی لوگ موجود تھے کہ ہم تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کو معبودِ حقیقی اور وحدہٗ لاشریک جانتے ہیں اور جب اسے حاکمِ مطلق تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کے نازل کردہ کلام سے مجالِ سرتابی نہیں۔ جو اس کی طرف سے نازل

ہوتا ہے تسلیم کرتے ہیں نہ صرف اب بلکہ جب بھی اور جس پر بھی نازل ہوا ان تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کی کتابوں سمیت برحق تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں یا اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام ہوں یا یعقوب علیہ السلام یا اُن کی اولاد میں سے مختلف انبیائے کرام یا موسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم تو سب کی نبوت کو حق مانتے ہیں اور کسی میں تفریق نہیں کرتے کیونکہ ہم تو اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر چکے۔ اب اس کے کسی نبی سے مجالِ سرتابی نہیں نہ اس کے حکم کے خلاف ہو سکتا ہے اور فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا اگر یہ ایمان لے آئیں تمہاری طرح، تو ہدایت پا گئے اور اگر یہ معیار پورا نہ کر سکیں تو پھر ضد پر یہ لوگ ہیں اگرچہ تعداد میں یہ زیادہ یا اسبابِ دُنیا میں یہ مضبوط بھی ہوں پھر ان کی ضرورت نہیں۔ آپ کی طرف سے اللہ تعالیٰ ان سے نپٹ لے گا کہ وہ تو سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔

صحابہ کا ایمان معیاری ایمان

یہاں ایمانِ صحابہؓ کو معیارِ ایمان و حق پرستی قرار دیا ہے اور اگرچہ اس وقت کے مخاطب تو مقامی لوگ تھے مگر قرآن اور اس کی تعلیمات ہمیشہ کے لیے ہیں تو ہمیشہ کے لیے معیارِ حق بھی حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ہوں گے اور ان کے خلاف کرنے والا محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کو چھوڑنے والا ہو گا۔ اللہ کا علم کامل ہے وہ خود خالق ہے اس نے ان کو وہ معیارِ صداقت و حق پرستی ودیعت فرمایا اور انھیں ہمیشہ کے لیے حق کی کسوٹی قرار دیا اور انھیں رفاقتِ امام الانبیاء ﷺ کے لیے پسند فرمایا۔

اب اگر خدانخواستہ کسی کو ان سے اس قدر اختلاف ہے کہ وہ خود کو مسلمان جانتا ہے اور ان کو معاذ اللہ کافر۔ تو یہ کفر اُس کی طرف لوٹے گا کہ وہ حقیقتاً حق پر ہیں۔ سو ایسا شخص کافر ہو گا یا کوئی عادل نہیں سمجھتا انھیں، تو ظالم وہ خود ہو گا وہ عادل ہیں وعلیٰ ہذا۔ چونکہ اللہ نے ان کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے اور ابھی ابھی اہلِ کتاب پر یہ اعتراض گزرا ہے کہ تم مدعی تو حق پرستی کے ہو لیکن تمہارے کردار سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ تو معاذ اللہ۔ اگر صحابہؓ کا کردار معیاری نہ ہوتا تو اللہ کریم انھیں بھی معیارِ حق نہ گردانتا۔ اس لیے ایسا سوچنا درست نہیں "یہ تو عقیدہ عقیدہ کی بات ہے۔" اس سے تعاملِ صحابہؓ کا عدل کیسے ثابت ہوا بھئی! ذرا بمثل ما اٰمنتم بہٖ پر پھر غور کرو، کیا ایمان بغیر عمل کے اللہ کے ہاں معیاری ایمان ہو سکتا ہے ہرگز نہیں، اور پھر ان کی مخالفت پہ یہ وعید کہ فسیکفیکھم اللہ یعنی اے اللہ کے نبی! آپ کی طرف سے اللہ ان لوگوں سے سمجھ لے گا جو آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے یا اُن کی طرح آپ ﷺ کے خادم نہیں بن سکتے۔

حضرت عثمان ذی النورین معدن الحیاء والایمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ جب ظالموں نے پہلا وار کیا تو چونکہ آپ رضی اللہ عنہ

تلاوت فرما رہے تھے خون اسی لفظ مبارک پر گرا اور اس مظلوم شہید کے بعد برسوں خون کی ندیاں بہتی رہیں اور ایک وبالِ عظیم آیا، کہ محتاط اندازے کے مطابق ستر ہزار افراد بعد کے برسوں میں قتل ہوئے۔ سو یہ بات واضح ہے کہ جتنا کسی کو صحابہؓ سے اختلاف ہوگا اُسی قدر وہ غضبِ الٰہی کی زد میں ہوگا۔ اعاذنا اللہ منہا اُن سے کہیے کہ،

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہٗ عابدون۔

محض کپڑے رنگنے سے مذہب نہیں بنتا جیسے نصاریٰ پیدا ہونے والے بچے کو رنگدار پانی میں ڈبو کر سمجھ لیتے کہ اب نصرانی ہو گیا۔ یہ بات درست نہیں بلکہ رنگ تو اللہ کا ہے جو عقائد و نظریات اور اعمال و کردار سے جھلک رہا ہو۔ انسان کی زندگی سے ہویدا ہو۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں سے تھا کہ انھیں کو حکم ہو رہا ہے کہ ان سے کہو ہمارے شب و روز دیکھو، ہماری صلح اور جنگ کو دیکھو، ہمارے کاروبار اور سیاست کو دیکھو، تمھیں ہر جگہ ہر حال میں اللہ کا رنگ نظر آئے گا جس سے بہتر کوئی رنگ ہو نہیں سکتا اور ہم تو اس کے دست بستہ خادم ہیں ہمارا مقصدِ حیات اس کی عبادت اور ہر گام پر اس کی اطاعت ہے۔

یہاں تمام فرقِ باطلہ کی تردید ان چند مبارک الفاظ میں کر دی گئی۔ جیسے کسی نے ذات و صفاتِ باری میں یا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یا ملائکہ کے وجود میں کسی طرح کی کمی بیشی کی مردود ہوگا کہ وہ دورِ رسالت اور عہدِ رسالت میں مفقود ہے۔ نہ انبیاءؑ کو خدا کی صفات میں شریک کرے نہ ان کی عظمتِ شان میں فرق آئے۔ اسی طرح کسی نے ظلی یا بروزی نبی کا اعتقاد صحابہؓ میں موجود نہیں تو ایسا اعتقاد مردود ہوگا یا حشر و نشر میں کھینچ تان کر کے حشرِ اجساد کی بجائے حشرِ روحانی اور عذاب و ثواب روحانی یا میزانِ اعمال وغیرہ میں باطل تاویلیں کر کے یہ سمجھنا کہ دین کی خدمت کی ہے، درست نہیں، بلکہ آخرت کے تمام حالات و واقعات جس طرح قرآن و سُنت میں موجود ہیں ان پر بغیر تاویلات کے ایمان لانا ہی صحابہؓ کی موافقت اور مقبولیت کی دلیل ہے۔

قل اتحاجوننا فی اللہ .... ونحن لہٗ مخلصون۔

بلکہ ایسا کرنے والوں سے فرما دیجیے کہ تم اللہ کے معاملے میں ہم سے کٹ حجتی کرتے ہو، جو ہمارا پروردگار ہے جس کی ربوبیت کے ہم قائل ہیں اور جس کے احکام سے سرتابی ہماری مجال نہیں۔ مگر کھاتے تو تم بھی اُسی کا ہو۔ رب تو تمھارا بھی وہی ہے۔ یاد رکھو ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تم اپنے کیے کا پھل پاؤ گے۔ جبکہ ہم سارے کام خلوصِ دل سے اُس کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور تم محض دُنیا میں اپنا بھرم رکھنے کے لئے حجت بازی کر رہے ہو۔ اور یہ تم کہتے ہو کہ،

ام تقولون ان ابراھیم .... وما اللہ بغافلٍ عما تعملون۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل و اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور اُن کی اولاد تو یہودی یا نصرانی تھے تمھارا علم زیادہ معتبر یا اللہ

خوب جانتا ہے جس نے بذریعہ وحی ان کا ملتِ اسلامیہ پہ ہونا ثابت کردیا ہے اور تم تو وہ ظالم ہو جنہوں نے اللہ کی اس شہادت کو جو تمہارے پاس ہے چھپا رکھا ہے کہ خود نبی کریم ﷺ کے متعلق۔ آپ ﷺ کا زمانہ مبارکہ۔ آپ ﷺ کا حلیہ مبارکہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے صاف اور واضح دلائل تمہاری کتابوں میں موجود ہیں۔ جن کو تم خود محض دُنیا کے لالچ میں نہ صرف قبول کرنے سے اعتراض کرتے ہو بلکہ دُوسروں تک پہنچنے سے بھی روکتے اور لوگوں سے چھپاتے ہو تو جب اللہ کے اس عظیم رسول ﷺ سے جو تمہارے سامنے تشریف رکھتے ہیں تمہارا یہ سلوک ہے تو جو حضرات تشریف لے جا چکے اُن کے بارے غلط بیانی کرنے سے کب چُوک سکتے ہو۔ مگر یاد رکھو! اللہ تمہارے کرتوتوں سے باخبر ہے۔

تلك امة قد خلت .... ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔

یہ اُن مقدس بزرگوں کی ایک جماعت تھی جو گزر چکی۔ اپنا فریضہ بجالا کر تشریف لے جا چکے اُن کی اچھائی اُن کے لئے ہے تمہیں تو وہی ملے گا جو تم کروگے کہ ان کاموں کی تم سے پوچھ بھی تو نہ ہوگی۔ ان کی طرف سے تم جوابدہ بھی تو نہیں ہو۔ پھر اُن کی اچھائیوں کے وارث کہاں سے ٹپک پڑے۔ ہاں! ان کا عقیدہ اور عمل اپناؤ اور اس پر ثابت قدم رہو۔ ورنہ محض دعوے اُن کی محبت کا، اور تکمیلِ خواہشاتِ نفس کی۔ یہ چالاکی اللہ کے ہاں نہ چل سکے گی۔

رکوع نمبر ۱ آیات ۱۴۲ تا ۱۴۷ سیقول ۲

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

احمق لوگ کہیں گے کہ مُسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اُس سے کیوں مُنہ پھیر بیٹھے تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب خُدا ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے ﴿١٤٢﴾

142. The foolish of the people will say: What hath turned them from the *qiblah*[19] which they formerly observed? Say: Unto Allah belong the East and the West. He guideth whom He will unto a straight path.

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔ اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اور یہ بات (یعنی تحویلِ قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو خدا نے ہدایت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یونہی کھو دے۔ خدا تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحبِ رحمت ہے ﴿١٤٣﴾

143. Thus We have appointed you a middle nation, that ye may be witnesses against mankind, and that the messenger may be a witness against you. And We appointed the *qiblah* which ye formerly observed only that We might know him who followeth the messenger, from him who turneth on his heels. In truth it was a hard (test) save for those whom Allah guided. But it was not Allah's purpose that your faith should be in vain, for Allah is full of pity, Merciful towards mankind.

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

(اے محمدؐ) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دینگے تو اپنا منہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو۔ اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اُسی مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ (نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں خدا اُن سے بےخبر نہیں ﴿۱۴۴﴾

144. We have seen the turning of thy face to heaven (for guidance, O Muhammad). And now verily We shall make thee turn (in prayer) toward a *qiblah* which is dear to thee. So turn thy face toward the Inviolable Place of Worship[20] and ye (O Muslims), wheresoever ye may be, turn your faces (when ye pray) toward it. Lo! those who have received the Scripture know that this Revelation) is the Truth from their Lord. And Allah is not unaware of what they do.

وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور اگر تم ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے کر آؤ تو بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہ کریں۔ اور تم بھی اُنکے قبلے کی پیروی کرنیوالے نہیں ہو۔ اور ان میں سے بھی بعض بعض کے قبلے کے پیرو نہیں۔ اور اگر تم باوجود اس کے کہ تمہارے پاس دانش (یعنی وحی خدا) آچکی ہے اُن کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے ﴿۱۴۵﴾

145. And even if you broughtest unto those who have received the Scripture all kinds of portents, they would not follow thy *qiblah*, nor canst thou be a follower of their *qiblah*; nor are some of them followers of the *qiblah* of others. And if thou shouldst follow their desires after the knowledge which hath come unto thee, then surely wert thou of the evil-doers.

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اِن (پیغمبر آخرالزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے ﴿۱۴۶﴾

146. Those unto whom We gave the Scripture, recognise (this revelation) as they recognise their sons. But lo! a party of them knowingly conceal the truth.

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

(اے پیغمبر یہ نیا قبلہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا ﴿۱۴۷﴾

147. It is the Truth from thy Lord (O Muhammad), so be not thou of those who waver.

اسرار و معارف

کچھ بیت اللہ شریف کے بارے میں

یوں تو یہود و نصاریٰ ہر طرح سے لاجواب ہو گئے مگر اُن کے یہ اعتراضات کہ برحق نبی کو سمتِ قبلہ تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کس چیز نے مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کیا ہے اور کیا پہلا قبلہ دُرست نہ تھا؟ اگر ایسا ہے تو پہلی نمازیں کیا ہوئیں یا جو لوگ اس تبدیلی سے پہلے فوت ہو گئے اُن کا کیا ہو گا؟

یہ سوال کج فہموں کے ذہنوں سے چپک گئے۔ کج فہم اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر طبیعت میں راستی اور فہم میں دُرستی ہو

"لایعنی باتیں اور فضول بحثیں طبعاً ناپسندیدہ ہو جاتی ہیں اور ذہن دُرست باتوں کو قبول کرتا ہے کہ راستی کا یہی خاصہ ہے۔

یہاں اللہ کریم نے ان تمام لوگوں کی اس غلط سوچ کا جواب ارشاد فرمایا ہے اسی لئے ارشاد ہوا کہ السفہا من الناس کہ بے وقوف لوگ اس بات کو بہت اہمیّت دیں گے کہ جی! تبدیلیٔ قبلہ کوئی معمولی بات تو نہیں یہ کیسے ہو گئی؟

بات ذرا قبلہ کے بارے ہو جائے تو مناسب رہے گا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو انھوں نے بحکمِ الٰہی کعبۃ اللہ تعمیر فرمایا، جسے قبلۂ اوّل یعنی وہ مرکز جس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی جائے، مقرر کیا گیا۔ ان اول بیت وضع للناس۔ اس مقام کو اس نسبت سے کہ یہ قبلہ ہے تجلیاتِ ذاتی کا شرف نصیب ہُوا اور معنوی لحاظ سے واقعی کائنات کا مرکز بنا۔ اگرچہ دنیوی اور جغرافیائی لحاظ سے بھی یہ مقام مرکزی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے عہد تک یہ دُرست حالت میں رہا مگر طوفانِ نوح نے جب رُوئے زمین کو اپنی لپیٹ میں لیا تو کعبہ بھی ختم ہو گیا۔ لیکن صرف گارا مٹی اکھڑ گیا۔ باطنی اور رُوحانی مرکزیّت یا تجلیاتِ باری جو اس کے ساتھ مختص تھیں وہ طوفان سے متاثر تو نہ ہو سکتی تھیں اس لئے اس کی دوبارہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہُوئی۔

اس وقت تک یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جو ارد گرد کے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان موجود تھی پھر بیت المقدس تعمیر ہوا اور اُسے سمتِ عبادت یا قبلہ ہونے کا شرف حاصل ہوا کہ اکثر نبی اس علاقے میں مبعوث ہوئے نیز ان کی نبوت عالمگیر تو تھی نہیں، خاص اقوام اور خاص علاقوں کے لئے تھی۔ جن کو ایک دُور دراز اور لق و دق صحرا میں کھڑے سیاہ فام پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی جگہ کی طرف متوجہ کرنا شاید ان لوگوں کو مصیبت میں ڈال دیتا۔ اللہ کریم نے ان پر آسانی فرمائی اور بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا جس کو وہ جانتے تھے جہاں ان کی رسائی آسانی سے ہو سکتی تھی اور وہاں عبادت کر سکتے تھے۔ انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ یہی رہا۔ ابتدائے اسلام میں بھی جب تک بیت اللہ شریف کو دوبارہ قبلہ بنانے کا حکم نازل نہ ہُوا۔ نمازیں اُسی طرف منہ کر کے ادا کی جاتی رہیں۔

آپ بیت اللہ سے بہت اُنس رکھتے تھے

مگر نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کعبۃ اللہ کی طرف مائل تھی مزاج مبارک میں شدید تقاضا پیدا ہوتا تھا جس کی وجہ یہ لکھی جاتی ہے کہ چونکہ بناء ابراہیمی تھی۔ ممکن ہے یہ وجہ بھی ہو مگر میری ناقص رائے میں اصل وجہ اس مقام کا وہ خاص شرف ہے جو اسے حاصل ہے دُنیا میں صرف دو قوموں کو یہ سعادت حاصل رہی ہے اور یہ صرف زبانی حکم ہی نہیں کہ محض ایک مرکزی جگہ یک جہتی پیدا کرنے کے لئے

مقرر ہو گئی بلکہ اس کے ساتھ اس مقرر شدہ جگہ کو خصوصی تجلیات سے نوازا گیا تو اس لحاظ سے بیت اللہ کی عظمت بیت المقدس سے بڑھی ہوئی ہے جس کی دلیل وہ حدیث مبارک ہے جس میں ارشاد ہے کہ بیت المقدس کی ایک نماز کا اجر پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور بیت اللہ کی ایک نماز کا اجر ایک لاکھ کے برابر۔

یہاں تک تو بات ہر ایک کے سامنے ہے اس کے ساتھ جو بات صرف خواص کے لئے ہے وہ یہ ہے کہ اگر بیت المقدس پہ نگاہ کی جائے تو عرش نہم کے آخر سے نور کا ایک دھارا شروع ہوتا ہے جو بیت المقدس سے گزرتا ہوا دوسری طرف نویں عرش کی انتہا سے جا ملتا ہے اب اس کو یوں سمجھیں کہ یہ زمین یا انسانوں کی بستی ہمیشہ اوپر کو متوجہ رہتی ہے اس کے اوپر آسمان ہیں۔ جو یہاں سے چودہ ہزار سالہ راہ کی دُوری پر ہیں۔ تمام سیارے اسی جو آسمانی میں ہیں۔ اور آسمان سب کو محیط۔ آسمان سات ہیں، اور پھر اُن کے اوپر عرش ہے جہاں سے عرش الٰہی شروع ہوتا ہے اور جس مقام کو اصطلاح صُوفیہ میں مقام احدیت کہا جاتا ہے۔ وہ آسمان اول سے چھتیس ہزار سالہ راہ ہے یعنی زمین سے پچاس ہزار سالہ راہ۔ یہ رُوح کی ذاتی رفتار کی نسبت سے ہے جو روشنی کی رفتار سے لاکھوں گنا زیادہ ہوتی ہے لیکن اگر اسے توجہ نصیب ہو جائے تو پھر ہزاروں سال ایک لمحے میں سما جاتے ہیں۔

جس طرح آسمان ساری دُنیا پہ محیط ہے اسی طرح عرش آسمانوں کو محیط ہے اور مرکز زمین سمیت عرش تک جو کچھ ہے یہ عرش کے سامنے ایسے ہے جیسے کسی صحرا میں ایک انگوٹھی ڈال دی جائے یہ وُسعت پہلے عرش کی ہے جبکہ دوسرا عرش اپنی وسعت میں پہلے عرش سمیت ساری کائنات سے اُسی طرح وسیع ہے تاآنکہ نو عرش ہیں اور نواں عرش آٹھ عرشوں سمیت ساری مخلوق کو اپنی گود میں اسی طرح لئے ہوئے ہے جیسے صحرا کسی انگشتری کو۔

ان فاصلوں کو جاننا انسان کے بس کی بات نہیں اللہ کسی کو اس قدر وسیع نگاہ دے دے تو قادر ہے اور اُس کی عطاء سے ممکن ورنہ ساری ساری عمریں محنت پہ صرف کر کے منازل عرش تک پہنچنا ہر ایک کو نصیب نہ ہوا، اور بہت کم صاحب حال عرش پر قدم رکھ سکے۔ پھر نو عرش تو بہت بڑی مسافت کا نام ہے۔ نویں عرش کی چھت عالم خلق کی انتہا ہے اس کے آگے عالم اَمر ہے مخلوق کا وہاں گزر نہیں۔ سوائے اس کے جو متعلق ہی عالم امر سے ہو کوئی وہاں پر نہیں مار سکتا یہ صرف رُوح ہے جو اُسی عالم سے ہے اور جس کو وہاں جا کر ہی چین نصیب ہوتا ہے۔

اہل اللہ کے مقامات

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عالم امر میں پہنچنے والا مرد خدا بمشکل گھر پہنچ پایا۔ اصل ترقی اس سے آگے ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ عالم امر میں پہنچنا ہی بہت کم نصیب ہے۔ اگر کوئی چاہے، تو

متحدہ ہندوستان کے اولیائے کرام کو گن لے بمشکل آٹھ دس حضرات کی رسائی عالم امر میں ہے جیسے شہباز قلندر، بوعلی قلندر، خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت علی ہجویری المعروف داتا صاحب رحمہم اللہ تعالےٰ، حضرت علی ہجویری جو شاہی قلعہ لاہور کے نیچے دفن ہیں غالباً تعمیر قلعہ کے وقت قبر مبارک نیچے آگئی جو اس وقت معدوم ہو چکی ہوگی۔ بھیرہ ضلع سرگودھا میں ایک ایسی ہستی زمانہ قدیم سے دفن ہے جو کفار کے ہاتھوں شہید ہو کر کنوئیں میں پھینکے گئے اب اُن کی قبر پہ آبادی ہے۔ ریاست دیر میں ایک ہستی دفن ہے۔ ایک سید نذیر علی شاہ ہیں جو آزاد کشمیر میں دفن ہیں۔ اور شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اس سرزمین پر سب سے بلند منازل انہی کی ہیں یا کوئی اور بھی ہو جس تک میری کمزور نگاہ نہ پہنچ پائی ہو۔ بہرحال گنتی کے افراد عالم امر میں قدم رکھ سکے۔ باقی تمام اہل اللہ اُسی کی طرف رواں رہے۔

یہاں خدانخواستہ کسی کی شان کو کم کر کے دکھانا نہیں بلکہ عالم امر کی بلندی کا اظہار ہے۔ ورنہ میں خود کو تمام اہل اللہ کی خاکِ پا سے کمتر جانتا ہوں۔ غرض جہاں سے عالم امر شروع ہوتا ہے وہاں سے انواراتِ باری اور تجلیاتِ ذاتی بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر اس میں سے گزرتے ہوئے دوسری طرف عالم امر سے جا ملتے ہیں

اب اس سے آگے چلیں تو عالم امر کے دوائر شروع ہوتے ہیں جو تقرب، توکل، صبر، تسلیم، خلہ، محبت، محبیت، محبوبیت وغیرہ ذالک کے ناموں سے موسوم ہیں۔

ان میں پہلا دائرہ یعنی مقام تقرب نو عرشوں اور ساری مخلوق کے مقابلے میں اس قدر وسیع ہے جیسے صحرا انگوٹھی کے مقابل اور دوسرا پہلے دائرے سمیت سب سے اس قدر بڑا۔ غرض ہر اُوپر والا دائرہ اسی نسبت سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ہے۔ انیسواں دائرہ حقیقتِ کعبہ کا ہے اور وہاں سے ذاتی تجلیات ایک نوری ستون کی شکل میں بیت اللہ پر وارد ہو کر دوسری طرف عرشوں سے گزرتی عالم امر کے دوائر کو طے کرتی ہوئی دائرہ حقیقت کعبہ سے جا ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیت اللہ تمام انبیاء کی محبوب ترین جگہ رہا ہے جن کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان کو بھی بیت اللہ سے محبت اپنی جگہ پر تھی اور بیت المقدس کی تعظیم اپنی جگہ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر انبیاء جن کی قومیں تباہ ہوئیں ہجرت کر کے یہاں آگئے اور اس بے آباد صحرائی پہاڑی کے طواف کرتے رہے جہاں کعبہ کی بنیادیں تھیں۔ یہیں فوت ہوئے اور زمانے کی ہواؤں نے گرد اڑا اڑا کر ان نورانی پیکروں کو دفن کرنے کا اہتمام کیا۔

اگر دیکھا جائے تو صرف مطاف کے نیچے تقریباً ننانوے نبی دفن ہیں جو اسی طرح آئے واصل بحق ہوئے اور ہوا نے ان پر مٹی ڈال دی جو قدرتی عمل تھا رفتہ رفتہ دفن ہوتے رہے میری ناقص رائے میں حضور اکرم ﷺ کی کعبۃ اللہ سے محبت کی

زیادتی کا بڑا سبب یہی تھا۔

یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ جہاں تصویر یا بُت ہو وہاں شیطان کا ٹھکانہ ہوتا ہے اور رحمت متوجہ نہیں ہوتی بلکہ ایک طرح کی نحوست ہوتی ہے اور جس مکان میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوں اور پھر ان کی پُوجا بھی کی جاتی ہو انھیں حاجت روا اور معبود سمجھا جاتا ہو۔ ان کے آگے سجدے کیے جاتے ہوں۔ ان پر نیازیں چڑھائی جائیں تو اس جگہ پر کیا حال ہو گا۔ مگر سب کے باوجود حضور ﷺ کی چالیس سالہ قبل بعثت کی زندگی اور تیرہ سالہ بعثت کے بعد کی مکی زندگی تقریباً وہیں گزری کہ عبادت بھی وہیں فرماتے اور اکثر دن کا آرام بھی بیت اللہ کے سائے میں ہی کرتے تو کیا ان بُتوں کی وجہ سے آپ ﷺ کو کراہت نہ ہوتی تھی۔ اس کا جواب صاف ہے کہ تجلیاتِ باری وہاں اس طرح متوجہ ہیں کہ جیسے سمندر موجزن ہو۔ وہاں چند تنکے پھینک دینے سے نہ ذائقہ متاثر ہوتا ہے نہ رنگ۔ اور یہی حال اب بھی ہے کہ گو بُتوں سے خالی ہے مگر بدکاروں سے تو پُر ہے۔ اکثر لوگ حج کے نام پر پکنک مناتے ہیں مگر کیا مجال کہ اس کی روشنی میں فرق آئے۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہاں سے بدی کو مٹانا ضروری ہے کہ اللہ کے گھر میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو مگر کوئی فعل اس کی نورانیت میں فرق نہیں لا سکتا۔

یہ سب باتیں تو شاید کم لوگوں کے لیے لکھی گئیں مگر اتنا تو ہر آدمی جان سکتا ہے کہ وہاں داخل ہونے والے ہر مسلمان کو ایک خاص حضوری حاصل ہوتی ہے اور وہ دنیا اور مخلوق سے بے پرواہ ہو کر اللہ سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے عام آدمی سے لے کر بادشاہ تک رو رہے ہوتے ہیں، دھاڑیں مار مار کر اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ رہے ہوتے ہیں اور ذرا خیال نہیں کرتے کہ کوئی کیا کہے گا۔ بھئی! کون کسی کو کہے گا سب کا حال یہی ہوتا ہے۔

تو اطاعتِ الٰہی میں حضور ﷺ اور آپ کے جاں نثار نماز تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے مگر آپ ﷺ کے دل میں یہ آرزو تھی کہ اللہ ہمارا قبلہ بیت اللہ شریف کو مقرر فرما دے۔ سو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ شرف بخشا۔ مگر بعد ہجرت مدینہ منورہ میں بھی تقریباً سولہ مہینے گزرنے کے بعد۔ اب نا اہلوں کو طعنے کی سُوجھی۔ انھیں ان باتوں سے کیا مَس اور اس حال کی کیا خبر۔ سو اللہ نے ان کا جواب یوں ارشاد فرمایا کہ استقبالِ قبلہ سے خود مقامِ قبلہ کو سجدہ کرنا مقصود نہیں بلکہ ایک سمت اور مرکز ہے معبُود تو اللہ ہے اور ہم کو اسی کی اطاعت کرنا ہے جدھر اس نے حکم دیا اُدھر رُخ کر لیا کہ تمام سمتیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر جا موجُود ہر آن موجود ہے یہ تو اس کی عنایت ہے کہ بندوں کو ایک مرکز بخش کر تشتت و افتراق سے بھی محفوظ فرمایا۔ اخوتِ اسلامی کا ظہور بھی ہو، یک جہتی اور یک رنگی بھی نصیب ہوئی اور اس مرکز کے فیوضاتِ روحانی و باطنی بھی جو اصل مقصود ہیں حاصل ہوئے تو وہ کسی جگہ کی ذاتی

خوبی نہیں بلکہ اللہ کی مرضی جسے چاہے بخش دے اور جس قوم کو جو قبلہ پسند فرمائے عطا کرے وہ سمتوں کا پابند نہیں۔ اس کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ یہ بات تو سادہ سی ہے مگر راہِ ہدایت ہے نیکی کی بات ہے اور سیدھی بات اُسی کو سمجھ آتی ہے جسے اللہ توفیقِ ہدایت دے اگر وہ فہمِ سلیم ہی عطا نہ کرے تو سیدھی بات بھی ٹیڑھی نظر آتی ہے یہاں کوئی یہ نہ سوچ لے کہ ہدایت تو اللہ نے عطا۔ فرمانی ہے اب میرے بس میں کچھ نہیں۔

ہدایتِ باری کا مدار "انابت الی اللہ" ہے

اللہ نے اس کا بھی فیصلہ فرما دیا ہے کہ یھدی الیہ من ینیب۔ یعنی جس کے دل میں اللہ کی طلب یا ہدایت کی خواہش پیدا ہو۔ اللہ اسے ہدایت دیتا ہے اگر کوئی چاہے ہی نہیں تو زبردستی ٹھونسنا ربُوبیت کی شان نہیں کہ ہدایت عطا۔ فرمانا بھی تو اس کی ربوبیت کا خاصہ ہے۔ سو جہاں طلب ہوگی وہاں بفضل اللہ ہدایت بھی ضرور ہوگی اور جو دل طلب اور انابت ہی سے خالی ہوں گے وہاں ہدایت کا وجود بھی عنقا۔

وکذالک جعلنکم امۃ وسطاً .... شھیدًا۔

اور اے جماعت مومنین ! ہم نے تو تمھیں ایک معتدل اُمت بنایا ہے یعنی ان کو صرف تحویلِ قبلہ کا اعتراض سُوجھا اور بڑی بے دے کرتے ہیں کہ معاذ اللہ مسلمانوں کا نبی دین کے معاملہ میں حیران ہوگیا یا مشرکین کا قول کہ اب مسلمان ہمارے قبلے کی طرف پلٹے۔ آہستہ آہستہ ہمارا دین بھی قبول کرلیں گے یا یہود کا الزام کہ مسلمانوں نے حسد کی وجہ سے قبلہ تبدیل کرلیا ہے مگر ان کی نگاہِ نارسا اور باتوں کو نہ جان سکی۔ حالانکہ تمام امُور میں یہ اُمت اعتدال پر رکھی گئی ہے کہ ایمانیات تو ہمیشہ سے ایک ہی تھے۔ اور ایک ہی رہیں گے۔ توحیدِ باری، حیات بعد الموت، حشر و نشر، جنت و دوزخ یا فرشتے اور جن۔

یہ سب حقائق اور انبیاء کی نبوت پر ایمان تو ہر دیندار قوم میں رہا مگر رضائے باری کے حصُول کے طریقے ہر اُمت کے اپنے تھے۔ کفار نے تو ایمانیات میں بھی کبھی خدا کے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کیں تو دُوسروں نے اسے دیوتاؤں کا محتاج بنا دیا۔ کسی نے اس کو بُتوں میں ڈھونڈنا چاہا تو دوسروں نے انسانوں میں اس کا حلُول مان لیا۔ لیکن اس اُمت نے ان تمام افراط و تفریط کی راہوں سے جُدا راہِ صداقت کو واضح کیا کہ اللہ کی عظمت اور ذات و صفات میں اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ انبیاء کا مقام پہچانا۔ صحابہؓ اور اولیاء اللہ کو ان کے اپنے مقام پر تسلیم کیا۔ نہ یہ کہ ان کی عظمت کا انکار کیا اور نہ ان کو بڑھا کر خدائی میں حصہ دار بنایا جیسا کہ پہلے سے گمراہ فرقے کرتے چلے آرہے تھے کہ انکار دیکھو تو انبیاء کو قتل کرتے تھے اور اقرار پر آئے تو بندوں کو خدا مان لیتے۔

اُمّتِ وسط

اس اُمت نے اعتدال کی راہ اپنائی اور صاف ستھرے عقائد اہلِ عالم کے سامنے رکھے۔ عبادات میں اہلِ باطل کو کہنا ہی کیا ہے کہ ایک انسان کی پوجا کرتے اور دوسروں کے بچے ذبح کر دیتے تھے یا ہندوستان کو لیں تو ایک طرف عورت کو خاوند کی نعش کے ساتھ جلا دینا عبادت اور دوسری طرف جانور کو ذبح کرنا ظلم کہ یہ گاؤ ہتیا ہے یا کیڑوں کو بچانے کے لئے پاؤں تلے گدیاں باندھ لینا۔ اسی طرح مذاہبِ عالم میں بھی عبادات کے لئے رہبانیت اور تنہائی کی زندگی اور جنگلوں میں چلے جانا یا پھر عبادات چھوڑ کر محض ایسے لوگوں کی زیارت ہی پر بیٹھ رہنا۔ مگر اسلام نے عبادات میں بھی راہِ وسط اپنائی کہ علی الصبح اللہ کے سامنے سجدہ ریز۔ پھر اپنے کاروبار اور امورِ دنیا داری پر لگ گئے۔ دوپہر کو کاموں میں سستانے کی چھٹی ملی تو ظہر کی نماز ادا کی۔ یعنی اللہ کی بارگاہ کی حاضری نصیب ہو گئی۔ جب چھٹی کا وقت آیا، کام بند ہوئے تو عصر کی حاضری۔ دن چھپا تو اختتام روز پر سجدہ نصیب۔ اور رات سونے کو چلے تو عشاء پڑھ کر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر۔ یعنی امورِ دنیا بھی پوری طرح انجام پاتے رہے اور مسلسل بارگاہِ الٰہی میں حاضری بھی ہوتی رہی۔

اسی طرح اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کے حصول کے لئے کبھی رہبانیت کی ضرورت پیش نہ آئی کہ صحابہ جو اُمت میں سب سے افضل تھے تمام کام انجام دیتے تھے اور اولیاء اللہ کی صف میں اعلیٰ مقامات کے حامل سب لوگ عام انسانی زندگی گزارتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ تجارت کرتے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات اپنی کھیتی بوتے تھے۔ شیخ عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صوفیاء کے سرتاج درآمد برآمد کا کاروبار کرتے رہے اور حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات زمینداری کرتے تھے۔ کہ آپ کے ایک سو ہل زمین میں چلتے تھے حالانکہ مشائخ سلسلہ میں تھے اور نسبتِ اویسیہ کے بہت بڑے امین تھے۔ مگر بہت اعلیٰ زندگی گزارتے تھے۔

چو فقر اندر عبائے شاہی آمد
ز تدبیر عبید الٰہی آمد

پھر یہود و نصاریٰ یا ہنود کی طرح یا مشرکینِ عرب کی طرح کوئی طبقہ کسی خاص عبادت یا منصب کے لئے مخصوص نہیں ہر مرد و زن بلاتفریق رنگ و نسل تمام کمالات حاصل کر سکتا ہے اسی طرح معاشیات میں نہ تو بھوکا مرنے کی تلقین کہ بس جنگلی پھل کھا کر بسر کرو اور نہ یہ حال کہ محض دنیا پر فریفتہ ہو جاؤ۔ دولت کمانے کی اجازت مگر دوسروں کے حقوق کی حفاظت کے ساتھ کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے بھی ہاتھ آئے۔ اور شانِ فقر بھی قائم رہی اور دین پر اور سُنتِ خیر الانام ﷺ پر کٹ مرنے کا جذبہ

بھی بدرجۂ اتم موجود۔ نہ دولت مند کو لوٹنے کی اجازت نہ اس کو دولت چھپانے کا حکم۔ بلکہ ایک خاص حصہ اُس کے مال میں غرباء و مساکین کا رکھا گیا۔ کہ نہ اُس پر بار ہو اور نہ غریب خالی ہاتھ رہے۔ حکومت و سلطنت کے ساتھ زہد و تقویٰ کی آمیزش اسی اُمت کی خصوصیات میں سے ہے۔

اسی طرح ازدواجی تعلقات میں کہیں بالکل شادی نہ کرنا افضل تصور ہوتا تھا تو کہیں دس دس بلکہ سو سو عورتیں ایک آدمی کی بیویاں نظر آتی تھیں۔ اسلام نے اس میں اعتدال پیدا فرمایا کہ نہ صرف ہندوؤں کی طرح ایک بار ہی شادی پر پابند کر دیا اور نہ ہی کثرتِ ازدواج کو غیر محدود رکھا بلکہ عدل کی شرط کے ساتھ چار تک اجازت بخشی۔ جو ایک صحتمند انسان کو اس کی فطرت کے مطابق سہولت بھی مہیا کرتی ہے اور عورتوں کے حقوق بھی ادا کرنے کا پابند بناتی ہے کہ اگر انسان ایک بیوی پر بسر نہیں کر سکتا تو بجائے بدکاری میں ملوث ہونے کے شادی کرلے مگر بیویوں کے حقوق کی حفاظت کا خیال بھی رہے۔

اسی طرح امورِ سیاست و حکومت بھی ہوں اور عبادت و زہد بھی۔ میدانِ جنگ میں دشمن کے حقوق کا بھی خیال رہے غرض عقائد ہوں یا عبادات، معاشرت ہو یا معاملات، حکومت و سیاست ہو یا فقیری، تمام امور کو اس حسین طریقے میں پرو دیا ہے کہ ایک خوبصورت ہار بنا دیا ہے جو انسانیت کے گلے کی زینت ہے۔

یہ اعتراض کرنے والے بیوقوف صرف تحویلِ قبلہ پر شور مچا رہے ہیں ان کا کیا ہے یہ تمام باتیں جو انہیں اپنے سے مختلف نظر آتی ہیں یہ اُمتِ مرحومہ پر اللہ کے احسانات ہیں اور اس اُمت کو اُمتِ وسطیٰ یا عدل بنایا ہے۔ یہاں سے محققین نے اجماع کا حجت ہونا ثابت فرمایا ہے کہ بحیثیت اُمت یہ اُمت عدل ہے کبھی ساری اُمت خلافِ عدل پر متفق نہیں ہو سکتی۔ نیز یہی عدل ہے جو تمہیں روزِ حشر تمام اُمتوں پر گواہ بنائے گا کہ جب قیامت قائم ہوگی اور دوزخ سامنے تو کفار چلا اُٹھیں گے کہ ہمیں اس غضب کی خبر نہ تھی ورنہ ایسے مظالم ہرگز نہ کرتے۔ تو اللہ کریم پوچھیں گے کہ تمہارے پاس انبیاء کرام تشریف نہ لائے تو وہ کہہ دیں گے آئے تھے مگر یہ بات ہم کو نہ بتائی ورنہ ہم کیا اتنے بیوقوف تھے۔

مادی غلبے کے اثرات انسانی حیات پر

یہ بھی عجیب بات ہے کہ انسان دُنیا میں کیسا بھی ہو، برزخ میں جھوٹ نہیں بولتا ہمیشہ سچی بات کرتا ہے مگر میدانِ حشر میں کافر جان بُوجھ کر جُھوٹ بولے گا۔ شاید برزخ میں فرشتوں کے سوال و جواب کے بعد جو سلوک ہونا ہے وہ وارد ہو جاتا ہے تو جھوٹ بول کر کیا کرے گا۔ اور میدانِ حشر میں ابھی دوزخ کا داخلہ باقی ہے مگر دوزخ سامنے ہو تو کوشش کرے گا کہ شاید کسی طرح چھوٹ جائے۔

دُنیا میں جسم مکلّف بالذات اور رُوح تابع ہے سو جھوٹ بول لیتا ہے برزخ میں رُوح مکلّف بالذات اور جسم اس کے تابع سو رُوح غلط بیانی نہیں کرتا کہ فطرتاً پاک ہے میدان حشر میں جسم اور رُوح برابر مکلّف ہوں گے سو مادی آلودگی کا اثر ہے کہ جھوٹ بولے گا اللہ کریم جانتا خوب ہے مگر اتمام حجت فرمائے گا کہ انبیاء پر سوال ہو گا تو وہ عرض کریں گے بارِ الٰہی! یہ غلط کہتے ہیں۔ ہم نے تیرے احکام پہنچا دیئے بے شک اُمت محمدیہ ﷺ سے پوچھ لیں کہ یہ اُمتِ عدل ہے۔

تو یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ شہادت کے لئے عدل شرط ہے۔ غیر عادل کی شہادت مُعتبر نہیں۔

یہ اُمت پیش ہو کر انبیاء کی طرف سے گواہی دے گی کہ اللہ! تیرے رسُول نے ہمیں تیری کتاب دی۔ اور یہ سب احوال ارشاد فرمائے۔ حضرت محمد ﷺ تم پر گواہ ہوں گے۔ وہ عرض کریں گے کہ اللہ بے شک یہ لوگ میری مان کر چلنے والے اور تیری کتاب کو ماننے والے ہیں۔ تب فیصلہ انبیاء کے حق میں ہو گا۔

یہاں یہ بھی جان لینا ضرُوری ہے کہ جسے نبی پاک ﷺ کی شہادت نصیب ہُوئی وہ آگے کہاں جائے گا اور آپ ﷺ کی شہادت سے خلافِ سُنت زندگی بسر کرنے والے محرُوم ہو جائیں گے کہ عقائد و اعمال پر آپ ﷺ کی منظوری کی مُہر شرط ہے جیسے کھرے سِکّے پر حکومت کی مُہر ضروری ہے۔ جن لوگوں نے اسلام سے مُنہ موڑا اور عملی زندگی ترک کی اور فسادِ عقیدہ میں مبتلا ہُوئے اُن سے خود حضور ﷺ بیزار ہوں گے کہ عرض کریں گے (رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورًا) کہ اللہ! ان لوگوں کو میری اُمت کی صفوں سے نکال دے کہ انھوں نے اپنی زندگی سے قرآن کو خارج کر دیا تھا۔ تب عظمتِ رسالت کا اندازہ ہو گا اور یہ کہ اطاعت کس قدر ضرُوری ہے۔

اور یہ بات کہ پہلے قبلہ بیت المقدس کو کیوں بنایا؛ یہ تو محض اُن لوگوں کو سرِ میدان لانے کے لئے تھا جو حقیقتاً آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتے بلکہ جہاں رواج کو سُنت کے مطابق پایا سُنت کا ثواب کما لیا۔ اور جب سُنت اور رواج میں تصادم ہُوا تو سُنت کو چھوڑ دیا۔ اللہ تو خوب جانتا ہے مگر لوگوں کے سامنے بھی ان کے دعوائے اطاعت کا پول کُھل گیا۔ کہ رسُوم تو ہر قوم کو عزیز رہی ہیں۔

رسُومات اور سُنت

پھر جن رسُومات میں مذہبی تقدس بھی شامل ہو جائے وہ اور بھی مضبوط ہو جاتی ہیں۔ انہی میں ایک بات بیت المقدس کا قبلہ ہونا بھی تھا۔ جو مذہب حقّہ تھا خدا کا حکم تھا۔ خود نبی اکرم ﷺ بھی اسی طرف سجدہ ریز رہے اور آپ ﷺ کا بھی قبلہ رہا۔ مگر جب ہادیٔ برحق ﷺ کعبہ کو پھرے تو پھر آپ ﷺ کا

اس سے بڑی دلیل بن گیا ہے جو کعبہ کو قبلہ بنانے میں ہے۔ جن لوگوں کا ایمان اس درجہ میں تھا وہ پھر گئے اور جو سابقہ روایات کو نہ چھوڑ سکے آپ ﷺ کی غلامی سے خارج ہوئے اور مرتد ہوئے اور ان کی حالت بھی ظاہر ہوگئی اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ رواج تو محض رواج ہوتا ہے سابقہ ادیان بھی آپ ﷺ کی اداؤں پر قربان ہوئے۔ مگر یہ نامراد رسومات اس قدر دلوں میں دھنس چکی ہوتی ہیں کہ انہیں چھوڑنا بہت مشکل۔ وانھا لکبیرۃ یہ بہت بڑی بات ہے لوگ چھوڑ نہیں پاتے بلکہ بدعات کی تردید کرنے والا ان کے فتووں کی زد میں ہوتا ہے جیسے ہمارے ملک میں رواج ہے کہ سُنت کی تلقین کرنے والے کو وہابی کہہ دو جو عوام کے نزدیک بہت بڑے جرم کی نشانی ہے اور حد ہے کہ نہ کسی ڈاکو کو وہابی کہیں گے، نہ زانی کو، نہ شرابی کو اور نہ جوا کھیلنے والے کو۔ یہ سب سُنی رہ سکتے ہیں مگر سُنت کی تلقین کرنے والا اس فتوے سے بچ کر کہاں جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو رواج عزیز ہیں اور سُنت سے وہ محبت نہیں جو رواج چھڑا سکے۔ مثلاً ہمارے علاقہ میں خلفِ جنازہ پنجابی کے شعر جن میں کلمہ طیبہ بھی شامل ہے بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ سُنت یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ دل میں کچھ پڑھتا ہوا چلے اب ظاہر ہے پنجابی تو حضور ﷺ کی زبان نہ تھی اور عربی میں بلند آواز سے خلفِ جنازہ کچھ ثابت نہیں تو یہ ایک رواج ہے جس کو اگر ضروری جانو تو بدعت بن جائے گا۔ مگر حال یہ ہے کہ منع کرنے والے کو وہابی کا خطاب ملے گا خود چھوڑیں گے نہیں یہی حال بیاہ شادیوں میں تو کثرت سے ہے جس قوم نے میت کو سُنت کے مطابق دفن کرنے کا اہتمام نہ کیا۔ شادی پر کیا کچھ نہ کرے گی۔

مگر یہ بدنصیب صرف محبتِ رسول ﷺ کے دعویدار ہیں ورنہ ان کے اعمال جن میں آپ ﷺ کی اطاعت کا رنگ نام کو نہیں ان کی قلعی کھول رہے ہیں۔

ان بدعات سے جان چھڑانا آسان نہیں۔ صرف ایک صورت ہے کہ اللہ کریم ہدایت بخش دے جس کی راہیں وہ کشادہ کر دے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ نیز جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ہدایت کا مدار انابت پر ہے جو اگر یہاں ہوتی تو سُنت کیوں چھوٹتی اور اللہ ایسا نہیں کہ تم سُنتِ خیر الانام ﷺ اپناؤ اور وہ تمہیں اس کے اجر سے محروم رکھے۔ اور وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں۔

یہاں اعمال ہی کو ایمان کا نام بخشا ہے اور صرف اُن اعمال کو جن کی گواہی حضور ﷺ دیں گے کہ اس کا یہ فعل میری اطاعت ہے اس میں خواہ کسی نے بیت اللہ کے متوجہ ہونے سے بیشتر اس جہاں سے کوچ کیا تو کیا ہوا آخر اطاعت تو محمد رسول اللہ ﷺ کی کرتا تھا جس کا اجر اللہ کے پاس ہے جو ضائع ہونے والی دولت نہیں بلکہ اللہ تو لوگوں پر بہت شفیق اور

نہایت مہربان ہے وہ تو اجر کئی گنا بڑھا کر دے گا۔ اصل بات اللہ اور رسول ﷺ اطاعت ہے جس پر وہ لوگ کاربند تھے اور یہی آخرت کا اصلی سکہ یہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔

قد نری تقلب وجھک فی السماء .... وما اللہ بغافل عما یعملون۔

ہم تو آپ ﷺ کے شوق کی شدت کو دیکھ رہے ہیں کہ بار بار رُخ انور آسمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ شاید فرشتہ تحویلِ کعبہ کا حکم لے کر آ رہا ہو۔

آپ ﷺ کو بیت اللہ سے ایک گونہ اُلفت تھی کہ روئے زمین پر اُس جیسا دوسرا مقام نہیں، اور جو تجلی ذاتی یہاں جلوہ ریز ہے وہ عرش کو بھی نصیب نہیں بلکہ اس سے بہت بالاتر کی بات ہے جس کی طرف گزشتہ سطور میں اشارہ ہو چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن انبیاء کا قبلہ بیت المقدس رہا، عظمتِ کعبہ ان کے قلوب میں بھی موجزن رہی۔

دُعا کی اہمیت

یہاں ایک بات اور بھی ظاہر ہے کہ اُمتِ مرحومہ کا قبلہ تو بیت اللہ ہی کو بنانا منظور تھا مگر اس کا سبب آپ ﷺ کی دعا کو بنا دیا جیسے حضور ﷺ کی تشریف آوری یقینی تھی کہ کنت نبیاً واٰدم بین الماء والطین۔ شاہد ہے مگر دعائے ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسباب میں شامل فرمایا۔ ایک تو سُنت رہی ہے کہ دُنیا میں ہر کام کا ظہور کسی سبب کا نتیجہ ہوتا ہے اور دوسرے دعا مانگنے والے کی عظمت اس بات یا شئی یا ہستی کی عظمت کا ثبوت بنتی ہے نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ دعا بھی تقدیر ہے اور ازل سے مقرر شدہ اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

آپ ﷺ کا بار بار شوق سے آسمان کی طرف متوجہ ہونا ہم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ تو ضرور آپ کی تمنا بر آئے گی اور جس طرف آپ ﷺ راضی ہیں اسی سمت کو قبلہ بنا دیا جائے گا کہ یہ بات بھی لوگوں پہ عیاں ہو جائے کہ رضائے رسُول ہی رضائے باری ہے، اور آپ ﷺ کی اطاعت سے نکل کر اللہ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔

تصوف و سلوک بھی سُنتِ خیر الانام ﷺ کا نام ہے جو اتباعِ سُنت میں خلوصِ قلبی پیدا کرنے کے لئے کی جائے نہ کہ خلافِ سُنت اُمور کا۔

سو آپ اپنا رُخِ انور مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں نیز یہ صرف آپ ﷺ کے لئے نہیں بلکہ آپ ﷺ کی پوری اُمت جہاں کہیں بھی ہو، خواہ بیت المقدس میں بھی ہوں تو رُخ اسی سمت کو پھیر لیں اور نماز اسی طرف مُنہ کر کے ادا کریں۔ یہاں بیت اللہ نہ فرما کر آسانی پیدا فرما دی کہ بیت اللہ صرف ایک مکان ہے اور اس طرف رُخ تو وہاں تک ہی کیا

جا سکتا ہے جہاں تک وہ سامنے ہو بلاد بعید میں محال ہے اور مسجد حرام ایک وسیع جگہ ہے شہر سے کسی سمت تو پندرہ سولہ اور کسی سمت آٹھ سات میل تک حد حرم ہے جو سب مسجد حرام ہے پھر عین اس کی طرف بھی ضروری نہیں بلکہ شطر المسجد الحرام۔ یعنی اس کی سمت کو جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبلہ مغربین کے درمیان ہے یعنی مدینہ منورہ کی سمت جنوب۔ اسی طرح یہاں ہند و پاک میں مغرب سمت قبلہ ہوگی اور مغرب صیف و شتا کے درمیان ۴۸ ڈگری سمت قبلہ ہے یعنی اگر ۲۴ ڈگری کا فرق بھی کسی ایک طرف ہو جائے تو سمت قبلہ فوت نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ معمولی فرق کی بنا پر مساجد کو اکھیڑ دیا جائے جیسا کہ بعض اوقات ہوتا رہا ہے۔

اللہ کریم نے اس بات میں بہت زیادہ آسانی فرما دی ہے کہ جنگل میں ہوں یا شہر میں، شمالی ممالک ہوں یا جنوبی مشرق کا کوئی ملک ہو یا مغرب کا اپنا رُخ وقت نماز مسجد حرام کی طرف کر لو۔ رہ گئے اہل کتاب تو وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکم تحویل قبلہ کا بھی حق ہے اور ربوبیت باری کا مظہر کہ رُوح کی زندگی کا سبب ہے۔ نیز پہلے سے ان کی کتاب میں موجود ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا قبلہ بیت اللہ کو مقرر کیا جائے گا۔ یہ تو محض ضد و عناد ہے جس کی وجہ سے یہ مان نہیں رہے اور ان کے یہ کرتوت اللہ سے چھپے ہوئے نہیں اللہ خوب دیکھ رہا ہے اور ان سے سمجھ لے گا۔

ولئن اتیت الذی .... انک اذا لمن الظٰلمین۔

جب حال یہ ہے کہ جانتے ہیں مگر عناداً تسلیم نہیں کرتے تو اب یہ دلائل سے قائل نہ ہوں گے۔ آپ ﷺ جس قدر دلائل دیتے رہیں یہ آپ کے قبلہ کو تسلیم نہ کریں گے مگر یہ لوگ بھی جان لیں کہ اب آپ ﷺ کا قبلہ ہمیشہ یہی رہے گا اور آپ آئندہ ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھیں گے اس طرح یہ اعتراض بھی پادر ہوا کہ مسلمان قبلہ کے معاملہ میں حیران ہیں اور خود ان کی یہ حالت ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتا یہود ایک سمت کو قبلہ بتاتے ہیں تو نصاریٰ دوسری کو۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ کفار کبھی ایک عقیدہ پر متفق نہیں پائے جا سکتے بلکہ ہر فرد کسی نہ کسی طرح دوسرے سے جداگانہ خیالات رکھتا ہے چونکہ کفر کی بنیاد محض خواہشات نفسانی کی تکمیل کو ایک مذہبی تحفظ فراہم کرنا ہوتا ہے لہٰذا ہر شخص اپنی ایک رائے قائم کر لیتا ہے یہ لوگ خود تشتت و افتراق کا شکار ہیں اور اگر اے مخاطب! تو اُن کی خواہشات اور ان کے نفسانی خیالات کو مان لے۔ حالانکہ وحی الٰہی نے جو قطعی ہے اُن کا پول کھول دیا ہے۔ تو پھر تو بھی بڑا ظالم ہے اور سخت بے انصاف کہ اللہ کا حکم چھوڑ دیا اور محض خواہشات نفس کی تکمیل کو مقصد بنا لیا۔ تو پھر ان لوگوں میں جنہوں نے کتاب کو بدلا، خود نہ بدلے اور تجھ میں، کیا

فرق ہے۔ یہاں اَیں اے مخاطب مراد لیا ہے کہ یہ خطاب ساری انسانیت کو ہے اگر حضور ﷺ کو خطاب مان لیا جائے تو بھی بطور فرضِ محال کے ہے دراصل سُنانا اُمت ہی کو مقصود ہے اور آپ ﷺ کو خطاب کرنے سے اِس حکم کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے کہ اگرچہ حضور ﷺ سے اس کا صدور کسی طرح ممکن نہیں۔ لیکن اگر آپ ﷺ بھی کر گزریں تو اس کے وبال سے بچ نہ پائیں چہ جائیکہ کوئی

یہ آج کے مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ ہے!

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ .... فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔

اور یہ اہلِ کتاب آپ ﷺ کو بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں بلکہ ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو۔ ان کی کُتب میں آپ ﷺ کے جملہ اوصاف وکمالات اس خوبی سے بیان ہوئے ہیں کہ پہچان نہ سکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس طرح کوئی اپنی اولاد پر کبھی دھوکا نہیں کھاتا۔ اسی طرح انھوں نے آپ ﷺ کو پہچان رکھا ہے جس کی وجہ سے بعض کو تو دولتِ ایمان نصیب ہوئی مگر اکثر اظہارِ حق سے کنّی کترا گئے اور حق کو چھپا لیا۔ کہ اُن کے اپنے اقتدار کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

حصولِ برکات وفیوضات کی راہ میں ایک رکاوٹ

انھوں نے سمجھا کہ اگر ہم حضور ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں تو پھر جو لوگ ہمارے پیچھے ہیں وہ اُدھر چلے جائیں گے ہماری آمدن اور ذاتی وقار متاثر ہوگا چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کا انکار کر دیا اور اوصافِ حمیدہ جو اُن کی کُتب میں تھے ان کو ظاہر نہ کیا۔ حالانکہ خُوب جانتے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ہم غلط کر رہے ہیں۔

یہی حال آج بھی اکثریت کو حصولِ فیض سے روکے ہوئے ہے بعض لوگ جب کسی طرح سے مقتدا بن جاتے ہیں خواہ واقعی یا بزعمِ خویش تو گو وہ جانتے بھی ہوں کہ فلاں شخص صاحبِ کمال ہے اُس سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ کہ اگر ہم اس کے پاس گئے تو یہ وقار کی عمارت سلامت نہ رہے گی پھر اپنے فعل کے جواز کے لیے اس شخص کی تردید شروع کر دیتے ہیں۔

لیکن اے مخاطب! تو مت گھبرا کہ یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے۔

یہاں مِنْ رَّبِّكَ فرمایا کہ جس طرح اس کی ربُوبیت نے سُورج، چاند، ستارے، ہوا، بادل، بارش، کھیتی، سبزہ، جانور اور پرندے بدن کی تعمیر کے لئے پیدا فرمائے ہیں اسی طرح نزولِ وحی رُوح کی حیات کا سبب ہے یہ اس کی غذا بھی ہے اور دوا۔

بھی۔ یہی اس کی زندگی ہے اور اس کے بغیر موت۔

محض ان کے بودے اعتراضات کی وجہ سے وحی الٰہی میں ادنٰے سا شک بھی مناسب نہیں۔ یا کفر کی اکثریت اس بات کی دلیل پر نہیں کہ یہ حق پر بھی ہیں۔ بلکہ حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا کہ وُہی رب ہے اور اُسی کا ارشاد حق ہے ان کے پاس بھی اگر کُتب سماوی ہیں تو وہ اس وقت کے لئے تھیں جو ان کا مقرر تھا۔ جب قرآن کریم نازل ہُوا تو اب ہمیشہ کے لئے ضابطہ حیات یہی ہے پہلی کتب اگر اصلی صورت میں موجود ہوں تو بھی منسوخ ہوگئیں۔ یہاں تو انھوں نے ان کو تحریف سے بھر دیا ہے وہ ان کی کسی طرح قابل توجہ نہیں۔

رکوع نمبر ۱۸ آیات ۱۴۸ تا ۱۵۲ سیقول ۲/۲

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ أَيْنَ مَا
تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا ۗ
إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾

اور ہر ایک (فرقے) کیلئے ایک سمت (مقرر) ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو تم جہاں ہوگے خدا تم سب کو جمع کرے گا بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے (۱۴۸)

148. And each one hath a goal toward which he turneth; so vie with one another in good works. Wheresoever ye may be, Allah will bring you all together. Lo! Allah is Able to do all things.

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ
لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

اور تم جہاں سے نکلو (نماز میں) اپنا منہ مسجد محترم کی طرف کر لیا کرو بےشبہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو خدا اُس سے بے خبر نہیں (۱۴۹)

149. And whencesoever thou comest forth (for prayer, O Muhammad) turn thy face toward the Inviolable Place of Worship. Lo! it is the Truth from thy Lord. Allah is not unaware of what ye do.

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا
كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ
لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ
إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۗ وَلِأُتِمَّ
نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

اور تم جہاں سے نکلو مسجد محترم کی طرف منہ (کر کے نماز پڑھا) کرو۔ اور مسلمانو تم جہاں ہوا کرو (اسی مسجد) کی طرف رُخ کیا کرو (یہ تاکید) اس لئے (کی گئی ہے) کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں۔ مگر اُن میں سے جو ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں) سو اُن سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔ اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تم کو اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہِ راست پر چلو (۱۵۰)

150. Whencesoever thou comest forth turn thy face toward the Inviolable Place of Worship; and wheresoever ye may be (O Muslims) turn your faces towards it (when ye pray) so that men may have no argument against you, save such of them as do injustice— Fear them not, but fear Me!— and so that I may complete My grace upon you, and that ye may be guided.

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ
يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کے سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور

151. Even as We have sent unto you a messenger from among you, who reciteth unto you Our revelations and causeth you to grow, and teacheth you the Scripture and wisdom, and teacheth you that which ye

knew not.[21]

152. Therefore remember Me, I will remember you. Give thanks to Me, and reject not Me.

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے ﴿١٥١﴾

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا

وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا ﴿١٥٢﴾

اسرار و معارف

ولکل وجھۃ ھو مولیھا .... ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر

سب قوموں اور جملہ مذاہب کے لیے کوئی نہ کوئی نقطۂ اتحاد ہے۔ افکار و خیال کے لیے بھی اور عبادات و اعمال کے لیے بھی۔ کسی نے اس کو رنگ و نسل کی حدبندی سے واضح کیا ہے تو کسی نے محض طاقت کو اپنا قبلہ بنا لیا۔ جیسے آجکل مغرب میں سفید فام ہونا ہی معاشرے میں جگہ پانے کا سبب ہے اور سیاہ فام خواہ ان کا مذہب بھی قبول کرلے اُن کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتا۔ یا ہندوازم کہ جو شے اپنے سے طاقت یا محض جسامت میں بڑی نظر آئی وہاں سر جھک گئے خواہ کوئی بڑا پہاڑ ہو یا دریا، درخت ہو یا جانور، اسی طرح،

ع   ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

کسی نے جغرافیائی حدود کو اور کسی نے محض مخصوص خاندانوں میں پیدا ہونے کو وجہ اتحاد قرار دیا۔ اب یہ تمام غیر اختیاری چیزیں بجائے انسانیت کو کسی وحدت پر جمع کرنے کے بہت سی کثرتوں میں بانٹنے کا سبب بن گئیں۔ مگر دین حق نے ہمیشہ اور ہر دور میں خیال و فکر کو توحید و رسالت پر جمع فرمایا اور ظاہری نقطۂ اتحاد قبلہ کو قرار دیا۔ جہاں بلا رنگ و نسل اور بلا تفریق قوم و ملک سب انسان بیک وقت جمع ہو سکتے ہیں اور دنیا کے کسی گوشے میں بھی ہو وقت نماز سب کا رخ ایک طرف ہوتا ہے۔ جیسے سب کے دل ایک تار میں پروئے گئے ہیں ویسے ہی سب کے چہرے بھی ایک سمت تو ہوں گے اور یہ اختیاری ہے کہ مرد، عورت، پڑھا لکھا، یا اَن پڑھ، گورا ہو یا کالا سب اختیار کر سکتے ہیں اور یہ ظاہری و باطنی اتحاد فکر و عمل کا ایک یہ مرکزی نقطہ ہے جس کے لئے ہر

مکتبِ فکر نے کوشش کی ہے بالکل اسی طرح اسلام نے بھی ایک سمت عطا فرمائی ہے اور اس میں کوئی انوکھی بات نہیں۔

اس بحث میں پڑنا تو وقت کا ضیاع ہے جو گزر رہا ہے۔ تم اطاعتِ الٰہی اور عبادتِ الٰہی میں ایک دُوسرے سے بڑھ چڑھ کر محنت کرو۔ یاد رہے کہ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو اس سے بات کرنا تو ضروری ٹھہرا لیکن اگر کوئی محض کج بحثی کرنا چاہے تو اس سے مناظرہ کرنا دُرست نہیں سوائے اس کے کہ کسی شخص کی باتوں یا اس کے دعووں سے لوگوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہو تو اس کا تدارک ضروری ہے کہ سرِ میدان اس کی سفاہت عیاں ہو جائے اس کام کے لِئے اہلیت شرط ہے' نا اہل اُلٹا دینداروں کو بدنام کرے گا۔

سو محض اپنا سکہ جمانے کے لِئے زور دار بحثوں میں نہ پڑو بلکہ یہ زور اللہ کی اطاعت پر صَرف کرو۔ اور یہاں ایک دُوسرے پر سبقت لے جاؤ کہ بالآخر تمہیں اللہ ہی کے ہاں جمع ہونا ہے تم جہاں اور جس حال میں ہوگے، اللہ تمھیں یکجا کرے گا۔ یہ اُس کے لِئے مشکل نہیں کہ مَرنے کے بعد اگر کوئی جل گیا یا درندے کھا گئے یا کسی طرح بھی اس کے اجزاء منتشر ہو گئے تو اس قدر منتشر نہیں ہو سکتے جس قدر پیدا ہونے سے پیشتر تھے کہ رُوئے زمین کے دانے دانے میں اور ہر شے اور ہر پھل میں کسی نہ کسی جسم کے اجزاء موجود ہیں۔ جو ایک مُلک سے دُوسرے ملک میں پہنچ کر اس کی غذا بن کر وجود کا حصّہ بنتے ہیں اور نطفے سے لے کر مرنے تک اس بدن کی تعمیر شروع رہتی ہے تو مَر کر اس قدر نہیں بکھر سکتا جتنا پیدا ہونے سے پہلے تھا۔

سو اللہ کو ہر طرح کی قدرت ہے وہ تم سب کو یکجا فرمائے گا بجائے دنیاوی وقار کے اُخروی زندگی تلاش کرو۔

ومن حیث خرجت .... بغافلٍ عما تعلمون۔

آپ کہیں بھی ہوں، سفر پہ بھی نکلیں تو وقتِ نماز رُخ مسجدِ حرام کی طرف رکھا کریں۔

یعنی سفر و حضر میں ہمیشہ کے لِئے مسلمانوں کا قبلہ یہی ہے اور یہ دینِ اسلام اور اس کے جُملہ احکام حق ہیں آپ ﷺ کے پروردگار کی طرف سے یعنی عبادات کوئی محض رُسوم نہیں ہیں جیسے مذاہبِ باطلہ، کہ ان کی عبادات رُسوم سے زیادہ کچھ نہیں، مگر اسلامی عبادات اللہ کی ربوبیت کا مظہر ہیں۔ جس طرح جسم کی تعمیر کے لِئے اس کی ربُوبیت نے طرح طرح کے پھل میوے اور غذائیں پیدا فرمائی ہیں۔ اسی طرح رُوح کی تعمیر کے لِئے عبادات اغذیہ ہیں جیسے تمام غذاؤں میں غلّہ اور پانی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح رُوح کی غذاؤں میں فرائض کی حیثیت ہے اور ان کے بغیر رُوح زندہ نہیں رہ سکتی۔ سُنن و نوافل ان کی زینت کا سبب ہیں۔ جیسے لوگ محض غلّہ نہیں پھانکتے بلکہ طرح طرح کی مزیدار ڈشیں بناتے ہیں۔ اسی طرح فرائض کے ساتھ سُنن و نوافل مل کر رُوح کے لِئے لذیذ غذا بنتے ہیں۔

ظاہر میں تو غریب ترین آدمی بھی محض دانے نہیں چباتا اس کی روٹی تو بنتا ہی ہے گھر پر میسر نہ ہو تو کسی سے مانگ کرلے آتا ہے اور زیادہ نہ کر سکے تو چٹنی اچار تو بنا ہی لیتا ہے اس طرف یہ حال ہے تو ادھر غفلت کیوں ؟ وہ بھی تو تمھارے رب کی طرف سے ہے یعنی مظہرِ ربوبیّت ہے عبادات وہی مظہرِ ربوبیت ہوں گی جو اللہ اور اس کے رسُول ﷺ کی طرف سے ہوں، یہاں ایجاد سے کام نہیں چل سکے گا کہ یہ دینِ حق آپ ﷺ کے رب کی طرف سے ہے۔

اب یہاں گھبراہٹ کی ضرورت بھی نہیں کہ لوگ صُبح تک سوتے ہیں ہمیں علی الصبح بیدار ہونا پڑتا ہے یا لوگ تو عیش کرتے ہیں اور ہم پر اخلاقی حدُود نافذ ہیں یا لوگ تو کھاتے پیتے ہیں اور ہم روزہ رکھتے ہیں بھئی! یہ آپ لوگوں کے لیے نہیں کرتے، یہ اللہ کی اطاعت کرتے ہو جو ہر حال میں تمھارا نگران ہے اور ذاتی طور پر تمھاری کارکردگی کو ملاحظہ فرما رہا ہے۔ جو نہیں کرتے۔ وہ بھی اس سے اوجھل نہیں ہیں اور جو کرتے ہیں ان کے حال سے بھی باخبر ہے کرنے والوں کے دلوں کو سوز بخشتا ہے اور ترکِ فرائض پہ روحانی موت مرتب ہو رہی ہے۔ یہ روزانہ نئے مذاہب کی ایجاد اسی بات کی غماض ہے۔

سو آپ جس طرف بھی نکلیں یہی نقطۂ اتحاد ہے وجودِ ظاہر کے لیئے خواہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر مسلمان جہاں ہوں جس ملک میں ہوں جس حال میں ہوں فردِ واحد ہو یا افرادِ کثیرہ۔ وقتِ نماز تمھارے چہرے مسجدِ حرام کی طرف ہوں۔ یہاں یہ بھی ظاہر ہوا کہ مسلمان جس حال میں بھی ہو ادائے فرض میں کوتاہی نہ کرے اور نہ مبتلائے بدعات ہو بلکہ اللہ اور اس کے رسُول ﷺ کے احکام کو پُوری طرح بجالائے نہ اس کی سمت بدلے اور نہ افکار میں افتراق پیدا ہو۔ نیز یہ بھی کہ تم فرائض ہی چھوڑ بیٹھو جس طرح تم مذاہبِ باطلہ کو محض رسُومات کا پلندہ کہتے ہو لوگ تمھارے طرزِ عمل سے دین کی حقانیت پر طنز کریں کہ اسلام اگر واقعی دین ہے اللہ کا حکم ہے یا حضور ﷺ برحق نبی ہیں تو پھر ان کے ماننے والے ان کی اطاعت کیوں نہیں کرتے اور فرائض تک کی پرواہ نہیں کرتے تو گویا یہ اس بات کا اظہار ہے کہ معاذ اللہ یہ بھی محض ایک فرقہ بندی کے سوا کچھ نہیں یا تم روزمرہ کے امُور میں محض لوگوں کے طعنوں سے بچنے کے لیئے ارکانِ دین کی پرواہ نہ کرو۔ اور غیر شرعی رواجات میں مبتلا ہو جاؤ۔ تو گویا تم نے سمت بدل لی۔

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
ایں راہ کہ می روی بترکستان است

کا مصداق بن گئے۔ اوّل تو اسلامی اقدار ہی اعلےٰ ترین اقدار ہیں اور اگر کافر بھی ہو تو ان اقدار پر طنز نہیں کرے گا۔ مثلاً سچ بولنا،

جائز طریقے سے پیسہ کمانا، بدکاری نہ کرنا، بدکلامی سے اجتناب، اللہ کی عبادت کرنا یہ سب ایسے امور ہیں کہ ہو لئے سخت بے انصاف اور ظالم لوگوں کے ان پر کوئی طعن نہ کرے گا۔

اب کوئی طبقہ عام انسانی اقدار کو بھی پامال کرے جھوٹ کو عبادت اور بدکلامی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھ بیٹھے یا خیانت اور بدکاری کو طاعت کا درجہ دے دے تو ایسے ظالم اگر ارکانِ اسلام پر اعتراض کریں بھی تو ان کی پرواہ ہرگز نہ کی جائے کہ ان کا تو معیار ہی اُلٹ گیا۔ اور عبادات کے لیے معیار ایک ہی ہے کہ اللہ کی خشیت دل میں ہو اور بس۔ صرف یہ سامنے رہے کہ ترکِ عبادت سے اللہ کی ناراضگی کا وبال آئے گا۔ اور اس کی عظمت کے پیشِ نظر خلوصِ دل سے اس کی عبادت کرے۔

واخشونی یعنی مجھ سے، میری ناراضگی سے لرزاں و ترساں رہو۔ تمھیں غیر کا کیا اندیشہ۔ اگر یہ نعمت تم نے پالی تو میری نعمتوں کا دروازہ تم پر کھل گیا اور یہ خشیت اسی لیے اپناؤ کہ میں اپنی نعمتیں تم پر تمام کردوں اور تم سیدھی راہ پانے والے ہو جاؤ تم حق شناس اور حق کو قرار پاؤ۔ دو عالم کی بھلائی تمھارے حصہ میں آئے۔ جس طرح میں نے تم پر انعام کیا ہے اور بہت بڑا انعام کیا ہے کہ۔

کما ارسلنا فیکم۔۔ .... ما لم تکونوا تعلمون۔

کہ تم میں ایک عظیم رسُول تم ہی میں سے مبعوث فرمایا۔ ایک انعام تو یہ کہ تم میں رسُول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور دُوسرا یہ کہ آپ ﷺ کو تم ہی میں سے یعنی نوعِ انسانی سے پیدا فرما کر انسانیت کو زینت بخشی کہ اگر نبوت کسی اور مخلوق کو ملتی تو اشرف المخلوقات وہی ہوتی۔ انسان نہ ہوتا کیونکہ مخلوق کے لیے سب سے اعلیٰ درجہ اور انتہائی مقام نبوت ہے۔ باقی تمام کمالات اس کے بعد ہیں تو انبیاء کا نوعِ انسانی میں سے ہونا انسانیت کے لیے باعثِ فخر ہے۔

بعض نادان بشریتِ انبیاء کا سرے سے انکار کردیتے ہیں یہ ایک طرح سے نبوت ہی کا انکار ہے۔ ہاں! یہ تمیز ضرور رہے کہ نبی بھی بشر تو ہوتے ہیں مگر ما و شما کی طرح نہیں بلکہ بشریت کی انتہائی بلندی پر اور نوعِ بشر کے لیے نمونہ ہوتے ہیں خصوصاً امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کہ آپ ﷺ منازلِ قرب کی اُن بلندیوں پر فائز ہیں جو صرف آپ ﷺ کا حصہ ہیں اور ساری کائنات کے لئے آپ ﷺ کا اتباع لازمی۔ حتےٰ کہ اگر انبیاء میں سے کوئی ہستی دوبارہ اس عالمِ آب و گل میں تشریف لائیں گے تو باوجود اس کے کہ خود صاحبِ کتاب رسُول ہیں عمل حضور ﷺ کے احکام پہ کریں گے۔

سو میرے نبی ﷺ کے ذریعے تمھیں کس قدر نعمتیں ملی ہیں کہ تم پر آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتے اور اللہ کریم کا ذاتی کلام

تم کو سُناتے ہیں۔

کر دیا ہم سُخن بندوں کو اللہ سے تُو نے ﷺ

کہ تم سوال کرتے ہو تو اللہ کی طرف سے جواب آتا ہے تم کو پوری زندگی کا نظام اللہ کی طرف سے تعلیم کیا جاتا ہے اور جو بھی اس کی تعلیمات کو قبول کرتا ہے اسے پاک کر دیتا ہے فکر و خیال، عقیدہ و اعمال، ظاہر و باطن ہر طرح سے اس کی ایسی صفائی فرماتا ہے کہ اس کے اس کمال کو اللہ اپنی عظیم رحمت کے طور پر سارے انسانوں کے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ گویا ایسا پاک کرتا ہے کہ معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ہاں واقعی ان لوگوں کو کسی کی صُحبت نصیب ہوئی ہے اور تمھیں کتاب اللہ کی اور حکمت و دانائی یعنی ارشادات رسول ﷺ کی تعلیم دیتا ہے

گویا تعلیم کتاب و حکمت کا مدار تزکیہ پر ہے اگر یہ نعمت نصیب نہ ہوئی تو حقیقی علم یا علم نافع نصیب نہ ہوگا۔

حصولِ تزکیہ

اب یہ تزکیہ کس طرح حاصل ہوتا تھا۔ صرف نگاہِ مصطفےٰ ﷺ سے اور صُحبت نبوی ﷺ سے۔ خواہ وہ بالکل تھوڑی دیر کے لیۓ ہو کہ صفائی باطن سے ولایت خاصہ نصیب ہوتی ہے اور اگر سارے جہاں کے ولی جمع کیۓ جائیں تو صحابی نہیں بن سکتا بلکہ اس کی گردِ پا پہ سب نثار ہیں اور نبی کریم ﷺ کی صُحبت کا کمال یہی ہے کہ ایک آن میں درجۂ صحابیت پر فائز کر دیتی ہے۔

آپ ﷺ سے دو طرح کا فیض نصیب ہوتا ہے ایک علم ظاہر کہ اقوال و افعال رسول ﷺ کا مرقع ہے قرآن حدیث اور فقہ سب اُسی قبیل سے ہیں اور فیضِ صُحبت کہ انعکاسی طور پر مجلس میں حاضر ہونے والوں کو نصیب ہوتا اور مسِ خام کو کُندن بناتا ہے۔ دلوں کو روشن اور سینوں کو منور کرتا ہے اور استقامت علی الحق کی استعداد پیدا کرتا ہے اور پہلی قسم کے فیض کی بنیاد بھی یہی فیضِ صُحبت بنتا ہے ورنہ صرف و نحو اور جملوں کی اقسام تو ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ ان پر حقیقی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔

کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ علماء باہم دست و گریبان ہیں اور غضب یہ ہے کہ ایک مسجد والے دوسری مسجد والوں پر کُفر کا فتویٰ لگاتے ہیں کبھی علماء کافروں کو اسلام کی طرف راغب کرتے تھے اور آج جگہ جگہ کُفر سازی کا کام جاری ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تزکیۂ قلوب نصیب نہیں سو دین بھی قسمت میں نہیں بلکہ محض اپنے وقار کے لیۓ جنگ جاری ہے الا ماشاء اللہ۔

صرف وہ حضرات اس مصیبت سے بچے ہوئے ہیں جو تزکیہ باطن کی طرف بھی کوشاں ہیں کہ یہی دین کی بنیاد ہے اب اگر یہ کہا جائے کہ آجکل مشکل ہے تو درست نہ ہوگا کہ فیضانِ نبوی ﷺ تو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیۓ عام ہے اور

تعلیماتِ نبوی ﷺ قرآن و حدیث ہر ملک میں ہر دور میں دستیاب ہیں حالانکہ ان میں تو تحریف اور ملاوٹ کا اندیشہ بھی ہو سکتا تھا مگر اللہ نے ایسا اہتمام فرمایا کہ الفاظِ قرآنی کو سینوں میں جگہ دی اور حفاظتِ حدیث کے لئے اپنے پسندیدہ بندے پیدا فرمائے جنہوں نے حق و باطل کو علیحدہ کر دیا اور کفر کی ہزار کوششوں کے باوجود یہ علم محفوظ ہے تو تزکیہ، جو ایک باطنی کیفیت کا نام ہے جس میں نہ تحریف کا ڈر، نہ ملاوٹ کا اندیشہ۔ وہ کیونکر ضائع ہو گیا اور اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو پھر دین کہاں رہا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے امین کمیاب ہیں یہ ہمیشہ ہوتا ہے وقلیل من عبادی الشکور۔ تھوڑے تو ہو سکتے ہیں ختم نہیں ہو سکتے کہ انھیں حفاظتِ باری حاصل ہے اور یہی دُنیا کے قیام کا سبب ہے۔ جب ختم ہوں گے تو سب کچھ ختم ہو جائے گا اور قیامت قائم ہو گی۔

یہ عمل انعکاسی اور القائی ہے حضور ﷺ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے، اُن سے تابعین نے، اُن سے تبع تابعین نے اور ان سے اولیائے اُمت نے حاصل کیا یہ تمام مسلمانوں کی امانت ہے اور تمام مرد و زن کو چاہیے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کو حاصل کرنے کی سعی کریں کہ ربطِ قرآنی میں اس کے بعد تعلیمِ کتاب و حکمت ہے نیز تعلیمِ کتاب بھی آپ ﷺ کا منصب ہے۔ لہٰذا قرآن کے معنی بھی وہی معتبر ہوں گے جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے اور جن پر آپ ﷺ کے سامنے عمل ہوا۔

آیات نازل ہوئیں تو عربی النسل اور عربی زبان میں ماہر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کا مفہوم حضور ﷺ سے سمجھا پھر آپ ﷺ کے سامنے اس پر عمل کر کے قبولیت کی سند حاصل کی۔ آج کوئی مفہوم جو قولِ رسول ﷺ اور تعاملِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف ہو گا، قابلِ قبول نہ ہو گا۔ اور حکمت و دانائی بھی ارشاداتِ رسول ﷺ کا نام ہے اس سے باہر یا ان ارشادات کے خلاف جہالت تو ہو سکتی ہے دانائی نہیں۔ نیز تمھیں وہ حقائق تعلیم فرمائے جن تک رسائی بجز تعلیمِ پیغمبر ﷺ ممکن نہ تھی کہ دُنیا کے سارے علوم پیدائش سے لے کر موت تک بات کرتے ہیں اس سے آگے کی جرأت نہیں رکھتے مگر عالمِ بالا کی حقیقتیں اور برزخ کے حالات، جنت و دوزخ یا حساب و کتاب یہ سب حقیقتیں آپ ﷺ نے تم تک پہنچائی ہیں اور خاک نشینوں کو عرش آشنا کر دیا ہے اور تم اپنے منعمِ حقیقی کو ہمیشہ یاد کرتے رہو۔

ذکرِ الٰہی کی برکات

ذکر کا مفہوم اصلی یاد ہے اور یہ قلب کا فعل ہے زبان سے یاد کرنے کو محض اس لئے ذکر کہہ دیا جاتا کہ زبان دل کی ترجمان ہے لیکن بعض اوقات یہ اداکاری بھی کر جاتی ہے دل میں اور ہوتا ہے، یہ اور کہتی ہے یہی نفاق ہے اسی طرح بدن کے تمام وہ اعمال جو حدودِ شرعی کے اندر ہیں ذکر شمار ہوں گے کہ دل میں اللہ کی یاد تھی، تب اطاعت کی لیکن اگر اس میں بھی اداکاری ہوئی اور دل کی مطابقت نصیب نہ ہوئی تو منافقت کا وبال سر پہ اور اگر دل

نے ساتھ دیا تو یہ عملی ذکر اور لسانی ذکر. مگر ذکر حقیقی وُہی ہو گا جو دِل کا ہو گا اور دِل کو ذکر صاحبِ دِل کی مجلس وصحبت سے انعکاسی و اتفاقی طور پر نصیب ہو گا۔

یہ وہ ضرورت ہے جس سے کسی کو استثنا نہیں ہر مرد و زن اور تمام مسلمانوں کی ضرورت ہے یہی نیکوں کے لئے ترقی درجات اور بدکاروں کے لئے توبہ و انابت کا سبب ہے نہ یہ وراثت ہے نہ رنگ و نسل پر مدار رکھتی ہے بلکہ ہر مسلمان کو حاصل کرنے کا حق ہے بلکہ سب پر واجب ہے۔ کہ اس کے لئے کوشش کریں اور دِلوں کو اللہ کے مبارک نام سے روشن کریں ایسے کاملین کو تلاش کریں جو اس دولت کے امین ہوں جو حضور ﷺ کے حقیقی وارث ہوں اور ان کی صحبت کو غنیمت جانیں۔

آج تک تو سب علما بھی سندِ فراغت پانے کے بعد ان حضرات کی جستجو کرتے اور اس دولت کو پانے کے لئے سعیٔ بلیغ فرماتے تھے تقریباً سب سوانح میں یہ قدر مشترک ہے مگر اس دَور کی مصیبت یہ ہے کہ اوّل تو علم ظاہر بھی اُٹھ رہا ہے جہان سے کوئی تشریف لے جاتا ہے۔ اس کا بدل ملنا مشکل ہو جاتا ہے رواج یہ ہے کہ چند سطور یاد کیں اور تقریریں کرنے چل نکلے پھر اس پر طرّہ یہ کہ ذکرِ قلبی اور اس کے حصُول کی تردید فرمانے لگے۔

ع   بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

فاذکرونی اذکرکم۔ تم محتاج ہو، تم مجھے اپنی احتیاج سے یاد کرو گے میں بے نیاز اور منعم ہوں میں تمھیں اپنی عطا سے یاد کروں گا۔ اور اس طرح تم پر ہمیشہ انعاماتِ باری کا دَر وا رہے گا۔

یاد رہے کہ ساری مخلوق ہمیشہ اللہ کی عطا کی احتیاج رکھتی ہے اور عطائے باری کا سبب ہے ذکرِ الٰہی۔ اسی لئے انبیاء کرام کو بھی ذکرِ الٰہی کی تاکید فرمائی گئی ہے حتیٰ کہ خود حضور ﷺ کو حکم دیا گیا۔ واذکر اسم ربک یعنی اپنے پروردگار کے اسم ذاتی کو دِل میں بسالیں ہر دھڑکن اللہ اللہ کہتی رہے اس کے ساتھ صفتِ ربُوبیت کا اظہار ہے اسم ربک یعنی آپ ﷺ کی دائمی ترقی کے لئے ربّ کے نام کی دائمی یاد بھی ضروری۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جو اپنے کو اس ضرورت سے فارغ جانتے ہیں۔ اللہ سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین!

دِل کی یاد ہی حقیقی شُکر ہے محسن کو دِل میں بسا لینا ہی اس کے احسانات پر اظہارِ ممنونیت ہے اور یاد رکھو عاجز ہو کر بے نیاز سے کفر نہ کرو۔ یہاں چونکہ کفر شکر کے مقابلے پر لایا گیا ہے اس لئے اس کا ترجمہ ناشکری کیا جاتا ہے لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو بات ناشکری سے بڑھ کر کفر تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ ذکر نام ہے دِل کی یاد کا۔ اب مسلمان ہونے کے لئے جہاں زبانی اقرار کی ضرورت

ہے وہاں تصدیقِ قلبی ضروری ہے اور اگر قلب تصدیق بھی کرتا ہے تو کسی نہ کسی درجہ میں ذاکر ہے اگر ذکر بالکل ہی اُٹھ جائے تو گویا تصدیقِ قلبی بھی رخصت ہوئی تو یہ حقیقی کفر بن جائے گا۔ فرمایا: میرا نام دِلوں سے مَت مِٹنے دو؛ ورنہ کُفر کی زد میں آجائے گا۔

رکوع نمبر ۱۹ آیات ۱۵۳ تا ۱۶۳ سیقول ۲/۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ
وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بیشک
خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾

153. O ye who believe! Seek help in steadfastness and prayer. Lo! Allah is with the steadfast.

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ
اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں اُن کی
نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مُردہ نہیں)
بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے ﴿۱۵۴﴾

154. And call not those who are slain in the way of Allah "dead." Nay, they are living, only ye perceive not.

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ
وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں
اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے
تو صبر کرنیوالوں کو (خدا کی خوشنودی کی) بشارت سُنا دو ﴿۱۵۵﴾

155. And surely We shall try you with something of fear and hunger, and loss of wealth and lives and crops; but give glad tidings to the steadfast.

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے
ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿۱۵۶﴾

156. Who say, when a misfortune striketh them: Lo! we are Allah's and lo! unto Him we are returning.

اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار
کی مہربانی اور رحمت ہے، اور یہی سیدھے
رستے پر ہیں ﴿۱۵۷﴾

157. Such are they on whom are blessings from their Lord, and mercy. Such are the rightly guided.

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ
اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ
وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

بیشک (کوہ) صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے
ہیں۔ تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عُمرہ کرے اُس پر کچھ گناہ
نہیں کہ دونوں کا طواف کرے (بلکہ طواف ایک قسم کا نیک کام ہے)
اور جو کوئی نیک کام کرے تو خدا قدرشناس اور
دانا ہے ﴿۱۵۸﴾

158. Lo! (the mountains) As-Safa and Al-Marwah are among the indications of Allah. It is therefore no sin for him who is on pilgrimage to the House (of God) or visiteth it, to go around them (as the pagan custom is). And he who doth good of his own accord (for him), lo! Allah is Responsive, Aware.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا
مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ
مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ
اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ
اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ۙ

جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل
کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ
ہم نے اُن لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اپنی کتاب
میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ایسوں پر خدا اور
تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ﴿۱۵۹﴾

159. Lo; Those who hide the proofs and the guidance which We revealed, after We had made it clear in the Scripture; such are accursed of Allah and accursed of those who have the power to curse:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا
فَاُولٰۗىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے اور
(احکامِ الٰہی کو) صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں اُنکے قصور معاف
کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنیوالا (اور) رحم والا ہوں ﴿۱۶۰﴾

160. Except those who repent and amend and make manifest (the truth). These it is toward whom I relent. I am the Relenting, the Merciful.

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ

جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ایسوں پر

161. Lo! those who disbelieve, and die while they are disbelievers; on them is the

كُفَّارٌ أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ ٱللَّهِ
وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ وَٱلنَّاسِ أَجۡمَعِينَ ١٦١
خَٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ
ٱلۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنظَرُونَ ١٦٢
وَإِلَٰهُكُمۡ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا
هُوَ ٱلرَّحۡمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ١٦٣

خدا کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب
کی لعنت ١٦١
وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں (گرفتار) رہیں گے اُن سے
نہ تو عذاب ہلکا ہی کیا جائیگا اور نہ اُنہیں (کچھ) مہلت ملیگی ١٦٢
اور (لوگو) تمہارا معبود خدائے واحد ہے۔ اُس بڑے مہربان
(اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ١٦٣

curse of Allah and of angels and of men combined.

162. They ever dwell therein. The doom will not be lightened for them, neither will they be reprieved.

163. Your God is One God; there is no God save Him, the Beneficent, the Merciful.

اسرار و معارف

یاایہاالذین اٰمنوااستعینوابالصبر والصلوٰۃ ط ان اللہ مع الصابرین۔

نیک آدمی کو بھی عام انسانی حالات ہی سے سابقہ پڑتا ہے

ذکرِ الٰہی سے کوئی اس غلط فہمی میں نہ پڑے کہ وہ کوئی مافوق البشر خاصیت حاصل کر گیا ہے اور اب جو حوائج عام انسانوں کو درپیش ہیں وہ اُسے نہ ہوں گے۔ نہ بھوک لگے گی، نہ پیاس، نہ بیماری آئے گی نہ افلاس، نہ کوئی دشمن ہوگا نہ مخالف بلکہ اُسے تمام اُمور کے لیے سینہ سپر ہونا پڑے گا۔ بلکہ عام آدمی کی نسبت مصائب کچھ زیادہ ہی ہوں گے کہ ایک تو وہ تکالیف جو دُنیا کی زندگی کا خاصہ ہیں اور جن سے سب کو سابقہ پڑتا ہے مثلاً معاشی مسائل یا گھریلو اور خاندانی اُمور میں بعض پریشانیاں یا صحت و بیماری وغیرہ اور دوسرے اہلِ اللہ کے لیے معاشرے کی عمومی مخالفت بھی ایک بہت بڑا بوجھ بنتی ہے کہ معاشرہ ہمیشہ اپنی رسومات اور اپنے اطوار کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور اہلِ اللہ اُسے اس کے بنائے ہوئے غیر موزوں اور نامناسب طریقوں سے ہٹا کر اللہ کی راہ پر لگانا چاہتے ہیں جس سے اس کی انانیت کو ٹھیس لگتی ہے اور وہ مقابلے پر اُتر آتا ہے۔ سوائے اُن سلیم الفطرت لوگوں کے جن کو اللہ ہدایت سے نوازے اور ظاہر ہے ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ تکالیف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر آتی ہیں کہ وہ معاشرے میں فسق و فجور اور شرک و کفر کو ہٹا کر اللہ کا دین نافذ کرتے اور راستہ بناتے ہیں۔ بعد والے لوگ نبی کی اقتداء میں بنے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں تو نبی کی نسبت اُنھیں بہت کم تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

غالباً اس حدیث پاک کا، جس کا مفہوم ہے کہ مجھے سب انبیاء سے بھی زیادہ تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ راز بھی یہی ہے کہ دُوسرے انبیاء نے صرف مخصوص قوموں کا سامنا کیا کہ انہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور حضور ﷺ نے سارے عالم کی

رسومات کو للکارا کہ آپ ﷺ کی بعثت سب سے بڑی دعوت ہے مخالفت بھی اتنی ہی شدید ہوگی ۔ اور تکالیف بھی اسی قدر زیادہ۔

تو جب تم اللہ کی راہ پر چل نکلے تو اب فرار کسی طرح مناسب نہیں بلکہ جم جاؤ اور اگر بدکار برائی سے نہیں ہٹتے تو تم نیکی کا راستہ کیوں چھوڑ دو۔ ہاں ! یہ کام مشکل ضرور ہے اور اس مشکل کا حل بڑا سہل ہے کہ صبر اور نماز سے مدد لو۔ یہ دُکھ کا مداوا ہے۔

صبر کا معنی ہے رُک جانا ۔یعنی اللہ کے احکام پر اپنے آپ کو پابند کرنا ۔خدا کی نافرمانی سے باز رہنا اور دنیاوی تکالیف پر جزع و فزع سے اجتناب کرنا کہ جس اللہ کی طرف سے بے حساب احسانات ہیں اگر کوئی معمولی تکلیف بھی جائے تو شکر ہی مناسب ہے اور یہ مقام اس باطنی تعلق کی وجہ سے حاصل ہوگا جو بندے کو اللہ کریم سے حاصل ہے اور جس کی بنیاد اللہ کی عبادت ہے ۔ لہٰذا نماز سے مدد حاصل کرو کہ سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔

اگرچہ عبادات بھی صبر ہی کا ایک جزو ہیں مگر مقام صبر پر استقامت کا سبب بھی ہیں اور سب عبادات میں نماز گویا سب کا تاج ہے تو اس صبر اور نماز سے تمہیں ایک خاص مدد حاصل ہوگی اور وہ ہے اللہ کی معیت ذاتی اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کہ یہی بات ہے کہ اللہ ذاتی طور پر صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب اللہ ساتھ ہو تو پھر تکلیف تکلیف نہیں رہتی بلکہ ظاہراً اگر مصیبت بھی ہو تو باطناً ایک خاص لطف اور لذت لئے ہوئے ہوتی ہے اور ایک ایسا سرور رکھتی ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

اولیا کو اگرچہ ذات باری کی معیت ذاتی حاصل ہوتی ہے مگر یہ یاد رہے کہ دوسری طرف بندے کا وصف ہے یعنی صبر۔ اگر کسی مقام پر صبر کا دامن چھوٹ گیا تو گویا معیت باری کھو بیٹھا۔

یہی وجہ ہے کہ ولایت شئے کسبی ہے کہ بندے کی کوشش سے متعلق ہے اور تادم واپسیں اس کے سلب ہونے کا خطرہ ہے کہ زندگی کی طویل اور کٹھن راہ میں جہاں بھی صبر چھوٹا، دولتِ معیت گئی۔ یہ حال تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اس راہ میں عمریں صرف کردیں اور جن کو دین سے مس ہی نہیں ۔اس راہ پہ چلے ہی نہیں وہ کیسے ولی اللہ بن گئے ۔ یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں۔ کوئی شخص اتباعِ دین کو چھوڑ کر ولایت حاصل نہیں کرسکتا۔ بلکہ ولایت خاصہ نام ہی عوام سے بڑھ کر اطاعت کرنے کا ہے ورنہ ظاہر ہے

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یہ صرف نبوت ہے جو وہبی طور پر عطا ہوتی ہے اور پھر کبھی سلب نہیں ہوتی کہ شئے موہوب ایک طرح ملکیت ذات

بن جاتی ہے لہٰذا انبیاء مامون ہوتے ہیں مگر ولی آخر تک خطرہ میں۔ یہ اور بات ہے کہ اولیاء اللہ کو حفاظت باری حاصل ہوتی ہے اور یہ حضرات محفوظ ضرور ہوتے ہیں مگر اُس وقت تک جب تک وصفِ صبر کو زندہ رکھیں۔

ایک وہم یہ کہ فلاں پیدائشی ولی تھا، یہ بھی درست نہیں۔ جب ولایت کا تعلق کسب سے ہے اور کسب کا تعلق بلوغت سے جب بالغ ہوگا مکلف ہوگا اور جب مکلف ہوگا تو نیکی کر کے ولایت حاصل کر سکے گا پھر شکم مادر سے منازل سلوک کس طرح طے کر گیا۔ یہ صرف عرفاً کہہ دیا جاتا ہے اور ان خوش نصیب لوگوں پہ اس کا اطلاق ہوتا ہے جو نیک گھرانوں میں یا نیک ماحول میں پیدا ہوئے۔ اور مزاج صالح پائے بچپن سے بُرائی سے متنفر رہے۔ حتیٰ کہ بلوغت کے بعد ولایتِ خاصہ یا منازلِ سلوک کو حاصل کیا۔ ورنہ پیدائشی طور پر تو ہر پیدا ہونے والا بچہ استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے،

"کل مولود یولد علی الفطرۃ"

کہ ہر پیدا ہونے والا فطری صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس پر رنگ چڑھاتے ہیں اور اُسے اپنی روش پہ لگا لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کافر بھی توبہ کرے تو ولایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کو پا سکتا ہے کہ استعداد اس کے وجود میں موجود ہے جس کے آگے کُفر کی دیوار تھی یا پھر بے صبری کی دُھند۔ اگر کفر کی دیوار بھی ڈھا دے اور توفیقِ صبر بھی پائے تو یقیناً ولی ہوگا۔

یہ یاد رہے کہ یہ توفیقِ صبر خود بخود حاصل نہیں ہوتی۔ یہ کمالاتِ رسالت میں سے ہے کہ لوگ ایک ایک گھونٹ پر گلے کاٹتے تھے مگر ان کو صحبتِ رسول ﷺ نے وہ صبر دیا کہ میدانِ جہاد میں زخموں سے چُور، حالتِ نزع میں بھی پانی دوسروں کی طرف بڑھاتے اور ایثار کی روشن مثال قائم کرتے چلے گئے تو یہ کمال پرتوِ جمالِ نبوی ﷺ تھا اور ہے جب تک دل میں وہی انوار نہ آئیں صبر کا نصیب ہونا مشکل ہے۔ یہ ایک کیفیت ہے جو صرف الفاظ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ علم ظاہر بھی ہو اور صحبت کامل بھی تو یہ اس کامل ہستی کے سینے کا پرتو ہوگا جو انوارِ نبوت کا امین ہو۔

ایک بات یہاں اور بھی ہو جائے اور وہ ہے مجاذیب کی۔ تو یاد رہے مجذوب بھی وہ ہوگا جو بعد از بلوغت کسی شیخ کامل سے اللہ کا نور حاصل کرے اور پھر کسی درجہ میں قوتِ برداشت جواب دے جائے تو عقل و خرد بھی کھو بیٹھے۔ ورنہ پاگل تو ہو سکتا ہے۔ مجذوب سالک نہیں۔ جنہوں نے اس کمال کو حاصل ہی نہیں کیا اور ہوش سے بیگانہ ہیں تو وہ محض پاگل ہیں۔ نیز مجذوب ہونا نقص کی دلیل ہے کمال کی نہیں۔ اگر یہ کمال ہوتا تو انبیاء مجذوب ہوتے مگر کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا بلکہ کاملین کو عوام سے جُدا کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اور جس قدر کسی کو کمال نصیب ہوتا ہے اس کے امور بالکل عام آدمی سے قریب تر آتے چلے جاتے ہیں کہ منزل پر سوار بھی پیدل بن جاتا

ہے اور مجاذیب سے فائدہ نہیں ہو سکتا کہ انھیں نفع نقصان کا ہوش ہی نہیں ہوتا بلکہ اگر ان سے نچلے درجے کا کوئی سالک اُن کے پاس چلا جائے تو اُلٹا اس کے احوال سلب ہو جاتے ہیں ان کے انوار قوی ہو جاتے ہیں کہ بالکل ایک طرف لگے رہتے ہیں۔

لہٰذا شرعاً اتنا کافی ہے کہ جس آدمی کے حواس درست نہ ہوں اسے اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور کچھ نہ کہا جائے اور استقامت علی الذکر حاصل کرنے میں کوشاں رہے کہ معیتِ باری کا سبب ہے اگر یہ دولت حاصل ہو جائے تو پھر کوئی تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور تکالیف مبدل براحت ہو جاتی ہیں دُنیا میں سب سے بڑھ کر دُکھ جو کسی کو دیا جا سکتا ہے وہ ہے قتل، کہ قید یا جرمانہ اس سے کمتر درجہ میں ہیں تو اگر کوئی راہِ حق میں قتل بھی ہو جائے تو مت کہو کہ وہ مر گیا بلکہ اُس نے موت کو بھی شکست دے دی اور موت بھی اس کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔

حیاتِ شہداء

جو اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں انھیں مُردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں، قتل ہونا بدن سے متعلق ہے اور فعلِ قتل کا ورُود بدن پر ہو گا۔ تلوار سے کٹ جائے یا گولے سے اُڑ جائے۔ اگرچہ اس کی دُنیاوی زندگی تمام ہوئی اور ں سے کوچ کر کے برزخ میں چلا گیا مگر بایں ہمہ وہ مُردہ نہیں بلکہ برزخ میں اسی زندگی کے ساتھ زندہ ہے۔ اگرچہ غذا، دن رات یا موسم اور آرام و تکلیف کے احکام اس پر برزخی وارد ہوں گے۔ اگر رُوح کا وہ تعلق جو دُنیا میں بدن کے ساتھ تھا ویسا ہی قائم رہے اور بدن مر کر بھی زندہ ہے۔

شہداء پر دُنیا کے اعتبار سے احکامِ میت کے وارد ہوتے ہیں میراث بٹتی ہے۔ بیویاں بعد از عدت نکاحِ ثانی کر سکتی ہیں جنازہ اُٹھتا ہے، دفن ہوتے ہیں مگر بدن کو رُوح سے وہی تعلق رہتا ہے جو دُنیا میں تھا خواہ بدن ریزہ ریزہ ہو جائے یا جل جائے یا درندے کھا جائیں کہ اللہ قادر ہے انسان کے خُون کے ایک قطرے میں اربوں جراثیم رکھ سکتا ہے تو درندے کے جزوِ بدن بننے والے گوشت کو بھی علیحدہ زندگی دے سکتا ہے۔

اس معاملہ میں سب سے اعلیٰ زندگی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے کہ دُنیا سے جانے کے بعد بھی بعض احکامِ ظاہری ان کی حیات سے متاثر ہوتے ہیں اگرچہ جنازہ و تدفین ہوتی ہے مگر میراث تقسیم نہیں ہوتی، ازواجِ مطہرات نکاحِ ثانی نہیں کر سکتیں۔ دراصل موت اس کیفیت کا نام ہے کہ جب رُوح کو بدن سے نکال کر فرشتے اللہ کریم کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں وجود اس کی جُدائی سے بے حس ہو جاتا ہے اگرچہ اس عالمِ آب و گل میں ہوتا ہے مگر اس کے اثرات کی اسے پرواہ نہیں ہوتی چونکہ رُوح برزخ میں ہوتی ہے تو بدن پر بھی احوالِ برزخ کے وارد ہوتے ہیں خواہ دُنیا میں وہ جس حال میں بھی ہو۔ اللہ کی بارگاہ

میں پیشی کے بعد روح کو اس کے مقام پر رکھا جاتا ہے جو علیین یا کفار کے لئے سجین کے نام سے موسوم ہے۔ تو چونکہ اعمال میں روح اور بدن کی شراکت ہے اس لئے جزا میں بھی دونوں شریک رہتے ہیں۔

ہوتا یہ ہے کہ دنیا میں بدن مکلف بالذات تھا روح اس کے تابع۔ برزخ میں روح مکلف بالذات ہوتا ہے، بدن اس کے تابع۔ تو روح کا اپنے مقام پر رہتے ہوئے بھی بدن سے ایسا رابطہ ہو جاتا ہے کہ دکھ یا سکھ جو روح پر وارد ہو اس میں بدن شریک رہے جس طرح دنیا میں بدن کی لذت والم سے روح متلذذ و متالم ہوتی تھی برزخ میں بدن روح کے دکھ سکھ میں شریک ہے اور یہ کہنا کہ وہاں نیا مثالی بدن عطا ہوتا ہے اور اس پر ثواب عذاب ہوتا ہے۔ نادانی ہے کہ محنت یہ بدن کرے اور ثواب بدن مثالی پائے یا گناہ یہ وجود کرے اور سزا بدن مثالی پائے یہ نہیں ہو سکتا۔ بدن مثالی نہ دنیا میں آیا نہ مکلف ہوا۔ نہ اس کی طرف کوئی نبی مبعوث ہوا بس اچانک پیدا ہو کر ثواب یا عذاب پانے لگا۔ یہ ناممکن ہے۔

قرآن شاہد ہے کہ آل فرعون غرق ہوتے ہی داخل نار ہوئے۔ اغرقوا فادخلوا نارا۔ تو روح کا تعلق غرق سے کیسا؟ غرق تو بدن ہوئے پھر کسی کا بدن برآمد ہوا اور اکثر مچھلیوں یا سمندری جانوروں کی غذا بن گئے مگر اس کے باوجود اللہ فرماتا ہے کہ آگ میں داخل ہوئے کہ روح جس آگ میں داخل ہوئی وہ ہماری سمجھ سے بالاتر۔ مگر بدن بھی اسی آگ میں ہے کہ روح کے تعلق کی وجہ سے آگ اس تک پہنچ رہی ہے اور وہ جل رہا ہے بظاہر خواہ قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھا ہو یہ حال کافر کا ہے۔

مؤمن کی روح کو بھی بدن سے علاقہ ہوتا ہے اور نعم اخروی کے اثرات بدن تک پہنچتے ہیں۔ مگر شہید یا راہ حق میں قتل ہونے والوں کی ارواح کا اس قدر قوی ہوتا ہے کہ ابدان بظاہر زندہ نظر آتے ہیں اور صدیوں بلکہ ہمیشہ زندہ اور محفوظ رہتے ہیں اور یہ اکثر مشاہدہ ہے۔ پہلے کی تو بات کیا، اب ۱۹۷۵ء میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں صحابہؓ کی قبور اکھڑیں تو چودہ صدیاں بعد بھی ابدان تروتازہ تھے جنہیں جنت البقیع منتقل کر دیا گیا۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لی جائے کہ اگر کوئی واقعی شہید بھی ہو اور اس کا بدن سلامت نہ رہے تو کوئی استبعاد نہیں۔ کہ موت کی وجہ سے اس کا بدن خراب ہو گا اس کے علاوہ اثرات متاثر کر سکتے ہیں جیسے جلا دیا جائے یا گوشت کاٹ دیا جائے تو جو سب کچھ دنیا کی زندگی میں ممکن ہے اس کے بعد کی زندگی میں بھی ممکن ہے۔ ہاں، صرف موت کی وجہ سے گل سڑ جانے کا امکان نہیں کہ اَحْیَاءٌ کا مصداق بدن ہے جو بعد قتل بھی زندہ ہے کہ فعل قتل اسی پر صادر ہوا اور روح تو کافر کی بھی زندہ رہتی ہے۔ اس میں شہداء کی کیا تخصیص۔ ہاں! ان کی زندگی چونکہ باعتبار عالم کے برزخی ہوتی ہے موسم، ماحول، آرام، سب اس کے مطابق

ہوتے ہیں اور باعتبار حیات کے بالکل یہی زندگی ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی قدرت کے مشکل تو نہیں وہ تو کر سکتا ہے۔ ہماری میڈیکل سائنس کی رسائی سے بالاتر ہے۔ ہم مادی ذہن سے اس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ صرف اللہ کی اطلاع پر یقین کر لو کہ اسکی بات ہمیشہ سچی ہوتی ہے۔

اللہ کا کلام شہداء کی زندگی پہ شاہد اور عقل انسانی انبیاء کی حیات میں سرگرداں وحیراں۔

بات صرف اتنی ہے کہ لوگ عقل سے مادی دماغ سے سمجھنا چاہتے ہیں کہ ان کے دل زندہ نہیں ہیں اگر دل زندہ ہوتے تو وہ اس کی تصدیق کرتے جس کے مقابلے میں عقل کے ہونٹ بھی سِل سکتے ہیں۔ اہلِ بصیرت کے لئے حیاتِ انبیاء بدیہیات میں سے ہے۔ خدا تمام مسلمانوں کے دل روشن کر دے۔ آمین۔

ولنبلونّکم بشیئٍ .... اولئک ھم المھتدون۔

اسی بات کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ کسی قدر خوف یا بھوک یا مالی نقصان یا فصلوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کی جائے گی کہ صرف بے خطر زندگی میں ہی ذکر الٰہی کرتے ہو یا اسباب ظاہری تمہاری کوئی اُمید نہ بندھا رہے ہوں، دشمن کا خوف ہو اور کسی تباہی کا سامنا۔ تو اللہ کی یاد سے ہٹ کر اس کے سامنے جھک تو نہ جاؤ گے یا کم از کم اللہ کی طرف سے غافل تو نہ ہو جاؤ گے۔ اور یہی حال جانی و مالی نقصانات سے بھی ہوگا یعنی ایک عام انسانی زندگی تمہیں بھی بسر کرنی ہوگی فرق یہ ہوگا کہ غافلین پر جو مصیبت وارد ہوگی وہ واقعی مصیبت ہوگی مگر اللہ کی یاد سے معمور سینہ رکھنے والوں پر اور نورِ ایمان سے منور دل رکھنے والوں پر جو تکلیف آئے گی اگرچہ صورت مصیبت کی ہوگی مگر ہوگا امتحان کہ کامیابی کی کلید امتحان ہی ہوا کرتے ہیں۔

خداوند عالم کا علم ازلی ہے، ابدی ہے، کامل و اکمل ہے مگر اپنے بندوں پہ بھی اتمامِ حجت فرماتا ہے کہ کل میدانِ حشر میں یہ بات سامنے ہو کہ ان نورانی چہروں نے جہان کی ہر شے قربان کی مگر اللہ کا نام اور اس کی بارگاہ نہ چھوڑی اور وہ بدبخت اور بے نصیب بھی علیحدہ نظر آئیں گے کہ جو ان دُنیاوی آسائشوں کے حصول کی غرض سے یا دنیاوی نقصانات سے بچنے کی اُمید پر غیر اللہ کے در پر سجدہ ریز رہے جو نہ انہیں دنیا دے سکے اور نہ آخرت۔

تو اے میرے حبیب! میرے ان بندوں کو جنہوں نے ہر حال میں صبر کا دامن نہ چھوڑا اور ہر شے کے نقصان پر یہی بات کہی کہ ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ہماری جان، مال، آبرو، اولاد سب اللہ کے لئے ہے

جو عطا کرے اس پہ بھی شکر بجالاتے ہیں اور جو لے لے اس پہ بھی شکر ہی کرتے ہیں کہ ان چیزوں کا کیا ہم تو خود اسی کے ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ اگرچہ دُکھ طبعاً تو ان کو بھی ہوتا ہے اسی لیے ارشاد ہے، اذا اصابتھم مُصیبۃ یعنی جب ان پہ مصیبت اور تکلیف وارد ہوتی ہے تو بہ تقاضائے بشریت درد تو انھیں بھی ہوتا ہے مگر وہ درد اُن کو نہ اللہ سے غافل کرسکتا ہے اور نہ شکوہ سنج، بلکہ صبر کرتے اور اسی کا ذکر کرتے، اسی کی یاد میں لگ جاتے ہیں۔ بشارت دیجئے! انھیں مبارکباد کیئے کہ ان کے دِل پہ گزرنے والے ایک دُکھی لمحے کے صدقے اللہ کریم انھیں مُدتِ مدید کی خوشیاں بخشے گا

اور یہی لوگ ہیں کہ جن پر عنایاتِ خاص ہیں اور ایسے ہی لوگ حق پر ہیں ورنہ تو اگر دُنیا کے لذائذیا فوائد کو عبادات سے جوڑ دیا جاتا تو کون کم بخت پیچھے رہتا۔ لوگ تو جنگ عظیم اول میں سات روپے ماہوار لینے کے لئے سمندر پار جاکر لڑے اور وہیں کٹ مرے تو اگر نماز، روزہ یا ذکر کے ساتھ رزق لگا دیا جاتا تو یہ مساجد سے کب اُٹھتے تھے یا صحت کو منسلک کر دیا جاتا تو مساجد سے کب اُٹھتے تھے۔ بھلا پانچ نمازوں سے پیچھے رہ جاتے ہرگز نہیں۔ روپیہ بھی بچاتے اور صحت بھی پاتے مگر ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اے مومنین! تمھیں اللہ کی اطاعت، اس کی عبادت بھی کرنا ہے اور دُنیا میں انسانی زندگی بھی حسب معمول بسر کرنی ہے بلکہ یہ آیت تو اس بات پہ شاہد ہے کہ غافلین پہ کوئی دکھ آئے یا نہ آئے، حاضرین پہ تو ضرور وارد ہوگا۔ اسی مقصد کو یہ حدیث پاک واضح کرتی ہے جس کا مفہوم ہے کہ سب سے زیادہ مصیبت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر آتی ہے پھر ان سے قریب تر لوگوں پر اور پھر ان سے قریب لوگوں پر۔

آج کے دَور کی بڑی مصیبت بھی یہی ہے لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ نماز روزہ کر کے ہم نے اللہ پر احسان کر دیا ہے۔ اب اللہ کو ایسا ہی کرنا چاہیئے، جیسے ہماری منشا ہو، سبحان اللہ! گویا پہلے عبادت کی اور اب کروانا چاہتے ہو اطاعت ہی تو عبادت ہے معاذ اللہ! اگر خدا انسانوں کا مطیع ہوگیا تو پھر ہوچکی خدائی، بلکہ ایسی آرزو کرنا بہت بڑی جہالت ہے۔ ہاں! ہر حال میں اس کی رحمت پہ اُمید رکھنا بہت بڑی بات ہے اور اس کی رضا کو اس طرح پانا کہ اپنی پسند اس میں گم ہو جائے اصل درجہ ہے۔

ان الصفا والمروۃ .... شاکرٌ علیم۔

اور ذرا دیکھو تو! میری ایک بندی نے پوری زندگی کس قدر قربانیاں دی ہیں۔ ایمان لائی تو ہجرت کرنا پڑی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نکاح کیا تو ساری عمر سفر اور غربت کی تکالیف سہیں۔ بادشاہوں سے ٹکر ہوئی، ظالموں کی قید میں گئیں، مگر

ہر جگہ صبر کیا، اللہ پر بھروسہ کیا اور ہمیشہ نعمتِ باری کی سزاوار ہوئیں۔ حتےٰ کہ آخری عمر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جیسا لختِ جگر عطا ہوا مگر یہ بخشش بھی مزید امتحان لائی اور بے آب و گیاہ صحرا میں بچے سمیت چھوڑ دی گئیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس ہونے لگے تو پوچھا، یا خلیل اللہ! ہمیں یہاں کیوں چھوڑ رہے ہو؟

فرمایا " اللہ کا حکم ہے!"

تو فرمایا " اللہ ہمیں ضائع نہ کرے گا"

اس کے بعد پھر نئی مصیبت آگئی پانی ختم ہوا، جس کے سبب دودھ بھی سوکھ گیا بچہ بلبلا رہا ہے صحرا کی وسعتوں میں بجز اللہ کوئی نہیں جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو بے تابانہ پہاڑی پر چڑھیں، بچہ نیچے رکھا ہوا تھا۔ وہاں سے نظر دوڑائی۔ پانی نظر نہ آیا تو دوسری پہاڑی کی طرف چل دیں۔ جب وادی میں اُتریں تو بچہ اوجھل ہوگیا۔ دوڑ پڑیں کہ نگاہوں کے سامنے رہے مبادا کوئی جانور نقصان پہنچائے دوسری پہاڑی سے بھی کچھ نظر نہ آیا تو سات چکر بیتابی سے لگائے۔

بظاہر تو یہ بہت بڑی مصیبت تھی مگر اللہ کو یہ ادا کیسی بھائی۔ فرمایا، دیکھ لو! ہم نے صحرا کا جگر شق کر کے چشمہ بھی جاری کر دیا اور ان پہاڑوں کو وہ عظمت بخشی کہ دین کی علامتوں میں سے قرار دیا اور ان پر اسی طرح بے تابانہ دوڑنا حج و عمرہ کرنے والوں پر واجب قرار دیا۔

سعی کرنا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سُنتِ مستحبہ، امام مالک اور شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ (معارف) اور اسے اس عظیم عبادت یعنی حج و عمرہ کے ارکان میں شامل فرمایا کہ جس کے کرنے والا گناہوں سے ایسے پاک ہوتا ہے، جیسے پہلے روز دُنیا میں آیا تھا۔ یہ سب برکات تو دُنیا میں ظاہر اور سب کے سامنے ہیں اُخروی اجر تو اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اب رہے وہ لوگ جو آپ ﷺ پر یا کتاب پر یا بیت اللہ کے قبلہ ہونے پر معترض ہیں تو اُن کے پیشوا علمائے بنی اسرائیل ہیں کہ مُشرک بھی اُن سے پُوچھتے تھے تو وہ ان سب حقائق سے خوب آگاہ ہیں کہ کُتبِ سابقہ میں یہ سب بطور پیشگوئی کے موجود ہے مگر یہ اُسے ظاہر نہیں کرتے اور چھپاتے ہیں کہ اسی میں اپنا اقتدار سمجھتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ .... وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ۔

جو لوگ ارشاداتِ باری کو جو لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے نازل ہوئے چھپاتے ہیں اور ظاہر نہیں کرتے، وہ

غضبِ الٰہی کا شکار ہوتے ہیں اُن پر اللہ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے اور ساری مخلوق کی طرف سے بھی کہ ان کا کتمانِ حق ایسی ظلمت پیدا کرتا ہے جس کی نحوست کے اثرات ساری مخلوق کو متاثر کرتے ہیں تو سب ان پر لعنت کرتے ہیں۔

دراصل انسانی افعال کا اثر بہت وسیع ہے یہ قومِ لوط کے اعمال تھے جنہوں نے زمین سمیت ساری چیزوں کو تباہ کر دیا یا نوح علیہ السلام کی قوم کہ جس کے اعمالِ بد ساری زمین پر طوفان لائے اور سوائے کشتی کے کوئی چیز نہ بچ سکی سب غرق ہو گئے تو اس کا سبب انسانوں کی ہی بدعملی تھی اور سب طرح کی بداعمالیوں میں سرِفہرست کتمانِ حق ہے کہ ایک بات دین کی جانتا ہو مگر دنیاوی مفاد کے لئے بیان نہ کرے یا توڑ موڑ کر اس طرح کرے کہ بات بگڑ جائے مگر لوگ خوش ہوں اور یہ فائدہ اُٹھائے۔ تو یہ شخص اللہ اور اللہ کی مخلوق کی لعنت کا نشانہ بنے گا۔ بلکہ ارشاد ہے کہ جس نے جانتے ہوئے بات چھپائی۔ اللہ اُسے آگ کا لگام پہنائیں گے۔ ہاں! یہ دُوسری بات ہے کہ جانتا ہی نہ ہو تو ایسے شخص کو بھی خواہ مخواہ مفتی بننے کا حق حاصل نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہی باتیں بیان کرنے کا حکم ہے جن کے ظاہر کرنے کی ضرورت ہو اور لوگوں کی راہنمائی کے لئے ضروری ہوں خواہ مخواہ مسائل گھڑ کے جھگڑا پیدا کرنا اور اپنی ہوس پوری کرنے کا ذریعہ بنانا بھی سخت جرم ہے نیز لوگوں سے ان کی استعداد کے مطابق بات کی جائے ایسی بات جو عوام کی رسائی سے بالاتر ہو عوام سے نہ کہی جائے کہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں اور یہ سب کچھ صرف کتاب اللہ کے لئے نہیں بلکہ حدیثِ رسُول ﷺ بھی اسی حکم میں ہے کہ بغیر حدیث کے ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی اور نہ قرآن کے مفہوم کی تعیین ہو سکتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ سو جو لوگ ان حقائق کو جو اللہ نے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے چھپاتے ہیں سخت ترین مجرم اور لعنت کے سزاوار ہیں۔ مگر بایں ہمہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں اتباعِ رسُول ﷺ اختیار کریں اور حق کو ظاہر کریں یعنی محض زبان سے لفظ توبہ کہہ کر خوش نہ ہولیں بلکہ اپنے اعمال کی، عقائد کی اصلاح کریں اور بُرائی سے علانیہ بیزار ہوں اگر کوئی حق بات چھپائی تھی تو اُسے ظاہر کریں تو اللہ کریم فرماتے ہیں ایسے لوگوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہوں کہ میری شان ایسی ہی عظیم ہے اور توبہ قبول کرنا اور رحم کرنا مجھے ہی سزاوار ہے۔

سُبحان اللہ!

اگر اس قدر وسیع رحمت اور بخشش سے بھی کوئی فرار ہی اختیار کرے تو پھر یہ پکی بات ہے کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اپنائی اور پھر اسی پر موت سے ہمکنار ہوئے تو اُن پر اللہ کی لعنت اور تمام نسلِ انسانی کی لعنت ہے کہ وہ ان سب کے مجرم

ہیں اللہ کی نافرمانی کر کے اس کا جرم کیا اور انسانوں کی بستیوں میں غضب الٰہی کو وارد کرنے کا سبب بنے تو ان سب کی لعنت کے سزاوار ہوئے چونکہ کافر ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اس میں کمی نہ ہو گی اور نہ کبھی انھیں مہلت دی جائیگی۔

یہاں سے سمجھ آئی کہ جب تک خاتمہ کفر پہ نہ ہو شخص معین پر لعنت کرنا جائز نہیں البتہ ظالموں اور کافروں پر بغیر کسی فرد کی تعیین کے لعنت کرنا درست ہے۔

جب یہ اس قدر سنگین بات ہے کہ کافر پر بھی جب تک کفر پر ہی نہ مر جائے لعنت کرنا درست نہیں تو پھر مومن پر خواہ کیسا ہی ہو کبھی جائز نہیں ہو سکتی حالانکہ ہمارے ہاں عورتیں بات بے بات پر لعنت برساتی ہیں جس پر لعنت کی جائے اگر وہ اس کا مستحق نہ ہو تو پھر کرنے والے پر پلٹتی ہے اور یہ صرف لفظ لعنت کہنے سے نہیں بلکہ اس کے ہم معنی الفاظ مثلاً راندۂ درگاہ، مردود وغیرہ سے بھی پرہیز لازم ہے سو یہ حال تو ہے ان کا جو کتمان حق کے مرتکب ہیں کہ وہ اپنی ہی راہ میں گڑھا کھود رہے ہیں۔ رہی تمہاری بات تو تمھیں اللہ پہ نگاہ رکھنی ہے کہ وہی اکیلا تمہارا معبود ہے اور اسی کی رضا تمہارا مقصود۔ کوئی کیا کہتا ہے تمہیں اس سے غرض نہیں۔

والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم۔

تمہارا معبود اکیلا ہے جس کا نہ کوئی ثانی ہے نہ شریک اور وہ اکیلا ہی مستحق ہے عبادت کا تمھیں اس کی رضا مطلوب ہے اور اس کے احکام کی بجا آوری تمہارا مقصد کہ وہ بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

رکوع نمبر ۲ آیات ۱۶۴ تا ۱۶۷ سیقول ۲

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کیلئے رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقلمندوں کیلئے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں (۱۶۴)

164. Lo! in the creation of the heavens and the earth, and the difference of night and day, and the ships which run upon the sea with that which is of use to men, and the water which Allah sendeth down from the sky, thereby reviving the earth after its death, and dispersing all kinds of beasts therein; and (in) the ordinance of the winds, and the clouds obedient between heaven and earth: are signs (of Allah's sovereignty) for people who have sense.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ
كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ
حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا
اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ
جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾
اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ
وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً
فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ
كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ
وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿167﴾

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر خدا کو شریک خدا بناتے
اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان
والے ہیں وہ تو خدا ہی کے سب سے زیادہ دوست دار ہیں
اور اے کاش ظالم لوگ جو بات عذاب کے وقت دیکھیں گے
اب دیکھ لیتے کہ سب طرح کی طاقت خدا ہی کو ہے اور یہ کہ
خدا سخت عذاب کرنے والا ہے ﴿165﴾
اُس دن کفر کے پیشوا اپنے پیرووں سے بیزاری ظاہر
کریں گے اور دونوں عذاب الٰہی دیکھ لیں گے اور ان کے
آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے ﴿166﴾
یہ حال دیکھ کر پیروی کرنے والے حسرت سے کہیں گے کہ اے کاش
ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا تاکہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے
ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہوں۔ اسی طرح خدا ان کے اعمال
حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے ﴿167﴾

165. Yet of mankind are some who take unto themselves (objects of worship which they set as) rivals to Allah, loving them with a love like (that which is the due) of Allah (only)—Those who believe are stauncher in their love for Allah—Oh, that those who do evil had but known, (on the day) when they behold the doom that power belongeth wholly to Allah, and that Allah is severe in punishment!

166. (On the day) when those who were followed disown those who followed (them), and they behold the doom, and all their aims collapse with them.

167. And those who were but followers will say: If a return were possible for us, we would disown them even as they have disowned us. Thus will Allah show them their own deeds as anguish for them, and they will not emerge from the Fire.

اسرار و معارف

اِنّ فی خلق السمٰوٰت والارض .... لاٰیٰت لقوم یعقلون ۔

توحیدِ باری کے لئے تکوینی دلائل

یہ بات کہ وہ اکیلا ہی مستحق عبادت ہے اور وہی ہے ہر کہ دمہ پہ رحم کرنے والا، سب کا خالق و مالک و رازق معاندین کے لئے بے حد ثقیل تھی۔ خصوصاً نزولِ کلام کے وقت تو حال یہ تھا کہ گھر کے ہر فرد نے اپنا علیحدہ بت بنا رکھا تھا اور پھر مختلف اُمور کے لئے مختلف خدا اور الٰہ۔ تو آج بھی مذاہبِ باطلہ میں دیکھے جا سکتے ہیں کہ انسان اپنی عقل کے مطابق سوچتا ہے تو یہ کام کہ ساری کائنات کا رب واحد ہے اور تمام اُمور اکیلا ہی انجام دے رہا ہے اُس کی رسائی سے بالاتر ہے۔

ان حقائق تک پہنچنے کے لئے نورِ نبوت سے اکتساب ضروری ہے اور وہی ان بلندیوں تک رہنمائی کر سکتا ہے۔ یہ اتنی عظیم بات ہے کہ لوگ کلمہ پڑھنے اور اقرار توحید و رسالت کرنے کے بعد بھی بھٹک رہے ہیں۔ عہدِ نبوی ﷺ مثانی عہد

تھا، پھر اس کے بعد دورِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور پھر تابعین کا زمانہ۔ اس کے بعد اگرچہ "لا الٰہ" کی ضرب اس قدر شدید اور کاری تھی کہ کوئی کلمہ گو پتھر کی مورت نہ بنا سکا مگر خیالی مشکل کشاؤں اور حاجت براری کرنے والوں کی ایک فوج نظر آتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے رواجاً کلمہ پڑھ لیا ہے کہ نسل بعد نسل آرہا ہے۔ اس کے حقائق کی طرف توجہ نہیں دے سکے۔ کہ اس کے لئے انوارِ نبوت کی ضرورت تھی جن سے لوگوں کے دل خالی ہیں مگر اسی حقیقت کو جاننے کے لئے دلائلِ کوینی بھی تو موجود ہیں جو بنظرِ غور مطالعہ کیا جائے تو انسان کا رُخ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

یہاں انہی سے بحث فرمائی ہے کہ بلاشبہ آسمانوں کی بناوٹ، اس میں فرشتوں کا قیام اور ان کا امورِ دنیا پہ مقرر کیا جانا یا بیت المعمور اور بیت العزہ کہ نزولِ تجلیات کا سبب ہیں کا بنانا، ان بے شمار حقائق کا ان میں سمو دینا جو ان کو نظامِ دنیا کے لئے بھی ایک سیکرٹریٹ کا درجہ دے رہے ہیں اور زمین کی بناوٹ کہ جملہ سیاروں کی توجہ کا مرکز ہے۔ خزانوں سے معمور، رزق سے بھری ہوئی، پانی سے لبالب اور مخلوقِ خدا کو اپنی گود میں لئے ہوئے۔ اس پر دن اور رات کی آمد و شد کہ نظامِ دنیا کے قیام میں ان کو ایک خاص دخل ہے اور تعمیرِ حیات کے لئے جہاں سورج کی تمازت کی ضرورت ہے وہاں رات کی پنہائیاں بھی کم ضروری نہیں اور پھر اسی نظام کو قائم رکھنے کے لئے سمندروں کی تخلیق اور ان کے سینوں پر ٹنوں وزنی جہازوں کی آمدورفت کہ انسانی زندگی کی بقا کا اور انسانوں کے منافع کا ایک بہت بڑا سبب ہیں اور پھر اس پانی کے خزانے کو آسمانوں سے یا بادل سے نازل کرنے کا اسلوب کہ عین وقت پر اور صحیح جگہ پر اور ٹھیک اندازے کے مطابق نازل ہوتا ہے پھر قطرہ قطرہ برس کر جل تھل کر دیتا ہے اور دریاؤں کو کناروں سے باہر اچھال دیتا ہے۔

اگر اسی طرح کا دریا اُوپر سے انڈیل دیتا تو آبادیاں تباہ ہو کر رہ جاتیں مگر ایسا نہیں، بلکہ ایک خاص طریقے سے اُترتا ہے اور زمین کی نس نس میں پہنچ کر اس کی تازگی کا سبب بنتا ہے اور ہواؤں کو خاص اندازے سے خاص موسموں میں چلاتے ہیں کہ سب چیزوں کو زندگی بخشتی ہے اور ان کی پرورش کرتی ہے۔ کبھی گرم ہو کر اور کبھی سرد ہو کر، کبھی پُروا تو کبھی پچھوا ہے اور پانی کے اس سمندر پر مقرر فرمانا کہ جو زمین و آسمان کے درمیان بادل کی صورت میں معلق ہے اگر کچھ حصہ برسے، تو برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدانخواستہ سارا گر پڑے تو کیا ہوتا۔ تو گویا یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے مدار کی حیثیت رکھتا ہے اور سب کاموں کا اپنے صحیح وقت پر درست انداز میں پورا ہونا ہی جہاں کی آبادی کا سبب ہے اور جو واقعی ہو رہا ہے اس میں

توحید باری کی بہت بڑی دلیل موجود ہے۔ اگر متعدد ربّ ہوتے تو یہ نظام کسی تصادم کی نذر ہو کر تباہ ہو جاتا۔

ان استدلالات کو سمجھنے کے لیے عقلِ سلیم کی ضرورت ہے۔ معاذ اللہ! اگر کہیں اس نظام کی کوئی کڑی کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی تو یقیناً کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی مقام پر ضرور اختلاف پیدا ہوتا جو دُنیا کی ویرانی کا سبب بن جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ ہر شے اور ہر کام اپنے وقتِ مقررہ پر انجام پا رہا ہے۔ عرشِ عُلیٰ سے تحت الثریٰ تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہے تو یقیناً یہ ایک ہی حاکم کے حکم پر عمل ہو رہا ہے اور وہی اکیلا عبادت کا مستحق بھی ہے۔

مگر لوگوں کا حال عجیب ہے،

ومن الناس .... ان اللہ شدید العذاب۔

مومن اور محبّتِ الٰہی

کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے علاوہ اوروں کو بھی کارساز سمجھتے ہیں اور اس طرح ان کو خدائی میں شریک قرار دیتے ہیں چنانچہ جو محبّت اللہ سے رکھنی چاہیے تھی وہ محبّت ان باطل خداؤں سے رکھتے ہیں کہ جب ان سے توقع کارسازی کی رکھتے ہیں تو یقیناً محبّت بھی رکھیں گے۔ مگر مومنین ایسا ہرگز نہیں کرتے بلکہ سب سے اشد محبت اللہ سے رکھتے ہیں۔

مشرکین کی محبّت تو جلبِ منفعت کی ہے ہر دروازے پر کسی شے کو حاصل کرنے کی لالچ میں سر رکھتے ہیں۔ اگر جان یا مال اور اولاد پر زد پڑتی نظر آئے تو چونکہ ان کی محبّت مشرک پر اپنے معبود کی نسبت غالب ہوتی ہے اپنے معبود کو چھوڑ دیتا ہے ان کو نہیں چھوڑ سکتا مگر مومن کی شان دوسری ہے کہ طبعاً مال، جان، اولاد سے محبت تو رکھتا ہے مگر ایسی نہیں کہ یہ چیزیں اُسے اللہ سے بیگانہ کر دیں اگر کبھی ضرورت پڑ جائے تو اللہ کے نام پر سب کچھ قربان کر دیتا ہے مگر اس کے در کو اور اُس کے نام کو نہیں چھوڑتا، کہ تمام محبّتوں پر اُسی کی محبت کو غالب رکھتا ہے۔

یہی ماحصل ہے تصوّف کا۔ کہ اس قدر اللہ، اللہ کرے کہ دل و دماغ میں رچ بس جائے۔ سارا جہان چھوٹ جائے مگر اللہ کا نام نہ چھُوٹے۔ سُبحان اللہ!

کیا ہی بہتر ہوتا کہ ظالم بھی مصائب کو دیکھ کر سمجھ پاتے کہ بجز اللہ کے کوئی ان کو روکنے والا نہیں، نہ کسی کی جرأت ہے کہ ان کو ٹال سکے اور نہ کوئی شدّتِ مصیبت میں یاد ہی رہا کہ یہ حال اگر دنیوی مصائب میں ہے تو اُخروی گرفت تو اس سے شدید تر ہوگی، وہاں کون آڑ بن سکے گا کہ ساری قوت و طاقت اُسی ذاتِ واحد کو سزاوار ہے۔ کام آنا تو دُور کی بات ہے۔ باطل میں پنی

پیروی کرانے والے تو اُلٹے اس روز اپنے پیروکاروں سے بیزار ہو جائیں گے ان کے اعمال کی سزا کا تصور ہی جان لیوا ہو گا، جبکہ اپنے ذاتی اعمال ہی انھیں دوزخ میں دھکیل رہے ہوں گے ۔

توجن لوگوں نے ان کے پیچھے لگ کر باطل راہ اپنائی ان کا بوجھ بھی اوپر لادا جائے گا وہ ان سے سخت بیزار ہوں گے مگر اس وقت اسباب منقطع ہو چکے ہوں گے اور جان چھڑانے کا کوئی ذریعہ نہ پا سکیں گے. نیز غلط کاروں کے پیر خود اُن کی حالت دیکھ کر سیر ہو جائیں گے کہ یہ رفاقت تو جہنم کو لے چلی تو خواہش کریں گے کہ کاش دُنیا میں لوٹ کر جاتا تو جیسے یہ آج ہمیں آنکھیں دکھا رہے ہیں ہم بھی ان کو کھری کھری سُناتے مگر یہ سب صرف ان کو اپنے کیئے پر حسرت دلانے کے لیئے ہو گا ورنہ تو دونوں گروہوں کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا ۔ بلکہ رہیں گے دوزخ ہی میں اور کبھی آگ سے نہ نکل سکیں گے ۔

رکوع نمبر ۲ آیات ۱۶۸ تا ۱۷۶ سیقول ۱/۵

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ
حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾
اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ
وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِــعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ
اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا
يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ
الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً
وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ
فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ
وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ

لوگو جو چیزیں زمین میں حلال طیب
ہیں وہ کھاؤ۔ اور شیطان کے قدموں پر
نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۱۶۸﴾
وہ تو تم کو بُرائی اور بےحیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ خدا کی
نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں ﴿۱۶۹﴾
اور جب اُن لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) خدا نے
نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ
ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو
پایا۔ بھلا اگرچہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ
سیدھے رستے پر ہوں (تب بھی وہ) انہیں کی تقلید کیے جائیں گے؟ ﴿۱۷۰﴾
جو لوگ کافر ہیں اُن کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی
ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سُن نہ سکے
(یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کچھ) سمجھ
ہی نہیں سکتے ﴿۱۷۱﴾
اے اہلِ ایمان جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی
ہیں اُن کو کھاؤ اور اگر خدا ہی کے بندے ہو تو اس
کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کرو ﴿۱۷۲﴾
اُس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سُور کا گوشت
اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام

168. O mankind! Eat of that which is lawful and wholesome in the earth, and follow not the footsteps of the devil. Lo! he is an open enemy for you.

169. He enjoineth upon you only the evil and the foul, and that ye should tell concerning Allah that which ye know not.

170. And when it is said unto them: Follow that which Allah hath revealed, they say: We follow that wherein we found our fathers:

What! Even though their fathers were wholly unintelligent and had no guidance?

171. The likeness of those who disbelieve (in relation to the messenger) is as the likeness of one who calleth unto that which heareth naught except a shout and cry. Deaf, dumb, blind, therefore they have no sense.

172. O ye who believe! Eat of the good things wherewith We have provided you, and render thanks to Allah if it is (indeed) He whom ye worship.

173. He hath forbidden you only carrion, and blood, and swineflesh, and that which hath been immolated to (the name

لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾

کر دیا ہو۔ ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) خدا کی نافرمانی
نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اُس پر کچھ
گناہ نہیں۔ بیشک خدا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے ﴿١٧٣﴾

of) any other than Allah. But he who is driven by necessity, neither craving nor transgressing, it is no sin for him. Lo! Allah is Forgiving, Merciful.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ
بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ
اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾

جو لوگ (خدا کی) کتاب سے اُن (آیتوں اور ہدایتوں)
کو جو اُس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے اور اُن کے
بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل
کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں ایسے
لوگوں سے خدا قیامت کے دن کلام کریگا اور نہ اُنکو (گناہوں
سے) پاک کریگا اور اُن کیلئے دُکھ دینے والا عذاب ہے ﴿١٧٤﴾

174. Lo! those who hide aught of the Scripture which Allah hath revealed, and purchase a small gain therewith, they eat into their bellies nothing else than fire. Allah will not speak to them on the Day of Resurrection, nor will He make them grow. Theirs will be a painful doom.

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ
فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش
چھوڑ کر عذاب خریدا۔ یہ آتش (جہنم) کی کیسی برداشت
کرنے والے ہیں! ﴿١٧٥﴾

175. Those are they who purchase error at the price of guidance, and torment at the price of pardon. How constant are they in their strife to reach the Fire!

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا
فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿١٧٦﴾ ع

یہ اس لئے کہ خدا نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل
فرمائی۔ اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف
کیا وہ ضد میں (آکر نیکی سے) دُور (ہو گئے) ہیں ﴿١٧٦﴾

176. That is because Allah hath revealed the Scripture with the truth. Lo! those who find (a cause of) disagreement in the Scripture are in open schism.

اسرار و معارف

یاایھاالناس کلوا مما فی الارض .... غفور رحیم ۱۶۸، ۱۷۳

لوگو! اس ساری بربادی کا سبب اللہ کی نافرمانی ہے کہ زندگی میں ہر متنفس کی ساری محنت و مشقت دراصل غذا حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے تو یاد رکھو! روئے زمین پر ساری غذا تمہارے ہی لئے ہے مگر اللہ نے اس میں حلال و حرام مقرر فرما دیئے ہیں سو اگر تم ابدی ہلاکت سے بچنا چاہتے ہو تو غذا۔ حلال اور طیب کھاؤ تاکہ تم شیطان کی پیروی سے بچ سکو کیونکہ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے اگر تم اس کی اطاعت اختیار کرو گے تو بھی خوش ہو کر تمہیں سیدھی راہ نہ بتائے گا۔ بلکہ ہمیشہ برائی اور بے حیائی پر اکساتا رہے گا اور تمہارے منہ سے ذاتِ باری پہ جھوٹ اگلوائے گا کہ اللہ کا حکم نہ ہوگا مگر تم اس بات کو اللہ کی طرف منسوب کرو گے۔ یا پھر اللہ پر اعتراضات کرتے رہو گے کہ حلال و حرام وہی ہیں جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں نہ یہ کہ شیطان کے بہکاوے میں آکر تم حلال کو حرام سمجھ بیٹھو اور حرام چیزوں کو حلال کہہ کر کھاتے رہو۔ کہ لوگ بعض حلال جانوروں کو بتوں کے نام کر کے چھوڑ دیتے اور اُن کا کھانا

حلال نہ جانتے تھے۔ کسی قدر مشابہت آج کے دَور میں بھی پائی جاتی ہے۔ کہ مسلمان بھی جانوروں کو بعض بزرگوں کے نام مختص کر دیتے ہیں اور پھر اپنے پر اُس کو حلال نہیں سمجھتے۔ یہ سراسر ناجائز اور سخت گناہ ہے اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر مختص ہو جائے جب تک اس خیال سے توبہ نہ کی جائے حرام ہو گا اور مُردار کے حکم میں ہو گا۔

لہٰذا ان کو ان کی اصلی حالت پر چھوڑ کر کھاؤ، پیو!

یہی بات جب ان سے کہی جائے کہ اللہ کے احکام کی پیروی کرو تو کہتے ہیں بھلا ہم باپ دادا کے رواج کو کیوں چھوڑ دیں اور ان کی اطاعت کیوں نہ کریں۔ اُن کی اطاعت ضرور کرتے لیکن اس شرط پر کہ وہ یعنی ان کے آباؤ اجداد سمجھ رکھنے والے اور ہدایت یافتہ بھی تو ہوتے کہ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت بن جاتی مگر حال یہ ہے کہ ان یعنی کفّار کے آباؤ اجداد نہ ہدایت پر تھے اور نہ ہی سمجھ رکھتے تھے کہ حق و باطل میں تمیز کر سکتے۔

تقلید

بعض لوگ یہ آیات تقلید آئمہ مجتہدین کے خلاف پڑھ دیتے ہیں جو صریحًا زیادتی ہے اور مدلولِ آیت سے فرار۔ بلکہ اس آیت نے تقلید کے لئے دو شرائط پیش کی ہیں۔ ایک کہ عقل رکھتا ہو احکام دین کا استخراج کر سکے اور قرآن و سُنت کا علم یعنی ہدایت رکھتا ہو۔ اگر یہ دو وصف نہ ہوں تو اندھی تقلید ہو گی جو باطل ہے۔ ورنہ حق میں تو تقلید ضروری ہے کہ خود قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول موجود ہے کہ میں نے اتباع کیا اپنے آباؤ اجداد ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کا۔ ہاں! خلافِ سُنت امور میں یا فرائض و واجبات میں احکام الٰہی کے خلاف کرنا اور جاہل باپ دادوں کے رواج کو اپنانا سخت ظلم ہے۔ اس کے ساتھ اگر یہ گمان بھی رکھے کہ صحیح طریقہ یہی ہے جو مرّوج ہے اور احکام دین معاذاللہ فضول ہیں تو کافر ہو گا، جیسے آجکل عمومًا کہہ دیا جاتا ہے کہ اگر یہ کام سُنت یا شریعت کے مطابق کروں تو نکٹی ہو گی۔ ایسا کہنے والا ایمان نہیں بچا سکتا۔ اگر خلافِ سُنت بھی کر گزرے تو کم ازکم یہ احساس ضرور ہو کہ حق تو راہِ سُنت ہے میرا کام غلط ہے تاکہ ایمان تو بچ سکے۔

یہ حال تو مسلمانوں کا ہے کفار تو سراسر باطل پہ جمے ہوئے ہیں اور اپنے کافر اجداد کی پیروی بہ نسبت احکامِ الٰہی ضروری خیال کرتے ہیں یہ تو ایسے گئے گزرے ہیں کہ ان پر نصیحت کا بھی اثر نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص ایسی شے کو پکار رہا ہو جس میں سُننے کی صلاحیت ہی نہ ہو، سوائے چیخ و پکار کے، بلکہ یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں اور اس کے ساتھ انتہائی بے وقوف اور بے عقل بھی کہ سمع و بصارت کو بھی محض پیٹ بھرنے کے لئے استعمال کرنا تو شرفِ انسانیت نہیں ہے بلکہ یہاں تک تو سب جانور بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں اُن کا مصرف اصلی تو حصُولِ معرفت تھا جس سے یہ محرُوم رہے تو گویا آنکھ کان رکھتے

ہوئے بھی بہرے، گونگے اور اندھے ہی رہے۔ نیز تمام دماغی قوتوں کو بھی محض دُنیا کمانے کے لئے ہی صرف کیا حالانکہ یہی قوتیں دلائل حقہ کو سمجھنے کا ذریعہ بھی تھیں تو گویا اس نے عقل کو بھی ضائع ہی کر دیا۔

غذا کا اثر

اے ایمان والو! یہ سب چیزیں میں نے تمھیں روزی میں دی ہیں اور نوع انسانی کے لئے یہ سارا نظام ہے مگر یاد رکھو: ان میں سے طیب کھاؤ یعنی پاکیزہ کہ حلال بھی ہو اور پاک بھی کہ طیب صرف حلال ہی نہ ہوگا بلکہ پاک بھی ہو۔ اصل میں انسانی مزاج غذا ہی سے تعمیر پاتا ہے حرام غذا کی ایک خاص نحوست اور کیفیت ہوتی ہے جو اللہ سے دُور کرتی ہے اور شیطانی القاء کو قبول کرتی ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ بہت سے طویل السفر اور پریشان حال اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اور یارب! یارب! پکارتے ہیں مگر کھانا پینا، لباس ان کا حرام ہوتا ہے۔ دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ حرام سے حاصل کی گئی قوت زبان حق بیان نہیں کر سکتی اور کان حق نہیں سُن سکتے، آنکھوں میں حیا نہیں رہتی اور دل میں نور نہیں رہتا۔ انسان پر شیطان کا اثر قوی ہو جاتا ہے اور وہ اسی کے نقش قدم پر چل نکلتا ہے۔

رزقِ حلال سے ایک نور دل میں پیدا ہوتا ہے حق گوئی اور حق پرستی کی قوت نصیب ہوتی ہے عبادات کے لئے دل میں ذوق پیدا ہوتا ہے اور دل کی آہ عرش تک پہنچتی ہے اور گناہ سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ اگر تم صرف اللہ کی عبادت کرنے والے ہو تو حلال کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اور محض اپنی طرف سے کوئی شخص قید لگا کر کسی شے کو حرام نہیں کر سکتا بلکہ حرام وہی ہیں جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

حلال و حرام

اللہ نے تو مُردار، خون، لحم خنزیر اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حرام کیا ہے کہ بنیادی طور پر تمام جانوروں کو ان چار قسموں میں پرکھا جا سکتا ہے جو ان میں سے ہو وہ حرام، علاوہ ان کے سب حلال۔ سب سے پہلا ہے میتہ یعنی مردار۔ اس کا مصداق وہ جانور ہیں جن کے حلال ہونے کے لئے ذبح کرنا ضروری ہے۔ مگر وہ بغیر ذبح کے مر جائیں یا مار دیئے جائیں، جیسے گلا گھونٹ کر یا پتھر وغیرہ سے ضرب لگا کر اور دُوسری قسم مردار کی وہ ہے کہ جانور شرعی طور پر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتے وہ جب بھی جس حال میں مریں یا مارے جائیں مُردار ہوں گے اور ان سے نفع حاصل کرنا یا کھانا جائز نہ ہوگا سوائے ان جانوروں کے جو رسُول اللہ ﷺ نے بغیر ذبح کے حلال قرار دیئے ہیں جیسے مچھلی اور ٹڈی۔ ارشاد ہے کہ ہمارے لئے دو مُردار حلال کر دیئے گئے ہیں ایک مچھلی دوسری ٹڈی اور دو خون حلال کر دیئے

گئے ہیں جگر و طحال (ابن کثیر) ان میں بھی جو مچھلی سڑ کر پانی کے اوپر آجائے حلال نہیں رہتی۔ نیز ذبح میں ایسے جانور جو شکار کئے جائیں اگر قابو نہ آسکیں تو تکبیر پڑھ کر دھار دار چیز سے زخم لگائیں تو بغیر ذبح کے حلال ہوگا اور وہی اس کے ذبح کا حکم رکھے گا۔ مگر شرط ہے کہ چیز دھار دار ہو اور کاٹے، توڑے نہیں۔ مثلاً تیر یا خنجر وغیرہ اگر بندوق کی گولی سے جانور مرا تو وہ اس حکم میں ہوگا جیسے لاٹھی یا پتھر کی چوٹ سے مرا۔ اس لئے اس کو مرنے سے پہلے ذبح کرنا ضروری ہے۔ بے شک گولی نوکدار ہو کہ کوئی گولی دھار دار نہیں ہوتی اور نوکدار کی نوک میں بھی کاٹنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔ بارود کے زور سے گوشت یا ہڈیوں کو توڑتی ہے۔

ظاہر ہے جیسے مُردار کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس سے نفع اٹھانا یا کسی دوسرے کو کھلانا بھی ناجائز۔ حتیٰ کہ جانور کو بھی مُردار نہ کھلایا جائے بلکہ کسی ایسی جگہ رکھ دے جہاں سے کوئی کُتا بلی وغیرہ خود اٹھا کر کھائے۔ ہاں! مُردار کی ہڈی کھال، بال وغیرہ جو چیز کھانے کی نہیں ہے ان سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ جیسے ارشاد ہے،

"ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثا ومتاعا الی حین۔"

میں مطلقاً اجازت ہے ذبح شرط نہیں۔ ہاں ہڈی خشک ہو، گوشت یا چربی کا اثر نہ ہو اور کھال کی دباغت کی جائے کہ یہ اثرات نہ رہیں۔ گوشت کی طرح چربی بھی حرام ہے اور مُردار کی چربی سے صابن وغیرہ بنانا بھی ناجائز۔ جیسے اکثر یورپ سے آنے والے صابن وغیرہ میں اس کا احتمال زیادہ ہے بلکہ ممکن ہے خنزیر کی استعمال ہو۔ اس لئے احتیاط ضروری ہے ہاں علم قطعی نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے مگر جن ڈبوں پہ لکھا ہو کہ اجزاء خنزیر سے شامل ہیں وہ تو قطعی حرام ہیں۔

دُوسرا حرام خُون ہے یہاں اگرچہ صرف لفظ دم استعمال ہوا ہے مگر سورۃ انعام میں ساتھ مسفوح بھی ہے یعنی بہنے والا۔ تو وہ خون جو عند الذبح بہتا ہے حرام ہوگا یا زخمی جانور کے زخم سے بہنے والا۔ ہاں بعد ذبح اگر گوشت میں لگا رہ گیا تو وہ اس حکم میں شامل نہیں۔ ذبح میں حلقوم کو کاٹے اور گردن کی دونوں رگیں احتیاط سے کاٹے، کوئی رگ رہ نہ جائے۔ نیز گردن کو توڑ کر پیچھے مروڑ کر حرام مغز کو کاٹنا مکروہ ہے۔ کہ اس کے کٹنے سے دل کی حرکت فوراً معطل ہو جاتی ہے جس سے خُون کے جسم میں رہ جانے کا امکان ہے جو قصاب وغیرہ عموماً کاٹ دیتے ہیں کہ اس طرح جانور کے مرنے میں جلدی ہو جاتی ہے نیز خون کا بیچنا بھی حرام ہے۔

خُون کا دینا

ایک مسئلہ دورِ حاضرہ ہے کہ انسانوں کو انسانوں کا خون دیا جاتا ہے یہ ایک تو کیا اضطراراً جاتا ہے کہ اس کے بغیر مریض جانبر نہ ہو سکتا ہو۔ دوسرے ٹیکے سے لیا جاتا ہے اور ٹیکے سے رگ میں داخل کیا جاتا ہے

اسمیں کھانے پینے کا سوال نہیں وہ اس حکم میں نہیں آتا کہ ناجائز ہو۔ ہاں! اس کی تجارت درست نہیں۔ انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر فراہم کرنا چاہیئے۔

تیسری شے لحم الخنزیر یعنی کسی بھی حال میں اس کا گوشت تک حلال نہیں۔ باقی تمام اجزا بھی باجماع اُمت حرام ہیں کہ یہ نجس العین ہے بلکہ اس کی اُجرت لینا تک حرام ہے مثلاً کوئی خنزیروں کی چربی پہ نوکر ہو یا کسی کے پالتو خنزیروں کا چوکیدار ہو یا ٹرک وغیرہ میں لاد کر پہنچائے اور اُجرت لے یہ سب حرام ہے۔ یہی حکم شراب اور سُود کا ہے۔ شراب کی مزدوری اور سُود کی گواہی تک حرام ہیں۔

وما اھل بہ لغیر اللہ۔

چوتھی شے وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے۔ اس کی تین صُورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ کوئی جانور غیر اللہ کے تقرب کے لِئے ذبح کیا جائے اور وقتِ ذبح اُسی کا نام لیا جائے یہ جانور مردار ہوگا اور اس کی کسی شے سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی بھی غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لِئے ذبح کیا جائے اور وقتِ ذبح اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے۔ یہ بھی حرام اور مردار کے حکم میں ہے اور کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں۔ خواہ ہندو یا غیر مذاہب بُت یا دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لِئے کریں یا مسلمان پیروں، بزرگوں اور اولیاءاللہ کو خوش کرنے کے لِئے۔ حکم دونوں کا ایک ہے کہ دونوں میں تقرب غیر اللہ کا مقصود ہے اور اشتراکِ علت سے حرام ہوگا۔ نیز یہ وما ذبح علی النصب کے حکم میں آکر بھی حرام ہوگا کہ "نصب" ان تمام کو کہا جائے گا خواہ اشیاء ہوں یا افراد جن کو الٰہ مانا جائے یا ان کی وہ عظمت تسلیم کی جائے جو صرف اللہ کا حصہ ہے اور ایسی عاجزی اُن کے سامنے کی جائے جو صرف اللہ کے لِئے ہے خواہ وہ فرشتہ اور نبی ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خُدا کا بیٹا مانتے پھرتے ہیں تو اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برحق نبی، مگر عیسائی غیر اللہ کے پجاری قرار پائے۔ اب اگر ان کا تقرب حاصل کرنے کو جانور ذبح کریں گے۔ خواہ ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لیں، حرام ہوگا۔

یہی حال پیروں کے مُرغوں اور بکروں کا ہے کہ کسی بھی بزرگ کا تقرب چاہنے کے لِئے ذبح کرے گا، حرام قرار پائے گا اور اس کا کھانا ناجائز۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی جانور اللہ کے بغیر کسی اور کے نام پہ مختص کر دیا جائے اور اسے ذبح کرنا یا بیچنا یا اس سے کام لینا ناجائز تصور کیا جائے۔ وما اھل بہ لغیر اللہ کے حکم میں بھی داخل ہو اور وما ذبح علی النصب کے حکم میں بھی۔ اُن ہی

کو بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کہا گیا ہے نیز ان کے حرام سمجھنے سے جانور حرام نہیں ہو جاتا۔ اگر اس عقیدے سے توبہ کرے تو ذبح کرے یا کوئی دوسرا جو اس گمراہی میں مبتلا، نہ ہو مثلاً باپ نے بکرا، پیر کے نام چھوڑ رکھا مگر بیٹا اس خیال سے متفق نہ ہو اور اللہ کے نام پر ذبح کرے حلال ہو گا۔

ہاں! اگر کوئی چاہتا ہے کہ اِس جانور کو صدقہ کرکے ثواب کسی بزرگ کو پہنچائے تو اُسے اللہ کے نام پر صدقہ کرے اور جو ثواب حاصل ہو وہ مرنے والے کو بخشے درُست ہے نیز شرعاً یہ جانور اُسی کی ملک ہوتا ہے اگر بیچ دے تو جائز ہے یا ہبہ کرے درُست ہے۔

ایسے ہی وہ جانور، جو ہندو وغیرہ مندروں پر دیتے تو چڑھاوا ہیں مگر پجاریوں کو اختیار دیتے ہیں کہ رکھیں یا بیچیں یا جاہل مسلمان مزارات وغیرہ پر دے کر مجاوروں کو اختیار دے دیتے ہیں، اُن کی خرید و فروخت جائز ہے مگر وہ چیز جو صرف قبر پر رکھ دی جائے یا مزار پر چھوڑ دی جائے تو چونکہ قبر تو مالک نہیں ہو سکتی اِس لیے وہ اسی آدمی کی ملکیت رہتی ہے اُس کی خرید و فروخت کے لیئے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ یہی حال نذر اور منّت کے جانوروں یا مٹھائیوں کا ہے خواہ ہندو مندریں دے یا مسلمان مزار پر، اشتراکِ علیّت یعنی تقرب الیٰ غیر اللہ کی وجہ سے وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہو کر حرام ہے اور اس کا کھانا کھلانا بیچنا سب حرام ہیں۔ تفصیل کتبِ فقہ سے ملاحظہ ہو۔

حرام چیزوں کے بیان کے بعد ایک حکم استثنائی ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک سے قریب المرگ ہے کہ نہ تو کھانے میں لذّت کا خواہشمند ہو اور نہ ضرورت سے زیادہ کھائے تو اس صُورت میں ان حرام چیزوں سے بھی کھالے تو اس کے لیئے کوئی گناہ نہیں۔ یعنی یہ دونوں شرطیں پائی جائیں۔ اوّل تو بغیر اس شے کے کوئی چیز دستیاب نہیں اور پھر بغیر کھائے یا پئے موت کا اندیشہ ہے اور دُوسری شرط یہ ہے کہ نہ لذّت طلبی ہو نہ پیٹ بھر کے کھائے صِرف اِس قدر کھائے کہ موت سے بچ جائے اس صورت میں حرام حلال نہ ہو گا رہے گا حرام ہی مگر اس آدمی پر گناہ نہیں۔ فلا اثم علیہ۔ یعنی اس پر کچھ گناہ نہیں یہی حال حرام دواؤں کا ہے کہ بغیر اس دوا کے چارہ نہ ہو۔ آدمی کو موت کا خطرہ اور اس کے بغیر کوئی صورت ممکن نہ ہو۔ محض معمولی تکلیف میں اور حلال و جائز دواؤں کے ہوتے ہوئے اس کا کوئی جواز نہیں۔

یہ حکم ان ولایتی دواؤں کا ہے جن میں شراب وغیرہ نجس اشیاء کا ہونا یقینی معلوم ہو جن میں ایسے اجزاء کا وجود مشکوک ہو اُن میں اور بھی گنجائش ہے مگر احتیاط بہرحال لازم ہے۔

چونکہ یہ احکام رواجات سے براہ راست متصادم ہیں اور ہر دَور میں انسانی کمزوری رہی ہے کہ کسی نہ کسی شئے کو آسرا بنائے رکھتا ہے اور اس پر نذر و نیاز چڑھا کر مطمئن ہو جاتا۔ نیز یہی شئے راہبوں، پادریوں اور پیروں کو اظہارِ حق سے مانع بھی ہے کہ ایک تو رواج سے براہ راست ٹکر لینا مشکل ہے اور دوسرے اس میں کافی آمدن بھی ہے جسے چھوڑنا آسان نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے بیشتر کی اُمتیں بھی اس مرض کا شکار تھیں اور علمائے سُو نے اپنی آمدن کے ذرائع بنا رکھے تھے اور باطل مذاہب کی تو بنیاد ہی یہی چیزیں ہیں۔ مشکل تو یہ تھی کہ آسمانی مذاہب کے ماننے والے بھی اس طوفان میں گھر چکے تھے۔ اور بدنصیبی یہ ہے کہ مرُورِ زمانہ نے مسلمان کو جو اکیلا مذہب حقہ کا وارث ہے اسی دلدل میں پھینک دیا ہے۔ چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ شیرینیاں بٹتی ہیں اور قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا غریب دھارے کر بجا نذر کرتا ہے کہ اُدھار کی مصیبت سے چھوٹ سکے مگر نادان اَور دھنستا چلا جاتا ہے اور بڑی بڑی توندوں والے مزار فروش تجوریاں بھرتے رہتے ہیں۔ لوگوں کو رُوکھی سُوکھی اور صبر کی تلقین کر کے گھر میں انگریزی کھانے پکواتے ہیں اور لوگوں کو مسجد کی دعوت دے کر گھر میں عُریاں فلمیں دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ کب جرأت کرتے ہیں کہ ان حقائق سے پردہ اٹھائیں۔

اللہ کریم نے اس جُرم کو اور اس کی شدت کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ احکام الٰہی کو جو اللہ نے کتب میں نازل فرمائے ہیں چھپاتے ہیں اور اس فعل کو ذریعہ آمدن بنائے ہوئے ہیں۔ یا دولتِ دُنیا لے کر احکام شرعی کو بدل دیتے ہیں یہ دونوں باتیں ایک سی ہیں کوئی غیر اللہ کے نام کی نیازیں وصُول کرتا ہے اور لوگوں کو یہ یقین دلاتا ہے کہ یہ جائز اور بہت بڑا ثواب ہے یا پیسے لے کر کوئی حکم بدل کر بتائے تو ایسے لوگ سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہیں کھا رہے ہیں یعنی یہ مال بظاہر تو دُنیا کا رزق ہے مگر اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ نارِ جہنم ہے۔ اگرچہ دُنیا میں عام انسان کو نظر نہ آ رہا ہو۔

دوسری مصیبت اس کی یہ ہے کہ ولا یکلمھم اللہ یوم القیٰمۃ کہ روزِ محشر اللہ کریم ان سے مطلقاً بات نہیں کریں گے اگرچہ بعض کفار کو اتنی اجازت تو ہوگی کہ عرض معروض کریں گے۔ اور اتمامِ حجت کے بعد ان پر حکم لگایا جائے گا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھاری عرض سُنی جائے بلکہ دوزخ میں داخلے کے بعد اللہ کو پکاریں گے تو جھڑک ہی سہی جواب تو پائیں گے کہ دوزخ میں ہی نامرادی کا شکار رہو۔ آئندہ مجھے پکارنے کی جرأت نہ کرنا۔ مگر ایسے لوگ جو حرام کو حلال بلکہ ثواب بتا کر دولت جمع کرتے رہے ان کو یہ سزا میدان حشر سے ہی شروع ہو جائے گی کہ خطاب الٰہی سے محرُوم ہوں گے

اور اُنھیں پاک نہیں کیا جائے گا کہ حدیث شریف میں آتا ہے جب کوئی مسلمان حرام کا مال کھائے تو جو گوشت رزق حرام سے بنے گا اُسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ پھر اللہ کریم نیا گوشت عطا فرما کر اسے جنّت میں داخل فرمائیں گے کہ حرام کا کوئی ذرہ جنت میں نہ جائے گا۔ مگر یہ لوگ اِس سے بھی محروم ہوں گے۔

ولا یزکیھم ۔ ان کو پاک بھی نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے عذاب بھی بہت دردناک ہوگا یعنی بہت سخت اور بہت زیادہ ایذاء دینے والا عذاب۔ عام دوزخیوں کی نسبت بہت دُکھ دینے والا ہوگا کہ ایسے لوگ جو گمراہی کے بدلے ہدایت کو چھوڑ دیتے ہیں گویا وہ خود معرفتِ الٰہی کو ٹھکرا کر عذابِ الٰہی خریدتے ہیں اور یہ لوگ دوزخ پہ کس قدر صبر کئے بیٹھے ہیں

جاہل بزعم خود عیش کر رہے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ دوزخ کی آگ کھا کر کونسی عیش نصیب ہو گی اگرچہ یہ بہت سخت سزا ہے مگر یہ بلاوجہ نہیں بلکہ ان کا جُرم بھی بہت شدید ہے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی کہ نوعِ انسانی کے لیے باعث حیات تھی۔ مگر ان بدبختوں نے محض پیٹ بھرنے کے لئے مزارات اور تعزیے بنا کر لوگوں کو رُوحانی موت سے ہمکنار کیا اور مٹھائی کا لیبل لگا کر زہر کھلائی اور بجائے احقاقِ حق کے کتمان حق کے مرتکب ہوئے

یہ بہت سخت جُرم تھا اور یہ پکّی بات ہے کہ جو بھی اللہ کی کتاب میں بے راہ رَوی اور کج رَوی اختیار کرے وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہوا اور اسی نسبت سے سخت ترین سزا کا حقدار۔

رکوع نمبر ۲۲ آیات ۱۷۷ تا ۱۸۲ سیقول ۲/۶

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ
الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان)
کی طرف مُنہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر
اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں
پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے
رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں
اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے)
میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں
اور جب عہد کر لیں تو اُس کو پورا کریں اور سختی اور
تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت
ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں)
سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے
والے ہیں ﴿۱۷۷﴾

177. It is not righteousness that ye turn your faces to the East and the West; but righteous is he who believeth in Allah and the Last Day and the angels and the Scripture and the Prophets; and giveth his wealth, for love of Him, to kinsfolk and to orphans and the needy and the wayfarer and to those who ask, and to set slaves free; and observeth proper worship and payeth the poor-due.[22] And those who keep their treaty when they make one, and the patient in tribulation and adversity and time of stress. Such are they who are sincere. Such are the Godfearing

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ
فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ
فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ
بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ
اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ
يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ښ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾
فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ
اِثْمُهٗ عَلَي الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا
اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ
عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص
(یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے
(اس طرح پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور
غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور اگر
قاتل کو اسکے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف
کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی)
پیروی (یعنی مطالبۂ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ
ادا کرنا چاہیے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے
جو اسکے بعد زیادتی کرے اسکے لئے دکھ کا عذاب ہے ﴿۱۷۸﴾
اور اے اہلِ عقل (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے
کہ تم (قتل و خونریزی سے) بچو ﴿۱۷۹﴾
تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو
موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا
ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کیلئے دستور کے مطابق وصیت
کر جائے (خدا سے) ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے ﴿۱۸۰﴾
جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس (کے
بدلنے) کا گناہ انہیں لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں
اور بیشک خدا سنتا جانتا ہے ﴿۱۸۱﴾
اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی وارث کی) طرفداری یا
حق تلفی کا اندیشہ ہو تو اگر وہ (وصیت کو بدل کر) وارثوں میں صلح
کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک خدا بخشنے والا (اور) رحم والا ہے ﴿۱۸۲﴾

178 ... who believe ! Retaliatio· ·s prescribed for you in th· matter of the murdered; the freeman for the freeman, and the slave for the slave, and the female for the female. And for him who is forgiven somewhat by his (injured) brother, prosecution according to usage and payment unto him in kindness. This is an alleviation and a mercy from your Lord. He who transgresseth after this will have a painful doom.

179. And there is life for you in retaliation, O men of understanding, that ye may ward off (evil).

180. It is prescribed for you, when death approaches one of you, if he leave wealth, that he bequeath unto parents and near relatives in kindness. (This is) a duty for all those who ward off (evil).

18· And whoso changeth (the will) after he hath heard ·t—the sin thereof is only ·pon those who change it. Lo! Allah is Hearer, Knower.

182. But he who feareth ·rom a testator some unjust or sinful clause, and maketh peace between the parties, (it shall be) no sin for him. Lo! Allah is Forgiving, Merciful.

اسرار و معارف

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ .... وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔

شروع سورۃ سے یہاں تک روئے سخن معاندین کی طرف تھا اور ضمناً مسلمانوں کو بھی خطاب فرمایا جاتا رہا۔ مثلاً اولاً ایمان کی بحث، پھر انسانوں کی اقسام بلحاظ عقائد اور پھر نوعِ انسانی کو دعوتِ عبادت، صداقتِ قرآن اور حقانیتِ پیغمبر۔ اثباتِ توحید اور پھر کفار کے اعتراضات کے جواب اور اسی ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر احسانات و انعامات اور پھر قبلہ کی بحث چلی اور عبادات اور ان کا اجر مذکور ہوا۔ اور زاں بعد شرک کے اصول کا ابطال۔

یہ سب مضامین نصف سورۃ تک آئے۔ ان کے بعد اب بقیہ آیات میں جو تقریباً نصف سورۃ ہیں، روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے گو ضمناً خطاب کفار سے بھی ہے۔ یہ بحث اس موضوع پر شروع ہوئی کہ نیکی کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟

چونکہ کفار اپنی رسومات کو نیکی منوانے پر مصر تھے تو اللہ کریم نے لفظ "بر" سے بحث کا آغاز فرمایا تو زندگی کے ہر پہلو میں نیکی کو بیان کر دیا مثلاً احکامِ قصاص، وصیت، روزہ وجہاد، حج و انفاق، حیض و ایلاء وطلاق، عدت و مہر اور بعض معاملات بیع وشرا کے بیان کرنے کے بعد وعدۂ رحمت مغفرت پہ اس کو تمام کیا۔

حکیم الاُمت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ نے اس مجموعہ کا نام "ابوابُ البِر" رکھا ہے۔

ایمان اور عبادات

ارشاد ہوتا ہے کہ نیکی اسی پہ ختم نہیں کہ تم تعین قبلہ میں اُلجھے رہو کہ فلاں سمت مُنہ کرنے والا اچھا ہے یا دُوسرا۔ بلکہ اصل کمال تو اللہ پر ایمان ہے جیسا کہ اس کی ذات ہے اور جیسی اس کی صفات ہیں اللہ کا تصور یا کسی ایسی ہستی کا تصور، جو سب پر غالب اور آخری حیثیت رکھتی ہو تو ہر مذہب میں موجود ہے مگر اس ذات کے اوصاف اہل مذہب نے اپنی سمجھ کے مطابق مقرر کر رکھے ہیں حالانکہ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ واقعی جیسا ہے اس کو ایسا ہی یقین کرے۔ اس کی تعیین صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام ہی کر سکتے ہیں جن کو خود اللہ اپنی ذات اور صفات کے بارے علم و آگہی بخشتا ہے۔

ایمان باللہ کے لئے ضروری ہوا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ منوائیں اس طرح مانیں۔ اس کی قدرت اور اس کے علم پہ یقینِ کامل رکھتا ہو۔ اسی کو اپنا خالق و مالک اور رازق جانتا ہو۔

غرض اعتقادات کی اساس ہے ایمان باللہ! اگر یہی درست نہ ہو۔ اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک جانے تو کیا فرق پڑا کہ اس کا مُنہ مغرب کو ہے یا مشرق کو۔ اور پھر اسے یہ یقینِ کامل بھی حاصل ہو کہ ایک روز میں نے اس عالم الغیب والشہادہ کے حضُور حاضر ہو کر اپنا حساب پیش کرنا ہے جو اللہ میرے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے جو میری کلام اور اعمال سے واقف ہے اور جس نے نیکی و بدی کا معیار مقرر فرمایا ہے اُسی کے سامنے پیش ہو کر اپنے کردار کی جوابدہی کرنا ہے۔ نیز اُسے فرشتوں کے وجود پر اور کتابِ الٰہی کی صداقت پر یقین حاصل ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت و حقانیت پر صمیم قلب سے اعتقاد رکھتا ہو۔

دراصل انسانی مزاج ایسا ہے کہ ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق یہ چاہتا ہے کہ جو خیالات یا نظریات میرے ہیں وہی سارے جہان کے ہوں اور ہر کہ ومہ اُسی کو قبول کرے۔ یہ اسی جذبے کی تسکین کا سامان تھا کہ کفار اپنے خیالات ہی کو

مذہب اور عبادت کا درجہ دیتے تھے اور یہی شے آج کے مسلمانوں کو بھی باہم دست وگریباں کرا رہی ہے کہ ہر شخص اپنے خیالات دُوسرے پر ٹھونسنے کے لئے تیار ہے اور رواجات کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اختلاف رکھنے والوں کو دائرہ اسلام سے ہی خارج سمجھا جاتا ہے۔ ایک مسجد والے دُوسری والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ کفار کا مساجد میں کیا مقام اور کیا کام۔ اگر اتنا ہی شوقِ جہاد ہے تو رُوئے زمین پر مسلمانوں کی نسبت کافر زیادہ بستے ہیں وہاں جاکر کام کرو اور ان کی اصلاح کا سامان کرو نہ یہ کہ جو لوگ اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں ان پر کُفر کی تلوار چلاتے ہو۔

اللہ کریم نے اس آیت میں یہ حق بندے سے لے لیا ہے کہ نیکی اور بدی کی تعیین تیرا حق نہیں۔ یہ میرا کام ہے تیرا کام نیکی کو اختیار کرنا اور برائی سے اجتناب ہے اس کے معیار کو فرشتے، کتاب اور نبی کے ذریعہ میں تجھ تک پہنچاؤں گا۔ اسی طرح عبادات میں بھی رُسوم کو دخل نہیں بلکہ وہی کام عبادت ہو گا جو اللہ فرمائے گا۔

دوسرے درجے میں انسان کو مال عزیز ہے اللہ کریم نے اس کے کمانے کی تدبیر بتلانے کی بجائے اس کے مصارف ارشاد فرما دیئے ہیں۔ یہ صورت صرف اسلامی معاشیات میں ہے کہ خرچ کی حدیں بھی مقرر ہوں۔ ظاہر ہے جب خرچ اللہ کے حکم کے مطابق کرنا ہے اپنی پسند سے کمانے کی کیا ضرورت ؟ تو فرمایا اگرچہ طبعاً مال اس کو محبوب ہوتا ہے مگر اللہ کی ذات سے کم۔ اس کی محبت میں مال کو رشتہ داروں پر، یتیموں، محتاجوں، مسافروں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے پر صرف کرتا ہے۔ اور اس چیز کو زکوٰۃ سے مقدم ذکر فرمایا کہ صرف زکوٰۃ ادا کر کے کوئی مالی فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔ نیز عموماً ان چیزوں کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے حالانکہ ضرورت ان اشیاء کو بھی فرض کر دیتی ہے مثلاً زکوٰۃ تو دے چکا مگر کسی رشتہ دار کی جان پہ بن آئے تو اس کی مدد کرنا فرض ہو گا۔ یا کوئی مسکین بھوک سے مر رہا ہو اور انسان کہے کہ میں تو زکوٰۃ دے چکا۔ نہیں بلکہ اس کی جان بچانا فرض ہو گا۔ اسی طرح ضرورت کی جگہ، مسجد کی تعمیر، مدرسہ، مکتب وغیرہ۔ یہ سب فرائض مالی میں داخل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کو صرف ضرورت فرض کرے گی ورنہ یہ فرض نہ ہوں گے اور زکوٰۃ ہر حال میں فرض۔

یہ لوگ نماز کو قائم کرنے والے یعنی اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہوں گے۔

عبادات کے بعد درجہ معاملات کا ہے۔ فرمایا ایسے لوگ جو اپنے وعدوں کو پورا کریں۔ جن میں سرِفہرست اللہ سے عہد ہے اللہ کے رسُول ﷺ سے عہد ہے۔ یہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک مقدس عہد ہی تو ہے اس کے بعد کب زیب دیتا ہے کہ انسان ارشادات نبوی ﷺ کے مقابلے میں رسوم جاری کرے یا ان کو اہمیت دے اسی

لئے بزرگوں کا قول ہے کہ دوستی کرنے سے پہلے دیکھ کیا وہ اللہ اور اُس کے رسُول ﷺ کا وفادار ہے اگر نہیں تو تُو اس پر بھروسہ نہ کر کہ وہ اس قابل ہی نہیں۔

چنانچہ اسی طرح درجہ بدرجہ معاملات میں درُستی رکھتا ہے۔

اس کے بعد اخلاقیات، کہ سختی اور تنگی میں صبر کرتے ہیں۔ یہی ایک ایسا وصف ہے کہ مندرجہ بالا تمام امُور میں معاون ہے کہ خود اس کی بنا۔ اعتماد علی اللہ اور اعتماد علی الرسُول ﷺ پر ہے کہ اللہ میرے حال سے مجھ سے بڑھ کر آگاہ ہے۔ اور میری ذات سے بھی زیادہ میرا بھلا چاہنے والا ہے اگر تنگی ہے تو یقیناً یہی میرے حق میں بہتر ہے بلکہ اگر سَر کٹ رہے ہیں تو بھی استقلال اور پامردی کا مظاہرہ کرتا ہے کہ جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا چاہا ہی ہوگا اور اللہ وہی چاہے گا جو میرے حق میں بہت ہی بہتر ہوگا۔

حجاج بن یُوسف جب مرض الموت میں تھا تو اس کی والدہ رو رہی تھی کہنے لگا، "امّی! کیوں روتی ہیں۔ لاکھوں آدمی میرے سامنے موت کے گھاٹ اُترے آخر ایک روز مجھے بھی جانا ہی تھا اور وہ وقت آگیا۔"

کہنے لگی، "میرے رونے کا سبب یہ نہیں بلکہ اس بات پہ روتی ہوں کہ بعد موت تجھ سے کیا سلوک ہوگا؟"

حجاج کہنے لگا، "امی! اگر میرا حساب اللہ آپ کو دے دے تو مجھے معاف کر دیں گی؟"

کہا، "یقیناً!"

کہنے لگا، "حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی والدہ اپنی اولاد پہ ہُوا کرتی ہے۔"

یہی بات کسی نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہی تو فرمایا: "یہ بات اس کی بخشش کا سبب بن سکتی ہے صبر کا مدار بھی اللہ پہ یقین پر ہے اور جملہ طاعات کا مدار صبر پہ ہے۔"

جو ایسے ہیں اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں اُولٰئِکَ الَّذِینَ صَدَقُوا یہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کہا۔ یہ کھرے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں۔ یعنی انہیں کو ایک خاص نسبت اللہ سے حاصل ہے جسے تقویٰ کہا جاتا ہے اور اگر یہ بات نہیں تو پھر مشرق کو مُنہ کیا یا مغرب کو، کیا حاصل۔

انسانی معاشرے میں عموماً جب کوئی شخص کسی بھی وجہ سے دوسرے شخص کو پسند نہ کرتا ہو تو چاہتا ہے کہ یہ آدمی

قصاص

دنیا میں نہ رہے اور بس چلنے پر اُسے قتل کر دیتا ہے عموماً اس کی وجہ حسد ہوتا ہے یا پھر لالچ وغیرہ۔ وجہ خواہ کوئی بھی ہو یہ بات مسلمہ ہے کہ ہر دَور میں انسان انسانوں کو قتل کرتے رہے ہیں اور خصوصاً بعثتِ نبوی ﷺ کے زمانے میں رُوئے زمین پر اور خصوصاً انسانی جانوں کی کوئی قدر نہ تھی۔ ہر زبردست کمزور کو قتل کرنا تو گویا اپنا حق سمجھتا تھا اور اگر کسی وجہ سے کسی کمزور قبیلے کے ہاتھوں کسی امیر قبیلے کا کوئی فرد مارا جاتا تو پھر عجیب مطالبے ہوتے کہ ہماری عورت کے بدلے اس کا مرد قتل کیا جائے یا ان کے آزاد آدمی کے بدلے ہم اپنا غلام قتل کے لئے پیش کریں گے وغیرہ۔ حتیٰ کہ دو قبیلے ایسے تھے کہ جن میں قبلِ اسلام جنگ ہوئی اور طرفین کے مرد عورتیں اور غلام قتل ہوئے۔ جب ان کو اسلام نصیب ہوا اور صُلح کی بات چلی تو اُن میں سے ایک نے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد اور عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے تب صُلح ہو گی۔ گویا وہ اپنی ذوات کو ان کی نسبت برتر خیال کرتے تھے۔

نیکی پر بحث کرتے ہوئے اللہ کریم نے سب سے پہلے اسی امر کی اصلاح فرمائی کہ یہ معاملہ براہِ راست انسانی جانوں سے متعلق تھا فرمایا کہ اے ایمان والو!

پہلی بات تو یہ ہے کہ قصاص لینا تم پر فرض ہے قصاص مماثلت کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح شرح میں قتلِ عمد کے بدلے قتل یا زخم لگانے کے بدلے برابر کی سزا کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ اختیار ہر ایک کو نہیں کہ جس کا قتل ہو جائے وہ دوسرے کے قتل کے درپے ہو بلکہ حاکم یا انتظامی سربراہ کا فرض ہے کہ قاتل کو یا زیادتی کرنے والے کو سزا دے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو عنداللہ قاتل کے ساتھ وہ خود بھی ماخوذ ہو گا۔

اب جبکہ یہ مساوات ضروری ٹھہری تو مساوات تب ہی ہو گی جب مقتول کے بدلے قاتل کو سزا ملے نہ یہ کہ غلام کے بدلے بے گناہ آزاد یا عورت کے قاتل ہونے کے باوجود سزا اس کے مرد کو دی جائے۔ فرمایا کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت قتل ہو گی جبکہ آزاد کا قاتل آزاد اور غلام کا غلام ہو یا عورت عورت کو قتل کرے۔ اسی طرح بالعکس بھی یعنی قتل کرنے والا آزاد ہو یا غلام، عورت ہو یا مرد قتل کی سزا میں قتل کیا جائے گا

یہاں تک تو ان کے جاہلانہ اور ظالمانہ طریقِ کار کی اصلاح کی بات ارشاد ہوئی۔ اس کے ساتھ اصلاح کا ایک اور عمدہ پہلو ارشاد فرمایا کہ جب ایک جان تو ضائع ہو ہی چکی اب اگر اس کے ورثاء اس بات پر راضی ہوں کہ اللہ کی راہ میں قاتل

کو معاف کر دیں تو بے شک اس پر کوئی مطالبہ نہیں کہ ان کا یہ احسان دوسرے شخص کی اصلاح کر دے یا اگر وہ چاہیں تو قتل کے بدلے دیت یا خون بہا قاتل سے لے لیں جس سے ان کو تنبیہہ بھی ہو گی اور مقتول کے وارث کی مالی امداد بھی۔

دیت یا خون بہا شرعاً سو اونٹ یا ہزار دینار ہے جس کو صاحب معارف نے حل کر کے ۳۶۔ سیر ۳۶ تولے ۸ ماشے چاندی دورِ حاضرہ کے اعتبار سے قرار دیا ہے اب اس کی قیمت لگائی جا سکتی ہے یا باہم کسی قدر مال پر مصالحت ہو جائے، تو پھر وہی مال دیت بن جائے گا اس کی مفصل بحث اور شرائط کُتبِ فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مقتول کے ورثاء میں اگر ایک وارث بھی اپنا حق معاف کر دے تو قاتل پر قصاص ساقط ہو جائے گا اور اُسے قتل نہ کیا جائے گا اس میں بات صرف قاتل اور ناحق مقتول کی ہے گورے، کالے، یا آزاد غلام یا مرد، عورت کی نہیں۔ نوعِ انسانی کے افراد ہونے میں سب برابر ہیں۔

یہ انصاف صرف اسلام کے پاس ہے ورنہ رُوئے زمین پر باطل مذاہب ہوں یا دورِ جدید کی نام نہاد تہذیب ہر طرف زبردست مارتا بھی ہے اور رونے بھی نہیں دیتا۔ ہندو مت میں اگر شودر، برہمن پر تھوکے تو اس کی زبان کھینچ لی جاتی ہے اور اگر برہمن شودر کو قتل بھی کر دے تو کوئی جُرم نہیں ہے۔

اسی طرح مغربی دُنیا کے بنائے ہوئے جمہوری قوانین تو خود ہم پر بھی مسلط ہیں اور ان کی لائی ہوئی مصیبتیں یہاں پیشِ نظر ہیں۔ کہ مقتول کے ورثاء کو اس کا دُکھ بھول جاتا ہے اور مقدمے کی فکر، گواہوں کا اہتمام، وکیل کی فیس اور اس طرح کی دُوسری مصیبتوں کی فکر لاحق ہو جاتی ہے سالوں مقدمہ چلتا ہے بیچارے کچہریوں میں ذلیل ہوتے ہیں اور پھر جج صاحب قاتل کو بری کر دیتے ہیں کہ اس طویل مُدت میں گواہ ہی نہ رہے۔ کوئی مر گیا، کوئی اندھا ہو گیا یا پھر رشوت لے کر چھوڑ دیا جاتا ہے اب اس کا اثر مقتول کے ورثاء پر یہ ہے کہ وہ ایک کی بجائے معتدبہ بے گناہ افراد کو بھی شامل کرتے چلے جاتے ہیں کہ اگر چھوٹ بھی جائیں تو کم از کم ذلیل تو ہوں۔ ان قوانین کو بنانے والے اسلام کے قانونِ قصاص پر طنز کرتے ہیں حالانکہ وہ سراسر امن اور ان کے قوانین سراسر فساد ہیں۔

آج بھی اس کی زندہ مثال مغربی معاشرے اور سعُودی عرب میں موزانہ کر کے دیکھی جا سکتی ہیں کہ امریکہ میں انسانی جان کی کیا قیمت ہے؟ لندن اور انگلینڈ میں کیا ہو رہا ہے اور وہ ظالم انگریز جو یہاں تو معمولی بات پر گولی چلوا دیتا اور کشتوں کے پشتے لگا دیتا تھا۔ اپنے ملک میں ہزاروں بے گناہ ایشیائی باشندوں کے قتل پر سوچ رہا ہے کہ کیا قاتلوں پر ربڑ کی گولی بھی چلائے

یا نہ اور دُنیا بھر کی خبر دینے والا ادارہ بی بی سی بھی اس بات پر منتار زیر پر ہے۔

اس کے مقابل سعودی عرب کو دیکھیں جہاں صرف حدِّ اسلامی کا نفاذ ہے اور قصاص لیا جاتا ہے کوئی غریب ترین آدمی بھی کسی بڑے سے بڑے آدمی سے نہیں دبتا بلکہ اُس کا اپنا حق ہے اور اس کا اپنا۔ اور دُنیا میں اگر کسی مُلک کا امن مثالی ہے۔ تو وہ مُلک یہی ہے اگرچہ ان میں وہ دینداری نہیں مگر اسلامی قانون کی برکات عیاں ہیں۔

فرمایا صاحبِ عقل اس بات کو جان سکتے ہیں کہ قصاص ہی میں زندگی ہے اور جس معاشرے میں ظالم کا ہاتھ نہ روکا جائے وہ معاشرہ تباہی کا منظر پیش کرتا ہے جس پر تاریخِ عالم گواہ ہے۔

یہی بات تمھیں قربِ الٰہی بخشنے کا سبب اور تمھارے وصفِ تقویٰ سے متصف ہونے کا ذریعہ بھی ہے یعنی قصاص ہر دو عالم کی بھلائی ہے اصلاحِ معاشرہ بھی اور آخرت کی سُرخروئی بھی۔

یہ بات تو قتل کی تھی، جو لوگ طبعی موت مرتے اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جاتے ہیں وہ بھی کھینچا تانی کا سبب جاتا ہے۔

اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ اگر مال چھوڑو تو اس کے بارے وصیت بھی کرو۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں اور انصاف سے کرو، جس قدر کسی کا حق بنتا ہے نہ اس سے زیادہ دو نہ کم کرو۔ یہ حکم اللہ کے نیک بندوں پر لازم ہے۔ اس آیت میں مال کو "خیر" سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مومن جائز ذرائع سے کماتا اور شرعی طور پر خرچ کرتا ہے پھر اس کے پاس کچھ مال بچ رہے تو وہ بھی خیر ہی کہلاتا ہے۔ اسلام میں مال جمع کرنا منع نہیں ہے ناجائز طور پر کمانا بھی منع ہے اور خرچ کرنا بھی، ایسے ہی ناجائز ذرائع سے جمع کرنا بھی ناروا ہے ورنہ حلال رزق کے لیے محنت کرنا بجائے خود عبادت ہے اسے جائز امور میں خرچ کرنا نیکی اور پس ماندگان کو دے کر جانا خیر ہے۔

جب آیۂ میراث نازل نہ ہوئی تھی مرنے والوں پر فرض تھا کہ مال میں وصیت کرتا۔ پھر جب اللہ نے خود ورثاء کے حقوق مقرر فرما دیئے تو یہ حکم منسوخ ہوا کہ یہ اللہ کی مرضی کس وقت کونسا حکم باقی رکھتا ہے۔ ہاں! ورثاء کی اجازت سے اب بھی وصیت کر سکتا ہے یا پھر باجماع اُمت مال کے ایک تہائی میں وصیت کا حق رکھتا ہے یہ حکم اُس شخص کا ہے جس کے ذمے کسی کا حق یا امانت نہ ہو اگر دوسروں کے حقوق واجب ہوں تو پھر وصیت واجب ہو گی۔ نیز ایک تہائی میں جو وصیت کا حق دیا گیا ہے انسان اپنی زندگی میں اس میں تبدیلی کا حق بھی رکھتا ہے کس قدر ناپائیداریٔ عالم یہاں ہے کہ صاحبِ مال ورثاء سے اجازت لے کر وصیت کر سکتا ہے گویا مال اُس کا نہیں ورثاء کا ہے اور پھر جب ان کے پاس پہنچے گا تو یہی حال ان

کا ہو گا اس مال کے لیے جو کسی کا ہے۔

انسان اگر نافرمانی کرے تو کس قدر نادانی ہے واقعی دُنیا کا مال چند روزہ ہے جو دُوسروں کو سونپ کر چلے جانا ہے۔ وصیت سُننے والوں کا حق ہے کہ اُسے تبدیل نہ کریں اگر ایسا کریں گے تو اللہ کریم بھی سُن رہا ہے اور جانتا ہے۔ جس کی بارگاہ میں کل اُنھیں جواب دینا ہے۔ ہاں! وصیت کرنے والا اگر غلط کر جائے اور طرفداری یا ناجائز تقسیم کا خطرہ ہو تو ورثاء میں باہم صُلح کرانا۔ اور اس کے لیے اگر وصیت میں تبدیلی بھی آجائے تو کوئی گناہ نہیں کہ اللہ کریم بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ دراصل احوال کی اصلاح کی بنیاد ہی ایمان بالآخرت ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں پیشی پر یقین ہو۔ اور ہر کام کو اس نگاہ سے کرے کہ اس کا اثر وہاں کیا ہو گا۔

رکوع نمبر ۲۳ آیات ۱۸۳ تا ۱۸۸ سیقول ۲/۷

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾

مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو ﴿۱۸۳﴾

183. O ye who believe! Fasting is prescribed for you, even as it was prescribed for those before you, that ye may ward off (evil);

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

(روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں۔ اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اُسکے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۱۸۴﴾

184. (Fast) a certain number of days; and (for) him who is sick among you, or on a journey, (the same) number of other days; and for those who can afford it there is a ransom; the feeding of a man in need— But whoso doth good of his own accord, it is better for him: and that ye fast is better for you if ye did but know—

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا (ہے) تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) اُن کا شمار پورا کرلے۔ خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔ اور (یہ آسانی کا حکم) اسلئے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کر لو اور اس احسان کے بدلے کہ خدا نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اُس کو بزرگی سے یاد کرو اور اُس کا شکر کرو ﴿۱۸۵﴾

185. The month of Ramadân in which was revealed the Qur'ân, a guidance for mankind, and clear proofs of the guidance, and the Criterion (of right and wrong). And whosoever of you is present, let him fast the month, and whosoever of you is sick or on a journey, (let him fast the same) number of other days. Allah desireth for you ease; He desireth not hardship for you; and (He desireth) that ye should complete the period, and that ye should magnify Allah for having guided you, and that peradventure ye may be thankful.

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیئے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں ﴿١٨٦﴾

186. And when My servants question thee concerning Me, then surely I am nigh. I answer the prayer of the suppliant when he crieth unto Me. So let them hear My call and let them trust in Me, in order that they may be led aright.

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔ خدا کو معلوم ہے کہ تم (ان کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت کرتے تھے سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے درگذر فرمائی۔ اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو۔ اور خدا نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اس کو (خدا سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔ یہ خدا کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح خدا اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں ﴿١٨٧﴾

187. It is made lawful for you to go unto your wives on the night of the fast. They are raiment for you and ye are raiment for them. Allah is aware that ye were deceiving yourselves[23] in this respect and He hath turned in mercy toward you and relieved you. So hold intercourse with them and seek that which Allah hath ordained for you, and eat and drink until the white thread becometh distinct to you from the black thread of the dawn. Then strictly observe the fast till nightfall and touch them not, but be at your devotions in the mosques. These are the limits imposed by Allah, so approach them not. Thus Allah expoundeth His revelations to mankind that they may ward off (evil).

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوۃً) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر نہ کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو ﴿١٨٨﴾

188. And eat not up your property among yourselves in vanity, nor seek by it to gain the hearing of the judges that ye may knowingly devour a portion of the property of others wrongfully.

اسرار و معارف

رمضان اور احکامِ رمضان

تیسرا حکم نیکی اور بِرّ کے باب میں "صوم" کا ہے، اِسے ارشاد فرمانے کا ایک خاص انداز ہے کہ قبل ازیں نوعِ انسانی کو دعوتِ عبادت دی۔ مگر اس میں یہ انداز نہیں بلکہ ایک عمومی رنگ ہے کہ اے لوگو! اپنے ربّ کی عبادت کرو۔ مگر یہاں ارشاد ہے،

'تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے تم سے پہلے گزرنے والوں پر فرض کیا گیا تھا'۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلے مخاطب نوعِ انسانی ہے اور دوسرا خطاب خاص مومنین کو ہے اور اُن کی رُوحانی تربیت اور حصولِ رحمت کے لیے ایک خاص اہتمام ہے۔

دراصل انسان رُوح اور جسم سے مُرکب ہے جس طرح جسم مادہ کی ایک ٹھوس اور کثیف شکل ہے اسی طرح رُوح انتہائی لطیف شے ہے اور یہ قدرتِ باری ہے کہ فرشتے اور حاملینِ عرش سے بھی لطیف تر۔ روح کو ایک کثیف جسم سے پیوست کر دیا گیا ہے اور یہ جسم رُوح کو بخشا ہی اسی لیے گیا ہے کہ عبادتِ الٰہی کر سکے۔ جسم ہو، اس کی ضروریات ہوں اور پھر ان کی تکمیل کے سامان موجود ہوں لیکن یہ اس میں اپنی پسند پہ احکام الٰہی کو ترجیح دے اور احکام باری کو اختیار کرے۔ اس کی یہ ادنیٰ قربانی اس کے لیے حصولِ قرب کا سبب بنے۔ ویسے تو مجرد رُوح اللہ کی عبادت میں مصروف رہ سکتی تھی مگر اس کی عبادت فرشتے کی عبادت کی مثل ہوتی جو ہمیشہ اطاعت تو کرتا ہے مگر چونکہ کوئی عارضہ اپنے ساتھ ایسا نہیں رکھتا جو اسے اطاعت سے روک سکے اس لیے وہ اپنے مقام سے آگے نہیں بڑھتا بلکہ جس مقام پر رکھا گیا ہے ہمیشہ اسی پہ رہتا ہے مگر انسان جب عملی دُنیا میں داخل ہوتا ہے تو ایک خاص حیثیت عملی اور علمی رکھتا ہے۔ اشیائے عالم اور ان کے اوصاف سے واقف ہوتا ہے پھر اس کے وجود کو ان کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان سے آرام اور لذت حاصل کرتا ہے۔

اب اگر وہ ان سے استفادہ کرنے کا وہ طریقہ اپناتا جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے تو اسے حقیقی انسانیت اور اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے لیکن اگر صرف لذّت طلبی اور تکمیلِ خواہشات میں کھو جاتا ہے تو پھر انسانیت کے مقام رفیع سے گر جاتا ہے۔ اور جانوروں سے بدتر شمار ہوتا ہے اور یہ بات کہ انسان محض خواہشات کی تکمیل ہی نہ کرے بلکہ اپنے ہر کام میں اللہ کی اطاعت کو مقدم رکھے تب نصیب ہوتی ہے جب رُوح قوی ہو اور بدن کے قویٰ پہ رُوحانیت غالب ہو۔ یہ تب ہو سکتا ہے کہ رُوح کا تعلق اللہ سے قائم ہو اور سب سے اعلیٰ صُورت انبیاء کے تعلق کی ہوتی ہے جو سب سے مضبوط ہوتا ہے اتنا مضبوط کہ وہ کبھی اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کر پاتے اور معصوم ہوتے ہیں باقی مخلوق ان کی وساطت سے اللہ سے رابطہ قائم کرتی ہے جس نے کلمہ پڑھ لیا گویا اس کا تعلق اللہ سے قائم ہوا اور وہ امنوا کی فہرست میں داخل ہو کر خصوصی خطابات اور عنایات کا سزاوار ہُوا۔ اب جہاں بدن کی ضروریات کو پُورا کرنے کا ایک طریقہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تکمیل ضرورت بھی ہوتی رہے۔ اور اللہ کی اطاعت بھی۔ وہاں کچھ عبادات بھی مقرر فرمائیں۔ جو مالی بھی ہیں، بدنی بھی ہیں اور جانی بھی۔

عبادات ہی رُوح کی اصل غذا۔ اور اس کی زندگی کا سامان ہیں تو جن لوگوں کا تعلق اللہ سے قائم ہوا اُن کے لیے مزید رُوحانی قوت اور قربِ الٰہی کے حصُول کے اسباب مہیّا فرمائے جن میں سے ایک بہت بڑا ذریعہ "صوم" ہے۔ اسی لیے ارشاد ہے کہ روزہ تم پر فرض کیا گیا ہے۔ یعنی ضروری قرار دیا گیا ہے اور یہ ایسی ضروری عبادت ہے کہ تم سے پہلے اُمّتِ مُسلمہ پر فرض رہی ہے خواہ کیفیت میں یا دِنوں میں فرق بھی ہو مگر روزہ ان پر بھی فرض رہا۔ اس لیے تم پر بھی فرض ہوا کہ تم اللہ سے ایک مضبوط تعلق قائم کر سکو جسے "تقویٰ" کہا گیا ہے یعنی اس کی غرض اصلی لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ صوم کے لفظی معنی رُکنے کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں طلوعِ صُبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رُکنے کا نام ہے۔ اگر طلوعِ فجر کے بعد یا غروبِ آفتاب سے پہلے کچھ کھا پی لیا خواہ کتنی ہی تھوڑی دیر باقی تھی روزہ نہ رہے گا۔

جہاں تک اس کے فضائل کا تعلق ہے تو وہ بے شمار ہیں بلکہ یہ دین کے عمُود اور شعائر میں سے ہے اور باقی سارا سال تو انسان حرام اور ناجائز سے پرہیز رکھتا ہے مگر اس مبارک ماہ میں اللہ کے حکم سے تمام حلال غذا بھی وقت معین تک چھوڑ کر کمالِ اطاعت کا اظہار کرتا ہے اور زمین پر بستے ہوئے، مادی وجود رکھتے ہوئے فرشتوں سے مشابہت پیدا کرتا ہے جس کو وصُولِ رحمت میں ایک خاص دخل حاصل ہے۔

نتیجتاً اُسے وصفِ تقویٰ نصیب ہوتا ہے یعنی ایک ایسا تعلق اللہ اور اس کے رسُول ﷺ سے کہ جو ہاتھ کو اُٹھنے اور قدم کو چلنے سے تھام لے اُسے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے دے۔

ایامًا معدودات۔ یعنی گنتی کے چند روز ہیں کچھ بہت زیادہ نہیں بلکہ کھانے پینے کے لئے گیارہ ماہ اور روزے کے لئے صرف ایک ماہ ہے پھر اس میں بھی بیمار کو اور مسافر کو اجازت ہے دورانِ سفر یا مرض روزہ نہ رکھیں مگر ایسا نہ ہو کہ سعادت سے محرُوم ہو جائیں جب مریض تندرست ہو یا مسافر مقیم ہو تو جس قدر روزے نہ رکھ سکا تھا ان کی گنتی پُوری کرے۔

بیمار سے مراد وہ بیمار ہے جسے روزہ رکھنے سے ناقابلِ برداشت تکلیف ہو یا مرض کے بڑھ جانے کا قوی امکان ہو اور مسافر سے مُراد وہ شخص ہے جو کم از کم گھر سے ایسے سفر پہ نکلے جو تین منزل ہو یعنی پیدل چلنے والا تین روز میں طے کرلے، جسے فقہاء نے میلوں میں حساب کر کے اڑتالیس میل قرار دیا ہے کہ ارشاداتِ نبوی ﷺ اور تعاملِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فقہا نے یہی اخذ کیا ہے۔ اسی طرح مسافر اگر کسی جگہ رُکے تو وہ مقیم قرار نہ دیا جائے گا جب تک ایک جگہ کا قیام پندرہ روز کا نہ ہو۔ اگر پندرہ روز ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم ہو جائے گا لیکن ایک دو روز کے لئے رُکا اور کسی مجبوری کی وجہ سے وقت

بڑھتا رہا، حالانکہ وہ چلنے کو تیار ہی رہا تو خواہ اس سے زیادہ روز بھی گزر جائیں مسافر ہی رہے گا یا پندرہ روز متفرق شہروں میں ٹھہرا تو بھی مسافر رہے گا اور اگر مریض صحت مند ہونے کے بعد یا مسافر مقیم ہونے کے اتنے دنوں کی مُہلت پائے تو روزوں کی قضا اُس پر واجب۔ لیکن اگر اس سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو اس پر قضا نہ ہوگی نہ فدیہ نیز عدۃ من ایام اخر میں ترتیب کی قید نہیں بلکہ گنتی پوری کرنے کا حکم ہے اگر متفرق بھی رکھے تو جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

روزہ نہ رکھ سکنے کی صُورت میں فدیہ

وعلی الذین یطیقونہٗ فدیۃ۔ یعنی ایسے لوگ جو مریض یا مسافر نہیں، مگر روزہ رکھنا نہیں چاہتے اور اس کے بدلے صدقہ وغیرہ دینے کو تیار ہیں تو فرمایا، ان کے لئے فدیہ ہے، ایک فقیر کا کھانا، یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر دُوسری آیت نے اسے منسُوخ قرار دیا اور بغیر مریض اور مسافر کے سب کو روزہ رکھنا ضروری قرار دیا کہ من شھد منکم الشھر فلیصمہ جو بھی رمضان المبارک کو پائے وہ ضرور روزہ رکھے ہاں، مریض، مسافر یا بوڑھے جو روزہ رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے ہیں وہ معذور ہیں۔ ایسے بوڑھے یا ایسے مریض جن کے صحت مند ہونے کی اُمید نہ ہو۔ فدیہ دیں۔

فدیہ کی مقدار نصف صاع گندم یعنی پونے دو سیر ہے جس کی قیمت بازار کے مطابق ایک فقیر کو دے نہ ایک روزہ کا فدیہ دو میں تقسیم کرے اور نہ کئی روزوں کا فدیہ ایک ہی تاریخ میں ایک ہی آدمی کو دے۔ ہاں! اگر کسی کو اس کی طاقت بھی نہ ہو تو استغفار کرے اور نیت رکھے کہ جب بھی فراخی نصیب ہوگی ضرور ادا کروں گا۔ ان سب مراعات کے ساتھ کہ نیکی بہر حال نیکی ہے اگرچہ فدیہ دینا بھی نیکی ہے مگر وان تصوموا خیر لکم تمہارے لئے بہت بہتر ہے کہ تم روزہ رکھو، اگر تمہیں علم ہے۔ اگر جانتے ہو تو جو کیفیت روزہ رکھ کر حاصل ہوتی ہے وہ فدیہ دے کر کہاں نصیب۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ روزہ رکھو اور اسے معمولی نہ جانو بلکہ مہینوں میں یہ مہینہ ہی ایک خاص فضیلت رکھتا ہے۔

شھر رمضان الذی .... لعلکم تشکرون۔

فضیلتِ ماہِ رمضان

یہی مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہُوا جو اللہ کا ذاتی کلام ہے اور اتنی عظمت کا حامل کہ ساری نوعِ انسانی کے لئے ہدایت ہے اور روشن دلیلوں سے مزین، حق اور باطل میں فرق بتانے والا ہے تمام انعامات میں خواہ وہ مادی ہوں یا رُوحانی اور جن کا شمار انسان سے ممکن۔ اعلیٰ انعام یہ ہے کہ انسان کو مخلوق کو۔ بے بس و بے کس کو خالقِ بے نیاز رحمت سے پکارے اور اُسے اپنے کلام کا شرف بخشے۔ سُبحان اللہ!

یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں نزولِ کلام ہوا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس قدر کتابیں اور صحائف اللہ کی طرف سے انبیاء پر نازل ہوئے اور خود قرآن مجید اسی ماہ کی مبارک رات کو لوحِ محفوظ سے سماءِ دُنیا پر نازل ہُوا اور پھر مسلسل تیئس برس میں حضور اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوتا رہا۔ یہ مہینہ ہی بہت برکات کا حامل ہے۔ تم میں سے جو اس کو پالے وہ روزے رکھے۔ یہاں پا لینے سے مُراد بحالتِ صلاحیت ہے یعنی مومن ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، اگر کافر نصف رمضان میں مسلمان ہوا یا نابالغ بالغ ہوا تو اس کے بعد روزے فرض ہوں گے گزشتہ کی قضا نہ ہوگی۔ ہاں! مجنوُن اگر مسلمان تھا تو صلاحیتِ رمضان رکھتا تھا۔ جب ہوش آیا تو سارے قضا کرے گا۔ اسی طرح مریض، مسافر یا حیض و نفاس والی عورت کہ جب روزہ کی صلاحیت پائیں گے تو سب روزے قضا کریں گے جس قدر بھی پہلے چھوڑ چکے ہوں۔

”پا لینا“ سے مراد خود رمضان کا چاند دیکھ لینا یا معتبر شہادت سے پتہ چل جانا اور یا پھر شعبان کے تیس دن پُورے ہو جانا ہے اس کے بعد رمضان شروع ہو جائے گا اگر ۲۹ شعبان کو ابر وغیرہ ہو چاند نظر نہ آئے اور شرعی شہادت بھی میسّر نہ ہو تو روزہ نہ رکھا جائے گا۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے کہ یوم الشک کا روزہ نہ رکھے۔

چھ ماہ کے دِن اور رات کے بارے

یہاں عجیب بات تو ان ممالک کی ہے جہاں دن رات مہینوں پر محیط ہوتے ہیں یعنی چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات۔ تو وہاں عادتاً رمضان المبارک کا پالینا صادق نہیں آتا۔ نیز جب فقہائے حنفیہ نے ان ہی کے دن رات سے نماز کا حکم دیا ہے کہ چھ ماہ کے دن میں پانچ نمازیں اپنے دن کے اعتبار سے ادا کرے گا یا مثلاً مغرب کے فوراً بعد صُبحِ صادق طلوُع ہو گئی تو عشاء فرض ہی نہ ہو گی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسی رائے کو اختیار فرمایا ہے اور بعض محققین نے اس کو اس بات پر قیاس کیا ہے کہ جب دجّال ظاہر ہو گا تو دِن سات سال کے برابر ہو جائے گا پھر دو سال اس سے کم۔ تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسُول اللہ! ﷺ نمازوں کا کیا ہو گا؟

فرمایا، اندازہ کر کے دن رات کی پانچ نمازیں پڑھی جائیں گی۔

یعنی سال کے دن میں نمازیں سال ہی کی پڑھی جائیں گی لہٰذا ان لوگوں کو بھی اندازہ کر کے نماز ادا کرنی چاہیئے۔

یہاں ایک بات ہے کہ ظہورِ دجال کے وقت عادتاً دن سال کا نہ ہو گا بلکہ اس کی نظربندی وغیرہ کی وجہ محسوس ایسا ہو گا تو اس میں تو سال کی نمازیں فرض ہوئیں۔ یہاں ان ممالک میں عادتاً دن چھ ماہ کا ہوتا ہے یعنی دوسری دُنیا میں

چھ مہینے گزرے ہیں اور وہاں ایک۔ اس بات کا مقتضیٰ تو یہی ہے کہ دن میں ان پر پانچ نمازیں ہوں اور روزے وہاں فرض ہی نہیں ہوتے کہ رمضان ہی کو نہیں پا سکتے بہرحال احتیاط اس میں ہے کہ جس طرح دُنیا کے ساتھ تعلقات کے لئے وہ گھڑیوں وغیرہ سے اوقات کی تعیین کرتے ہیں۔ عبادت کے لئے بھی کرلیں کہ عبادت رُوح کے لئے بمنزلہ غذا کے ہے اگر مادی غذا، بقائے جسم کے لئے ضروری ہے تو عبادات رُوح کی زندگی کے لئے لازمی۔ جب مادی غذا کے لئے اوقات مقرر کرتے ہیں تو رُوحانی غذا کے لئے کیوں نہ کریں۔

جو بھی اس مبارک ماہ کو پائے ضرور روزے رکھے۔ ہاں! مریض اور مسافر کی سہولت بحال رکھی گئی کہ وہ قضا کر سکتے ہیں کہ اللہ تمھارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمھیں گرفتارِ بلا کرنا نہیں چاہتا اور یہ تو اس لئے ہے کہ تم یہ گنتی پوری کرو۔

عید کی رُوح

تو اللہ کی عظمت بیان کرو کہ اُس نے تمھیں ہدایت دی، وجُود بخشا، قوتیں دیں عقل وشعور عطا فرمایا، نعمتیں دیں اور اگر چاہے تو سب سلب کرنے پر بھی قادر ہے مگر حکم دیا کہ چندے ان چیزوں سے باختیار رُک جاؤ کہ تمھارے اس فعل کو انعامِ خاص کا ذریعہ بنا دوں۔

سُبحان اللہ! یہ اُسی کو سزاوار ہے کہ اس کی ذات عظیم ہے۔ اس کی عظمت بیان کرو اور اُس کا شکر ادا کرو، اُس کا احسان مانو کہ تم پر کس قدر رحمت اور برکات نازل فرما رہا ہے۔

واذا سالك عبادى .... لعلكم يرشدون۔

قبولیتِ دُعا

روزہ ایک طرف اگر کمالِ اطاعت ہے تو اس کا دُوسرا رُخ اجابتِ دُعا بھی ہے کہ صائم اپنے تمام ایسے امور، جن کو توجہ ہٹانے میں ایک حد تک دخل حاصل ہے چھوڑ دیتا ہے مثلاً کھانا پینا، جماع وغیرہ۔ تو اُس کی توجہ کلی طور پر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور اسی حالت کو قربِ الٰہی اور اجابتِ دعا کے لئے موزوں قرار دیا ہے کہ اللہ تو ہر حال میں قریب ہے انسان اپنی ضروریات میں اُلجھ کر اپنی توجہ ان کی طرف کر لیتا ہے۔ جب اُن کو اللہ کے حکم سے چھوڑا تو اُسے ایک خاص طرح کا قربِ الٰہی نصیب ہوا۔

ارشاد ہے کہ جب میرے بندے آپ ﷺ سے میرے متعلق پوچھیں تو فرما دیں کہ مَیں بہت قریب ہوں۔

اس عِبادِی یعنی میرے بندے فرمانے میں یہی حکمت ہے کہ جب وہ میری اطاعت میں مصروف ہوں اور میری طرف متوجہ ہوں تو انھیں میرا قُرب حاصل ہوتا ہے اور مَیں مانگنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں یہ سب کچھ تب ہی ہوتا ہے جب

وہ میری اطاعت پر کمربستہ ہوں جس کے لئے اولاً میری عظمت کا اظہار ہے میری ذات وصفات پر ایمان لائیں اور اپنی پوری کوشش میرے حکم کی بجاآوری پہ صرف کردیں تاکہ انہیں میرا قرب حاصل ہو اور میں ان کی دعائیں قبول کروں اور یہی وہ راستہ ہے جو مقصدِ حیات ہے اور جو حقیقتاً صحیح راستہ ہے اور یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ صائم کی دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ حضور اکرم کا ارشادِ گرامی ہے۔ للصائم عند فطرہ دعوۃ مستجابہ او کما قال۔ نیز اِنِّی قَرِیْبٌ سے اخذ ہوتا ہے کہ دعا آہستہ اور خفیہ کرنی چاہیئے۔

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسائکم .... وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

رمضان المبارک کے احکام ارشاد فرماتے ہوئے درمیان میں اپنے ایک خاص انعام کا ذکر فرمایا کہ جسے روزہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے یعنی اجابتِ دعا اور پھر احکامِ رمضان ارشاد ہوتے ہیں۔

حیاتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم ایک عمومی معیار ہے

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ کریم نے معیاری انسان قرار دے کر احکامِ شرعی کو نافذ فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کثرتِ کرامات دیکھ کر لوگ سوچتے ہیں کہ چیزیں اس کثرت سے صحابہؓ سے کیوں منقول نہیں؟ حالانکہ انہیں وہ درجہ حاصل تھا جو صرف انہی کا حصہ ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی زندگی عمومی معیار قرار پائی اور جو حکم انہیں مشکل نظر آیا اللہ نے سہل فرما دیا۔ اسی طرح انھوں نے پوری اُمت پر احسان فرمایا۔

اب یہی حکم لے لیجئے کہ شروع میں رمضان المبارک کا حکم یہ تھا کہ افطار کے بعد جب تک بیدار رہے درست، جب سو گئے تو روزہ شروع ہو گیا اور کھانے پینے اور جماع وغیرہ سے روک دیا گیا۔ بعض صحابہؓ اپنی بیبیوں سے شب باشی کے مرتکب ہوئے مگر انھوں نے ہماری طرح بات کو چھپایا نہیں بلکہ علی الصباح بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔ اسی طرح بعض کو یہ مشکل پیش آئی کہ جیسے حضرت قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ انصاری دن بھر مزدوری کر کے شام کو گھر آئے تو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بیوی نے عرض کی کہ کہیں سے کوئی انتظام کر کے لاتی ہوں۔ مگر اس کے واپس آنے سے پہلے آنکھ لگ گئی اور روزہ بند۔ اب بیدار ہوئے مگر کچھ کھانے کی اجازت نہیں۔ دوسرے روز دوپہر کو نقاہت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے چنانچہ اللہ نے رات بھر کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دے دی اور روزہ بند کرنے کا وقت مقرر فرما دیا۔ اب خواہ کوئی سو کر اٹھے یا جس طرح بھی، بلکہ سو کر اُٹھے تو سحری کھانا سُنّت قرار پایا۔

یہاں یہی ارشاد ہوتا ہے کہ اب رمضان المبارک کی شب بیبیوں سے مباشرت تمہارے لئے حلال کر دی گئی کہ تمھارے لئے مشکل تھا اور بعض حضرات سے اس کی خلاف ورزی ہوتی مگر ایک بات سُن لو کہ محض شہوت رانی نہ ہو۔ بلکہ اُس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے مقرر فرما دیا ہے۔ ما کتب اللہ لکم ۔ یعنی یہ معاہدہ نکاح ایک مقدس عہد جس کے ذریعے مرد اور عورت مل کر ایک خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں نسل انسانی کی بقاء کا مقدس کام کرتے ہیں۔ اب اس لئے ان کی آپس میں محبت، تعاون اور ایک دُوسرے کی خیر خواہی ایک دُوسرے پر ضروری ہے تاکہ وہ دُنیا کو اچھے انسان دیں معاشرے کو صالح افراد دیں۔ ایک ایسی نسل پیدا کریں اور اس کی اس طرح پرورش کریں اور اللہ کے پسندیدہ بندے ثابت ہوں۔

میاں اور بیوی

عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس۔ یہ لباس ہی زینت کا سبب بھی ہے اور گرمی سردی سے بچانے کا سبب بھی یہ جسمانی عیوب بھی چھپاتا ہے اور انسان کا پردہ بھی رکھتا ہے اسی طرح تم باہم دگر ایک دوسرے کا بھرم رکھو۔ عزت، مال اور جان کی حفاظت کرو، ایک دوسرے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرو، اللہ نے تمھاری مشکل آسان فرما دی۔

نیز جو اب تک تم خطا کر چکے معاف فرما دیا ہے اب تم کھاؤ پیو بھی اس وقت کہ صُبح کی سفید دھاری، سیاہ دھاری سے علیحدہ نظر آئے اور روزے کو رات تک پورا کرو۔

سُنّت کا مقام

یہاں جو حکم منسوخ ہوا وہ قرآن سے ثابت نہیں بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس پر عمل ہوتا تھا لیکن یہاں اسے حکم الٰہی قرار دیا گیا ہے کہ سُنّت سے ثابت حکم الٰہی میں سے ہے۔

لہٰذا اب سحری و افطاری کا واضح وقت مقرر فرما دیا کہ حتیٰ تبیّن یعنی جب تک تم پر صُبح صادق کی سفید دھاری اُفق پر سیاہ دھاری سے یقینی طور پر واضح نہ ہو جائے کھانے پینے کی اجازت ہے وہم کی بنیاد پر پہلے روزہ بند کر لینا درُست نہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے کہ وہ رات سے اذان کہہ دیتے ہیں۔ ابن کلثوم رضی اللہ عنہ کی اذان پر روزہ رکھو کہ وہ صُبح صادق پہ اذان دیتے ہیں۔

مگر یہ سب اُن لوگوں کے لئے ہے جن کو اُفق سامنے ہو اور سمجھ سکے ورنہ احتیاط کریں اور کسی سے پُوچھ لیں یا اذان سُن لیں۔ اگر کسی نے شبہ کی حالت میں یہ جان کر کھایا ابھی وقت ہے مگر بعد میں ثابت ہوا کہ وقت گزر چکا تھا تو گناہ اگرچہ نہ ہوگا مگر قضا لازم اور دوسری طرف رات تک روزہ پُورا کرو۔ یعنی غروب آفتاب پر روزہ افطار ہو جائے گا۔ بشیتر اس کے کہ

رات چھا جائے الی الّیل یعنی رات تک ۔ اِسے رات میں داخل نہ کرو۔

شیعہ حضرات جنہوں نے ایک متوازی اسلام بنانے کی کوشش کی ہے یہاں بھی تاخیر سے افطار کیا ہے کہ خوب رات چھا جائے تو افطار کرتے ہیں حالانکہ جب مشرق سے تاریکی اُٹھے ۔ اور سُورج غروب ہو تو بیشتر اس کے کہ تاریکی پھیل جائے افطار کرنا چاہیئے اگر کسی نے غلطی سے بادل وغیرہ کی وجہ سے ایک آدھ منٹ پہلے افطار کر لیا اور بعد میں ثابت ہوا کہ درُست نہ تھا تو قضا لازم ۔ مگر عمداً افطار میں پہل یا سحری میں تاخیر ہوئی تو کفارہ لازم ہو گا۔ اس لیئے موذن حضرات کو خاص احتیاط لازمی ہے کہ اُن کی اذان پر اکثر لوگ افطار کرتے ہیں ۔

اب اس کے ساتھ اعتکاف کا حکم بھی واضح ہوا کہ یہ حلتِ مباشرت اعتکاف پر لاگو نہ ہو گی ۔ اعتکاف خاص شرائط کے ساتھ مساجد میں ٹھہرنے کا نام ہے اور آخری عشرۂ رمضان میں مسنُون ۔

مرد حضرات صرف مساجد میں اعتکاف کے لیئے ٹھہر سکتے ہیں نیز ایسی مسجد جہاں نماز پنجگانہ باجماعت ہوتی ہو کہ جو مسجد کی تعمیر کا مقصد ہے اور کھانے پینے کے بارے میں تو حکم وہی ہے مگر مباشرت منع ۔ فضول بات کرنا یا بغیر عُذر مسجد سے باہر جانا درُست نہیں ۔ نیز اس کے دوسرے احکام اعتکاف کے لیئے مفصل مذکور ہیں دیکھ لیئے جائیں ۔

تلك حدود الله فلا تقربُوها ۔

(یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان کے قریب ہی مت پھٹکو)

اِسی لِئے روزہ میں مبالغہ نہ کرنا چاہیئے یا بیوی سے بوس وکنار درُست نہیں مکروہ ہے اور اوقاتِ سحر و افطار میں ایک آدھ منٹ کی احتیاط بہتر ہے ۔

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ، اور نہ حاکموں تک ایسی بات لے جاؤ کہ اس کے نتیجہ میں تم دُوسروں کا مال کھا سکو ۔ یہ اگلا حکم ہے جو ایک طرح سے روزے کا ماحصل بھی ہے کہ جب تم نے اللہ کے حکم سے جائز اور پاک مال ، جو تمہارے پاس موجود تھا نہ کھایا اور صُبح سے شام تک رُوزہ رکھا جب افطار کیا وہی کھانا تمہارے لِئے ثواب ہُوا ۔

حصُولِ رزق کے معرُوف ذرائع اختیار کرنا ضروری ہیں

یہ تمہیں کب زیب دیتا ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کر کے کھاؤ ، یہ فعل تو عنداللہ بہت بُرا ہے ۔ دراصل مال کی اچھائی یا بُرائی کا معیار کسبِ مال کے ذرائع یا طریقوں پر ہے جن پر ساری دُنیا کی قوموں کا اتفاق ہے کہ

یہ درُست نہیں۔ جیسے چوری، ڈاکہ یا فریب دہی وغیرہ سے اور کچھ ایسے کہ بعض کے نزدیک جائز اور بعض کے نزدیک ناجائز ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کے لوگ جو کچھ سوچتے ہیں اس میں ان کے قومی مزاج اور قومی مفاد کو دخل حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے تو باوجود بین الاقوامی کانفرنسوں کے کوئی ایسا ضابطہ نہیں بنایا جا سکا جو ساری دُنیا کے لئے قابلِ قبول ہو۔ نتیجتاً جنگ و جدل ہوتی ہے اور ہو رہی ہے۔

اسلام جو اللہ کا قانون ہے۔ ساری انسانیت کے لئے ہے اور خالقِ کائنات کی طرف سے ہے جس نے نہ صرف مخلوق پیدا کی ہے بلکہ خود ان کو ضروریات بھی تقسیم کی ہیں ان کی تکمیل کے اسباب مہیا فرمائے ہیں اور ان اسباب سے استفادہ کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے اور یہی طریقہ امنِ عامہ اور سب کے حقوق کا محافظ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ایک معقول اور فطری ضرورتوں کے مطابق جامع ضابطہ ہے مثلاً اشتراک کی اشیاء کو وقفِ عام رکھا ہے جس میں تمام انسان مساوی حقوق رکھتے ہیں جیسے ہوا، پانی، خودرو گھاس، غیر مملوک جنگلات وغیرہ۔

جن چیزوں کے اشتراک سے انسانی معاشرت میں خلل کا اندیشہ ہے ان میں انفرادی ملکیت کا قانون جاری فرمایا ہے پھر انتقالِ ملکیت کا ضابطہ علیحدہ اور پوری طرح یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو شخص بھی اپنی محنت ان چیزوں کے حصول پہ خرچ کرے وہ ضروریاتِ زندگی سے محرُوم نہ رہے اور نہ ہی دوسروں کے حقوق غصب کرکے انھیں نقصان پہنچا سکے۔ اسی لئے اِن جملہ امُور میں فریقین کی رضامندی ضروری قرار دی گئی ہے خواہ انتقالِ ملکیت یا بعد الموت انتقالِ وراثت، مزدوری ہو یا بیع و شرا۔ اور جن چیزوں کو منع فرمایا ہے جو طریقے باطل ٹھہرے ہیں اُن میں کہیں دھوکہ فریب ہے تو کہیں کسی کا حق غصب ہوتا ہے جیسے کسی نامعلوم چیز یا نامعلوم عمل کا معاوضہ اور کہیں حقوقِ عامہ پہ زد ہے، جیسے جوا، سُود وغیرہ کہ ایسے امُور باہمی رضامندی سے بھی جائز نہیں ہو سکتے۔ پھر تاکلوا اموالکم فرمایا کہ کسی کے مال میں ناجائز تصرّف دراصل اپنے ہی مال کو ضائع کرنا ہے کہ جب یہ طریقہ چل نکلے گا تو اس کے اپنے مال کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا مثلاً کسی نے دُودھ میں پانی ملایا اور زائد پیسے حاصل کرلئے تو جب وہ گھی، آٹا لینے جائے گا تو وہ ملاوٹ کرکے دُگنے پیسے اس سے نکال لیں گے اب وہ مصالحہ لینے گیا اُس نے اس سے بھی سلوک کیا۔ تو گویا سب لوگ ایک دوسرے سے زیادتی کے مرتکب ہو کر زمین پر فساد برپا کرنے کا سبب بن جائیں گے۔

کوئی بھی کسی پر، کسی کے مال پر ناجائز طریقے سے نگاہ نہ رکھے اور نہ ہی جان بُوجھ کر جھوٹے مقدمے بنائے کہ اس

طرح دوسروں کا حق غصب کرے۔ نیز اسلام نے جہاں کسبِ مال کا طریقہ مقرر فرمایا ہے، وہ مال خرچ کرنے کا سلیقہ بھی سکھا دیا ہے کہ اس کے ضائع کرنے سے دُوسروں کی اولاد اور ورثاء کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور مومن کی نگاہ صرف مال کے حصول پر نہ ہو بلکہ بنیادی بات اطاعتِ الٰہی ہے جو تعمیرِ آخرت اور ابدی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ سو دُنیا میں مال کا خرچ کرنا نہ صرف دُنیا میں مفید ہو بلکہ دونوں عالم کی تعمیر کرنے والا ہو۔ نیز غذا، کو مزاجِ انسانی میں بڑا دخل ہے اگر حلال غذا ہوگی تو مزاج صالح ہوگا اور اعمال اچھے صادر ہوں گے۔ اگر حرام کھائے گا تو کبھی اچھائی نہ کر سکے گا اور نہ درُست سوچ رکھے گا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی اور اس کی عباداترائیگاں جاتی ہے اللہ تمام مسلمانوں کو اس بلا سے محفوظ رکھے! آمین۔

رکوع نمبر ۲۴ آیات ۱۸۹ تا ۱۹۶ سیقول ۲/۸

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ
مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَیْسَ
الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ
ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ
اتَّقٰی ۚ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ
اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝۱۸۹

(اے محمد) لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں
دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دو کہ
وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں) اور حج کے وقت
معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور نیکی اس بات میں نہیں کہ
(احرام کی حالت میں) گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ
بلکہ نیکوکار وہ ہے جو پرہیزگار ہو اور گھروں میں ان کے دروازوں
سے آیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ نجات پاؤ ۝۱۸۹

189. They ask thee, (O Muhammad), of new moons. Say: They are fixed seasons for mankind and for the pilgrimage. It is not righteousness that ye go to houses by the backs thereof (as do the idolaters at certain seasons), but the righteous man is he who wardeth off (evil). So go to houses by the gates thereof, and observe your duty to Allah, that ye may be successful.

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ
یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝۱۹۰

اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے
لڑو مگر زیادتی نہ کرنا۔ کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو
دوست نہیں رکھتا ۝۱۹۰

190. Fight in the way of Allah against those who fight against you, but begin not hostilities. Lo! Allah loveth not aggressors.

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا
تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ
فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۝۱۹۱

اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اور جہاں سے انہوں نے
تم کو نکالا ہے (یعنی مکے سے) وہاں سے تم بھی ان کو
نکال دو۔ اور (دین سے گمراہ کرنے کا) فساد قتل و خونریزی
سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم
(یعنی خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا۔ ہاں اگر
وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو۔ کافروں کی یہی سزا ہے ۝۱۹۱

191. And slay them wherever ye find them, and drive them out of the places whence they drove you out, for persecution is worse than slaughter. And fight not with them at the Inviolable Place of Worship until they first attack you there, but if they attack you (there) then slay them. Such is the reward of disbelievers.

192. But if they desist, then lo! Allah is Forgiving Merciful.

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٩٢﴾

اور اگر وہ باز آجائیں تو خدا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے ﴿١٩٢﴾

193. And fight them until persecution is no more, and religion is for Allah. But if they desist, then let there be no hostility except against wrongdoers.

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ
فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ
فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا
عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٩٣﴾

اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے
اور (ملک میں) خدا ہی کا دین ہو جائے۔ اور اگر وہ (فساد سے)
باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں
(کرنی چاہیئے) ﴿١٩٣﴾

194. The forbidden month for the forbidden month, and forbidden things in retaliation. And one who attacketh you, attack him in like manner as he attacked you. Observe your duty to Allah, and know that Allah is with those who ward off (evil).

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ
وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ
عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ
مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩٤﴾

ادب کا مہینہ ادب کے مہینے کے مقابل ہے اور
ادب کی چیزیں ایک دوسرے کا بدلہ ہیں۔ پس اگر کوئی
تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے
ویسی ہی تم اس پر کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو اور
جان رکھو کہ خدا ڈرنے والوں کے ساتھ ہے ق ﴿١٩٤﴾

195. Spend your wealth for the cause of Allah, and be not cast by your own hands to ruin; and do good. Lo! Allah loveth the beneficent.

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا
ع بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾

اور خدا کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو
ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بیشک خدا نیکی
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ﴿١٩٥﴾

196. Perform the pilgrimage[24] and the visit (to Mecca) for Allah. And if ye are prevented, then send such gifts as can be obtained with ease, and shave not your heads until the gifts have reached their destination. And whoever among you is sick or hath an ailment of the head must pay a ransom of fasting or almsgiving or offering. And if ye are in safety, then whosoever contenteth himself with the Visit for the Pilgrimage (shall give) such gifts as can be had with ease. And, whosoever cannot find (such gifts), then a fast of three days while on the pilgrimage, and of seven when ye have returned; that is, ten in all. That is for him whose folk are not present at the Inviolable Place of Worship. Observe your duty to Allah, and know that Allah is severe in punishment.

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ
أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ
وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ
الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ
فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ
أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ
بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا
رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ
ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
ع أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

اور خدا (کی خوشنودی) کے لئے حج اور عمرے کو پورا
کرو۔ اور اگر (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی
میسر ہو (کردو) اور جب تک قربانی اپنے مقام
نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو
یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو۔ تو (اگر وہ سر
منڈا لے تو) اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے
یا قربانی کرے۔ پھر جب (تکلیف دور ہو کر) تم مطمئن ہو
جاؤ۔ تو جو (تم میں) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ
اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔ اور جس
کو (قربانی) نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے
اور سات جب واپس ہو۔ یہ پورے دس ہوئے۔
یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل و عیال مکے
میں نہ رہتے ہوں اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو
کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے ﴿١٩٦﴾

اسرار و معارف

یسئلونک عن الاھلۃ .... کذٰلک جزاء الکٰفرین۔

یہ باب ابھی چل رہا ہے۔ آخر سورۃ تک مختلف احکام بیان ہو رہے ہیں، جیسے قصاص، دیت، وصیت، صوم اور اس کے متعلقہ مسائل اعتکاف، مال کا حلال و حرام پہچاننا۔

عبادات میں قمری مہینوں کا اعتبار ہو گا

اب جہاد اور حج کے بارے ارشاد ہے کہ آپ سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرمائیے کہ چاند کے اس گھٹنے بڑھنے میں سہولت یہ ہے کہ یہ ایک قدرتی نظام ہے وقت کو شمار کرنے کا۔ خواہ معاملات اختیاری ہوں جیسے مطالبہ حقوق وغیرہ اور خواہ غیر اختیاری، جیسے عبادات مثل حج روزہ زکوٰۃ وغیرہ۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ عبادات میں قمری مہینوں کا اعتبار ہو گا۔ اگرچہ شمسی نظام سے بھی سال اور مہینوں کا حساب لگایا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے آلاتِ رصد اور قواعدِ ریاضی کی ضرورت ہے۔ اس کے برعکس چاند کے طلوع سے خاتمہ تک مہینہ شمار کرنے کے لئے کسی آدمی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ خواہ کسی دور دراز جنگل میں کیوں نہ بستا ہو۔ اسی لئے شریعتِ اسلامیہ نے تمام عبادات میں قمری مہینوں کو اور اس کے حساب کو فرض قرار دیا ہے اور عام معاملات میں بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

چاند کے گھٹنے بڑھنے سے مراد انسان کے لئے وقت کی پیمائش کا ایک قدرتی آلہ مہیا کرنا ہے۔ اگر سوال یہی تھا تو جواب ہو گیا۔ لیکن اگر سائل کی مراد گھٹنے بڑھنے کی حقیقت جاننا تھا تو اس جواب سے واضح ہوا کہ اس سے انسان کے لئے کوئی مصالح وابستہ نہیں۔ اس لئے اسلوب بیان ایسا اختیار فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ انسان کو اس حد تک تحقیق کرنا چاہیئے جہاں تک انسانی مصالح وابستہ ہوں فضول جستجو میں وقت محنت اور دولت کو ضائع نہ کیا جائے۔

اجرامِ سماوی کی حقیقت اول تو انسانی علم کی زد سے باہر ہے، دوسرے اس کے جاننے یا نہ جاننے سے اس کی عملی زندگی کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیئے یہ ساری کاوش فضول ہے ورنہ چاند کے طلوع غروب سے بے شمار قدرتی اثرات

بھی وابستہ ہیں۔ جیسے پھلوں میں مٹھاس وغیرہ۔ مگر چونکہ انسان نہ اس کو طلوع کرنے پر قادر ہے نہ غروب، نہ اس کی روشنی کو کم یا زیادہ کر سکتا ہے۔ اور نہ اس کے اثرات گھٹا بڑھا سکتا ہے۔ اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس سے ماہ وسال شمار کرے خصوصاً مسلمان اوقاتِ عبادات کے مہ وسال اسی سے شمار کرے۔ یہ چاند پر جانے کے خیال کچھ دولت اور وقت کا ضیاع ہے یہی کروڑوں ڈالر زمین پر انسانی سہولت کے لئے خرچ ہوتے تو دوسرے کرّوں پر بھاگنے کی ضرورت نہ رہتی اور اگر کوئی دوسرے کرّوں پر چلا بھی گیا تو اصلاح کے لئے وہاں بھی ایٹم بم ہی لے جائے گا پھر فائدہ؟

اور پھر یہ نیکی نہیں ہے کہ تم عبادات کے لئے رواج کی پیروی کرو۔ جیسے حج کے زمانے میں مشرکین گھروں میں دروازے سے داخل نہیں ہوتے مگر جانا بھی ضروری ہے تو پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر جاتے ہیں۔ یہ کوئی تُک نہیں بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے مالکِ حقیقی سے حیا کرے اور اس کی فرمانبرداری میں لگا رہے۔ اس کے حکم کے مقابلے میں کسی رواج کی کوئی حیثیت نہیں کسی فعل کو نیک ثابت کرنے کے لئے اسے سُنت سے ثابت کرنا ہوگا۔ چونکہ یہ اقدام سُنت میں نہیں لہٰذا یہ کوئی نیکی نہیں۔ دراصل کتاب اللہ کے احکام بھی ثابت سُنتِ خیر الانام ﷺ ہی سے ہوں گے۔ ورنہ یار لوگ مختلف لُغات کا سہارا لے کر بات کو کہیں سے کہیں لے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی ناراضگی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرو کہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے اور نہ صرف دین کے مقابل رواج پر عمل ہی چھوڑ دو بلکہ جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں اور دین کی جگہ اپنا رواج جاری کرنا چاہتے ہیں ان سے جنگ کرو اللہ کے لئے، اس کی رضا کے لئے کرو۔ کسی انتقامی جذبے سے یا ذاتی غرض سے نہ سوچو۔ چونکہ وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے ان سے بھی زیادتی نہ کرو۔ یہ بات خوب یاد رکھو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے جنگ کو جہاد کا نام دیا گیا ہے کہ اس میں مقابل کی بھلائی بھی پیشِ نظر ہوتی ہے اور اس کی اصلاحِ احوال بھی مقصود۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں مسلمان بحیثیت فاتح داخل ہوا، مقابل کے دل بھی فتح کر لئے اور جو جگہ کفار کے قبضہ میں آئی وہاں کی زمین بھی اُن کے ظلم سے تھرا اُٹھی۔ تہذیب مغرب کے دلدادہ بیت المقدس پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے قبضہ کے حالات پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں۔

اگر کافر تم پر زیادتی کرنا چاہیں تو بھی بے جگری سے لڑو اور ہو سکے تو جس طرح انھوں نے تم سے شہر خالی کرا لیا تھا تم بھی انھیں نکال باہر کرو کہ فتنہ یعنی شر انگیزی اور دین کی مخالفت کر کے فساد مچانا یا اس کی کوشش کرنا قتل سے

زیادہ سخت جُرم ہے جس کے مرتکب ہو رہے ہیں نیز اس سارے قتال میں بھی اللہ کی عظمت پیشِ نظر رکھو اور حدُودِ حرم میں لڑائی سے پرہیز کرو۔ ہاں! اگر وہ لوگ وہاں تم سے لڑنا شروع کر دیں تو پھر تمھیں اجازت ہے دفاعی جنگ ضرور لڑو اور ایسی جم کر لڑو کہ اُن کے پرخچے اُڑا دو "فاقتلوھم" اور کافر اسی سلوک کا مستحق ہے کہ جب وہ مسلمانوں سے زیادتی کرے تو اُسے منہ توڑ جواب دیا جائے۔

یہ آیات اُس وقت نازل ہوئیں جب حضور ﷺ حدیبیہ کے بعد اگلے سال عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو اگرچہ مُشرکین کا حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا مگر صحابہ کرامؓ کو اعتبار نہ تھا۔

اس دَور میں چار مہینے حُرمت کے مقرر تھے ذیقعد، ذی الحجہ، محرم تین ماہ مسلسل اور چوتھا رجب۔ اسلام نے بھی ان کی حُرمت باقی رکھی جو بعض حضرات کے خیال میں ۸ ہجری میں منسوُخ ہو گئی مگر بایں ہمہ اب بھی ان کا وہی احترام باقی ہے اور باجماع ان میں صرف دفاعی جنگ لڑنے کی اجازت ہے۔ (معارف)

اُس وقت بھی ان میں کوئی کسی سے زیادتی نہ کرتا تھا اور لوگ بے خوف سفر کرتے تھے پھر حرم کی حُرمت بھی تھی جو ابھی تک ہے اور قیامت تک رہے گی کہ حرم میں شکار بھی نہ مارا جائے حتیٰ کہ سبز گھاس تک نہ کاٹی جائے تو چونکہ مسلمان تو حرم کی عزت کریں گے لیکن مشرکین اگر معاہدہ توڑ کر آپ ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہیں تو؟

اللہ کریم نے یہ آیات نازل فرما کر ضابطہ مقرر کر دیا کہ حرم کی حُرمت کا خیال رکھو لیکن اگر کافر ناجائز فائدہ اٹھانا چاہیں تو ایسا مت ہونے دو۔ اسی صُورت میں فقہاء فرماتے ہیں کہ حدِ حرم میں اگر کوئی کسی کو قتل کرنا چاہے تو اپنا دفاع کرنے کی اجازت ہے۔ سو اگر ایسی صورت ہو تو انھیں بے دریغ قتل کرو۔ خواہ وہ کہیں ہوں، حرم میں یا بیت اللہ کے پَردوں میں چھُپنے کی کوشش کریں۔ مگر ہاں زیادتی نہ کرو یعنی جو نہ لڑے یا لڑنے کے قابل ہی نہ ہو۔ بچہ، بُوڑھا، عورت وغیرہ انہیں مت چھیڑو زیادتی اللہ کو پسند نہیں اور ان سب زیادتیوں کے بعد بھی اگر کافر باز آجائیں تو اللہ بہت بڑا معاف کرنے والا، اور رحم کرنے والا ہے۔ سُبحان اللہ!

دوستاں را کجا کنی محرُوم
تو کہ با دشمناں نظر داری

لیکن اگر باز نہ آئیں تو اُن سے جنگ کرو۔ اور اس وقت تک ہتھیار نہ رکھو۔ جب تک فساد کی کوئی چنگاری باقی

ہے حتےٰ کہ فساد مٹ جائے اور اللہ کی حکومت قائم ہو۔ اللہ کی مخلوق پر اللہ کا قانون نافذ ہو اور انسانی خواہشات کے پلندے کو قانون کا نام دے کر کسی پر نہ ٹھونسا جائے ہر انسان خواہ مسلم ہو یا کافر اللہ کی مقرر کردہ حدود میں اپنا مقام اور حق حاصل کر سکے۔

اور اگر کفار سرکشی سے باز آجائیں تو سوائے ان لوگوں کے جن کے ذمے جرائم ہوں سب کو معاف کر دو۔ یعنی محض اسلام دشمنی کی سزا نہ دو کہ اس سے تو وہ باز آچکے۔ ہاں! کسی نے کسی پر زیادتی کی ہو تو اس سے اس کا حق دلوایا جائے۔ یہی حال شہرِ حرام کا ہے کہ اگر وہ اس کا خیال رکھیں تو پھر درست لیکن اگر وہی پرواہ نہ کریں تو دفاعی جنگ سے مت ہٹو کہ یہ حرمت تو بدلے کی چیز ہے۔ اگر وہ کریں گے تو پائیں گے بھی۔ ورنہ سارا وبال ان کی گردن پر اور جو بھی تم سے زیادتی کرے ویسا ہی اُسے جواب بھی دو۔ اور یاد رکھو کہ یہ زیادتی تم پر کیوں کرتا ہے تمہارا جرم کیا ہے کہ تم نے دینِ حق قبول کیا۔ تو تم جواب دیتے وقت حق کو سامنے رکھو اور دفاع کرو۔ کبھی زیادتی کرنے والے نہ بن جاؤ۔ کہ تائیدِ باری ہمیشہ مُتقی یعنی اللہ سے حیا کرنے والے اور اللہ کی حدُود کی حفاظت کرنے والے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ انفاق اگرچہ عموماً دولت خرچ کرنے کے معنوں میں آتا ہے لیکن یہاں اس کا بہتر ترجمہ اپنی ساری توانائی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے کہ جہاں دولت کی ضرورت ہو وہاں دولت، جہاں تعاون کی ضرورت ہو وہاں تعاون، جہاں زبان و قلم سے کام چلے وہاں زبان و قلم اور جہاں جان کا نذرانہ درکار ہو وہاں جان دے۔ یعنی یہ چند روزہ زندگی اور عارضی اقتدار اور وقتی دولت یہ سب کچھ اللہ کے لئے خرچ کرو تاکہ تم اس کا اعلےٰ بدلہ پاؤ نہ یہ کہ ان پر نثار ہوتے رہو۔ اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کے اسباب کر بیٹھو۔

ولا تلقوا بایدکم الی التھلکۃ۔

یعنی اپنی تباہی کے باعث نہ بنو کہ آج تم ان چیزوں کو محبُوب رکھو اور مقصدِ حیات بنا لو تو کل یہ تو چھن ہی جائیں گی اور اللہ کی راہ میں محنت نہ کرنے سے آخرت بھی گئی۔ سو ہمیشہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرو۔ بھلائی کرو کہ اللہ اچھائی کرنے والوں کو محبُوب رکھتا ہے۔

اچھائی نام ہے سُنتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ جو کام بھی سُنتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدود کے اندر ہو، اچھائی ہے اور اس کا کرنے والا اللہ کا محبُوب۔ فقہاء کی رائے میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض مصارف ایسے ہیں جن کو پورا کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے جیسے جہاد کے اخراجات، اور اگر ضرورت پیش نہ ہو گی تو فرض بھی نہ ہوں گی۔

ترکِ جہاد ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مطابق اس آیت کا شانِ نزول ہی یہ ہے کہ غلبۂ اسلام کے وقت لوگوں میں گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی ضرورت اتنی نہیں رہی اب کھیتوں وغیرہ میں زیادہ محنت کرنی چاہیئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض کے نزدیک ایسی حالت میں کہ سوائے اس کے کہ مسلمانوں کو شہید کروایا جائے دشمن کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے لڑنا بھی اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ مگر یہ معنی بہت بعید ہیں اور اگرچہ اس آیت سے مستفاد ہوتے ہیں مگر ان چیزوں کا مدار خلوصِ نیت پر ہے۔

اسی لیئے ارشاد ہے واحسنوا کہ ہر کام خلوصِ نیت اور صمیمِ قلب سے کرو کہ خود رسول اللہ ﷺ نے احسان کی تفسیر حدیث جبریل میں یہ ارشاد فرمائی ہے کہ عبادت اس طرح کرو جیسے تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ اعتقاد لازم ہے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حج

باب ابتر میں گیارہواں حکم حج کا ہے جو مذکورہ آیت سے لے کر ۲۰۳ نمبر آیات تک مسلسل بیان ہو رہا ہے۔ حج باجماعِ اُمت ارکانِ اسلام میں سے ہے اور ایک اہم فرض ہے جس کی تاکید و اہمیت کتاب و سُنت میں بکثرت وارد ہے بحوالہ ابنِ کثیر جمہور کے قول کے مطابق ہجرت کے تیسرے سال آلِ عمران کی آیت وللہ علی الناس حج البیت ...... میں اس کی شرائط کا بیان ہے اور باوجود طاقت رکھنے کے حج نہ کرنے پر سخت وعید ہے۔ مگر یہ آیت قصۂ حدیبیہ میں نازل ہوئی جو ۶ھ کا واقعہ ہے اس لیئے فرضیتِ حج کا ذکر نہیں بلکہ حج و عمرہ کے ارکان کا بیان ہے کہ عمرہ کا بیان سورہ آلِ عمران کی آیات میں نہیں۔ تو یہاں یہ مذکور ہے کہ حج و عمرہ بذریعہ احرام شروع کر دینے سے واجب ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ عمرہ واجب نہیں بلکہ سُنت ہے اور یہی ائمہ کے اقوال سے ثابت ہے۔

یہاں جس طرح پہلی آیات میں احسان کا ذکر ہو رہا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ حج و عمرہ بھی صرف اور صرف اللہ کے لیئے ادا کرو اس سے غرض اصلی اللہ کی رضا کا حصول ہو، نہ محض سیر و تفریح مراد ہو، نہ تجارت اور نہ ہی شہرت کی غرض ہو۔ اگرچہ یہ سب چیزیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں سیریں بھی ہوتی ہیں اور کچھ نہ کچھ خرید و فروخت بھی۔ لوگ "حاجی صاحب" بھی کہتے ہیں مگر اس کا حصول مراد نہ ہو۔ اس کی جانچ اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر سفر میں ہم ارکانِ حج کی ادائیگی میں متفکر ہیں تو یقیناً نیت درست ہے پھر تو آدمی ایک ایک رُکن کو پوچھ پوچھ کر اور پوری محنت سے ادا کرے گا اور اگر ہم نے ارکان تو بجائے خود نمازوں تک کی ادائیگی میں کوتاہی برتی تو پھر اپنے دل کو ٹٹولنا چاہیئے کہ اس تمام سفر کا آخر مقصد

کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا اللہ سے ڈرتے رہو۔ ان اللہ شدید العقاب کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

ہمارے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ سفر ہر حال میں مبارک ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر سفرِ حج میں بھی اور ارکانِ حج کی ادائیگی میں بھی لاپرواہی اور کوتاہی کو اختیار کیا تو یہی بات غضب الٰہی کو دعوت دینے کا سبب بن گئی۔ جہاں ایک نماز ایک لاکھ کا ثواب پاتی ہے وہاں کی نماز کو چھوڑ دینا بھی گویا ایک لاکھ کو ضائع کرنا ہے۔

اب احکام کو لیجئے! تو پہلا حکم یہی ارشاد ہوا کہ اگر احرام باندھنے کے بعد تمہیں کوئی عمرہ ادا کرنے سے روک دے جیسے اس واقعہ میں مشرکین نے حضور ﷺ کو اور آپؐ کی جماعت کو روک دیا تھا تو قربانی دے کر احرام کھول دے۔ جس کی شکل بال منڈوانا یا کٹوانا ہے اور قربانی بکرے، گائے یا اونٹ جو میسّر ہو دے سکتا ہے نیز قربانی حدِ حرم میں ذبح کی جائے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر خود نہ پہنچ سکتا ہو تو کسی دوسرے کے ہاتھ روانہ کر دے۔ اسی سے ثابت ہے کہ احرام کی صورت میں بال کٹوانا منع ہے اگرچہ یہ حکم دشمن کے روکنے کی صورت میں ہے مگر ائمہ نے باشتراک علّت بیماری وغیرہ کی مجبوری کو اسی میں داخل کیا ہے۔ نیز رسُول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ اگر مجبوری کی شکل میں قربانی دے کر احرام کھول دے مگر جب یہ مجبوری ہٹ جائے تو قضا کرے کہ اس کی قضا واجب ہے۔

چونکہ سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا ہی احرام کھولنے کی علامت ہے لیکن اگر کوئی شخص بیماری یا مجبوری کی وجہ سے سر یا بدن کے کسی دوسرے حصّے کے بال کٹانے پر مجبور ہو تو بقدر ضرورت بال تو کٹوالے مگر اس کا فدیہ ہے کہ روزے رکھے صدقہ دے یا قربانی دے۔ قربانی تو حدِ حرم میں کرے روزے یا صدقہ جہاں بھی ادا کرے سُنت ہے، نیز قرآن میں تو کوئی عدد یا مقدار مذکور نہیں مگر حدیث سے ثابت ہے کہ تین روزے یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع گندم بطور صدقہ دے (بخاری)، آدھا صاع تقریباً پونے دو سیر کا ہوتا ہے یا اس کی قیمت ادا کر دے۔

قبل از اسلام کے رواجات میں یہ بھی تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں یعنی ماہ شوال سے حج و عمرہ کو جمع کرنا گناہ ہے تو یہاں اس کی اصلاح کر دی گئی ہے کہ جو لوگ حدودِ میقات کے اندر رہتے ہیں وہ تو حج اور عمرہ جمع نہ کریں کہ ان کو عمرہ کی غرض سے سفر کرنا دشوار نہیں، مگر باہر سے آنے والوں کو حج کے ساتھ عمرہ جمع کرنے کی اجازت ہے۔

میقات وہ مقامات ہیں جو اطرافِ عالم سے آنے والے حجاج کے لئے ہر راستہ پر متعین ہیں اور حج یا عمرہ کا احرام باندھے بغیر وہاں سے آگے بڑھنا گناہ ہے۔ البتہ جو لوگ حج و عمرہ کو جمع کریں ان پر شکر واجب ہے، جس کی صورت یہ ہے

کہ ایک قربانی دے گائے یا اُونٹ۔ لیکن اگر اس کی ہمّت نہ رکھتا ہو تو پھر اُس پر دس روزے واجب ہیں جن میں سے تین ایام حج میں رکھے یعنی نویں ذوالحج تک پُورے کر دے اور سات حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے اگر تین روزے ایام حج میں نہ رکھ سکے تو پھر اکابر اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لئے قربانی ضروری ہے جب قدرت ہو حرم میں قربانی کرا دے

حج اور عمرہ کو جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں تمتع اور قران۔

یک یہ کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے۔ یہ احرام حج کے ساتھ کھولے گا اِسے قِران کہا گیے ور دوسرا یہ کہ میقات سے صِرف عمرہ کا احرام باندھے جو مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کر کے کھول دے اور پھر آٹھویں ذوالحج کو منی جانے کے لئے حج کا احرام باندھے، یہ تمتع ہے۔

ن سب امور میں خوفِ خدا کو پیشِ نظر رکھے، اور کسی طرح کی کوتاہی یا سُستی کو درمیان میں نہ آنے دے کہ اللہ کے عذ ب بہت سخت ہیں آجکل تو اکثر لوگ پرواہ نہیں کرتے۔ غلط کار معلموں کے ہتھے چڑھ کر ساری محنت ضائع کرتے ہیں یا دوستوں کی محافل میں بے پروائی سے وقت ضائع کر کے چلے آتے ہیں اور بہت سے لوگ تو فرائض کی پرواہ نہیں کرتے سنن و آداب کی تو بات ہی کیا۔

للہ ہم سب کو اصلاح احوال کی طاقت بخشے! آمین

رکوع نمبر ۲۵ آیات ۱۹۷ تا ۲۱۰ سیقول ۲/۹

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا

حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہیں۔ تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی بُرا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے۔ اور جو نیک کام تم کرو گے وہ خدا کو معلوم ہو جائے گا۔ اور زاد راہ (یعنی رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زاد راہ (کا) پرہیزگاری ہے۔ اور اے اہلِ عقل مجھ سے ڈرتے رہو ﴿۱۹۷﴾
اِس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں) بذریعہ

197. The pilgrimage is (in) the well-known months, and whoever is minded to perform the pilgrimage therein (let him remember that) there is (to be) no lewdness nor abuse nor angry conversation on the pilgrimage. And whatsoever good ye do Allah knoweth it. So make provision for yourselves (hereafter); for the best provision is to ward off evil. Therefore keep your duty unto Me, O men of understanding.

198. It is no sin for you that ye seek the bounty of

your Lord (by trading). But when ye press on in the multitude from 'Arafât, remember Allah by the sacred monument. Remember Him as He hath guided you, although before ye were of those astray.

199. Then hasten onward from the place whence the multitude hasteneth onward, and ask forgiveness of Allah. Lo! Allah is Forgiving, Merciful.

200. And when ye have completed your devotions, then remember Allah as ye remember your fathers[25] or with a more lively remembrance. But of mankind is he who saith: "Our Lord! Give unto us in the world," and he hath no portion in the Hereafter.

201. And of them (also) is he who saith: "Our Lord! Give unto us in the world that which is good and in the Hereafter that which is good, and guard us from the doom of Fire."

202. For them there is in store a goodly portion out of that which they have earned. Allah is swift at reckoning.

203. And Remember Allah through the appointed days. Then whoso hasteneth (his departure) by two days, it is no sin for him, and whoso delayeth, it is no sin for him; that is for him who wardeth off (evil). Be careful of your duty to Allah, and know that unto Him ye will be gathered.

204. And of mankind there is he whose conversation on the life of this world pleaseth thee (Muhammad), and he calleth Allah to witness as to that which is in his heart; yet he is the most rigid of opponents.

205. And when he turneth away (from thee) his effort in the land is to make mischief therein and to destroy the crops and the cattle; and Allah loveth not mischief.

206. And when it is said unto him: Be careful of thy duty to Allah, pride taketh him to sin. Hell will settle his account, an evil-resting-place.

تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو اور جب
عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام (یعنی مزدلفہ)
میں خدا کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تمکو سکھایا۔ اور
اس سے پیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے) محض ناواقف تھے ﴿۱۹۸﴾
پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو اور خدا سے
بخشش مانگو بیشک خدا بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے ﴿۱۹۹﴾
پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) خدا
کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ
اس سے بھی زیادہ۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (خدا سے)
التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمکو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں
عنایت کر ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ﴿۲۰۰﴾
اور بعضے ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ پروردگار ہم کو
دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخشیو
اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو ﴿۲۰۱﴾
یہی لوگ ہیں جن کیلئے ان کے کاموں کا حصہ (یعنی اجر نیک تیار) ہے
اور خدا جلد حساب لینے والا اور جلد اجر دینے والا ہے ﴿۲۰۲﴾
اور (قیام منیٰ کے) دنوں میں (جو گنتی کے دن ہیں) خدا
کو یاد کرو۔ اگر کوئی جلدی کرے (اور) دو ہی دن میں
(چل دے) تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو بعد تک
ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ یہ باتیں اس شخص کیلئے
ہیں جو (خدا سے) ڈرے اور تم لوگ خدا سے ڈرتے رہو
اور جان رکھو کہ تم سب اسکے پاس جمع کئے جاؤ گے ﴿۲۰۳﴾
اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں
تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر
پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے ﴿۲۰۴﴾
اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا
ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد)
اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے
اور خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا ﴿۲۰۵﴾
اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے خوف کر تو غرور
اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے
اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ﴿۲۰۶﴾

فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُم
مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ
وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾
ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ
وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٩﴾
فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا
اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ
ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي
الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾
وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ
حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾
أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ
وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾
وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ
فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا
إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ
عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ
وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ
تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ
عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾
وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ
لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا
يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾
وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ
الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ۚ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ
وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾

اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔ اور خدا بندوں پر بہت مہربان ہے ﴿٢٠٧﴾

207. And of mankind is he who would sell himself, seeking the pleasure of Allah; and Allah hath compassion on (His) bondmen.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٠٨﴾

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے ﴿٢٠٨﴾

208. O ye who believe! Come, all of you, into submission (unto Him); and follow not the footsteps of the devil. Lo! he is an open enemy for you.

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٠٩﴾

پھر اگر تم احکام روشن پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان رکھو کہ خدا غالب (اور) حکمت والا ہے ﴿٢٠٩﴾

209. And if ye slide back after the clear proofs have come unto you, then know that Allah is Mighty, Wise.

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٢١٠﴾ ع

کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر خدا (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آ نازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں) اور کام تمام کر دیا جائے۔ اور سب کاموں کا رجوع خدا ہی کی طرف ہے ﴿٢١٠﴾

210. Wait they for naught else than that Allah should come unto them in the shadows of the clouds with the angels? Then the case would be already judged. All cases go back to Allah (for judgment).

اسرار و معارف

الحج اشھر معلومات .... والی اللہ ترجع الامور ۔

احکامِ حج

عمرہ کے لئے تاریخ یا مہینہ مقرر نہیں بلکہ سارا سال جب چاہیں ادا کریں مگر حج میں یہ بات نہیں۔ بلکہ اس کے لئے مہینے مخصوص ہیں اور پھر تاریخیں مقامات اور پھر خاص تاریخوں میں مقررہ مقامات پر افعال و اعمال مقرر ہیں جو معروف ہیں کہ عہدِ جاہلیت میں بھی یہی مہینے مقرر تھے یعنی شوال، ذی قعد اور دس روز ذی الحج کے اور اسلام میں بھی یہی باقی رہے۔ یعنی شوال سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ اب جو کوئی حج کا ارادہ کرے تو یہ بات خوب جان لے کہ فحش بات یا کسی طرح کی نافرمانی یا کسی قسم کے نزاع کی دورانِ حج بالکل گنجائش نہیں ہے۔

لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج ۔

رفث سے مراد عورت سے مباشرت اور اس کے متعلقات

حتیٰ کہ زبان سے اس بارے میں کھلی گفتگو بھی نہ چاہیئے جو حالتِ احرام میں حرام ہے فسوق اصطلاحاً نافرمانی کے لئے بولا جاتا ہے یعنی ان باتوں سے جن سے بچنے کا حالتِ احرام میں حکم ہے اپنی پوری کوشش سے بچے۔ کہ یہ سعادت روز روز حاصل نہیں ہو سکتی اور ذرا ذرا سی کوتاہیاں بھی اس کے حُسن و کمال کو ضرور متاثر کرتی ہیں۔ اگرچہ بعض فسوق ایسے بھی ہیں جن سے حج ہی فاسد ہو جاتا ہے جیسے حالتِ احرام میں وقوفِ عرفات سے پہلے بی بی سے صحبت کر لی تو حج فاسد ہو گیا بطور جُرمانہ قربانی بھی دے گا اور اگلے سال پھر حج بھی کرے گا۔

اسی لِئے یہ علیحدہ لا رفث کہہ کر بیان فرمایا۔ دوسرے ممنوع امُور میں مثلاً بَری جانوروں کا شکار کرنا یا شکاری کو بتانا، بال یا ناخن کٹوانا، خوشبُو کا استعمال کرنا۔ مردوں کے لِئے سِلے ہوئے کپڑے اور سَر اور چہرے کا ڈھانپنا اور عورت کے لِئے بھی حالتِ احرام میں چہرے کا ڈھانپنا درُست نہیں۔

تو غرض یہ ہے کہ ان جُملہ امور سے سخت اجتناب کرے یا اسی طرح کہ اس ہجوُم خلائق میں اکثر نوبت جھگڑے کی آتی ہے کبھی سفر کے ساتھیوں سے اور کبھی کھانے پکانے کے معاملے میں، کبھی کوئی شے خریدنے یا بیچنے کے وقت اور کبھی طواف وسعی کے درمیان کہ ہر جگہ ایسے مواقع بکثرت آتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا اختلاط جس سے بچنا اس ہجوُم میں ممکن نہیں پھر مسلسل سفر اور جگہ جگہ عارضی قیام اور وقت بے وقت کھانے پینے سے اور تھکاوٹ سے مزاج میں برہمی اور عبادات میں سُستی۔ ان سب چیزوں کا سب سے زیادہ موقع یہیں بنتا ہے جس سے بچنا اور پوری کوشش سے بچنا ضروری ہے جس کی ایک ہی صُورت ہے کہ نگاہ صرف بیت پر نہ ہو بلکہ صاحب بیت کی عظمت سے دل منوّر ہو اور لبیک لبیک کی صداؤں سے دل بھی طوافِ کعبہ میں مصروف ہو۔ اللہ اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

ان تمام مواقع پر بچنے کی کوششیں، صرف اللہ کی رضا جوئی کے لِئے ہوں کہ اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔

حج کے لئے اپنا خرچ ہونا چاہیئے

سفر حج میں مصارفِ حج کا خوب اہتمام کرو وتزودوا ایسا نہ ہو کہ تم کسی پر بوجھ بنو یا گداگری کرتے پھر رہے ہو کہ چلے تھے اللہ کی رضا حاصل کرنے اور پھر رہے ہیں غیر اللہ کے در پر۔ اپنے دین کو بچانے اور اللہ کی عبادت کے لِئے سفر خرچ کا ساتھ ہونا ہی بہترین ذریعہ

ہے اسی لئے تو حج فرض ہی صاحبِ استطاعت پر ہے اور اس کا مشاہدہ ہم روزمرہ کی زندگی میں بھی کرتے ہیں۔ کہ جو شخص بھی مزدوری کر کے اپنی روزی نہیں کما سکتا۔ اس سے کسی نیکی کی اُمید بھی مشکل ہے۔

بعض لوگوں کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں جن کی ساری عمر محراب میں اور منبر پر گزرتی ہے مگر وہ حق بات بیان نہیں کر پاتے اسی لئے کہ یہی ان کا ذریعہ معاش ہوتا ہے کاش مزدوری کر کے آتے اور منبر پر بیان کرتے۔ دُنیا کی کوئی طاقت انھیں حق بیان کرنے سے نہ روک سکتی۔ سو کم از کم حج جیسی عبادات کے دوران تو انسانوں کی عطا پر نظر نہ ہو۔

یہ بات بہت واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر عصرِ حاضر تک انقلابی کام جس ہستی نے بھی کیا ہے اس نے روزی کمانے کے معروف طریقے اختیار کئے اور دینی خدمات کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ خواہ ائمہ اربعہ ہوں اور دیگر ائمہ فقہ یا حدیث و تفسیر یا صوفی اور اہل اللہ کے سرخیل ہوں۔ آپ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ العزیز تک تمام کی زندگیوں کے حالات دیکھیں تو یہی بات ہر جگہ کارفرما نظر آئے گی۔

واتقون یا اولی الالباب۔ اور خوف خدا ہی عظمت کی معراج ہے۔ ان تمام محنتوں اور عبادتوں کا ماحصل اللہ سے تعلق اور اس کی ناراضگی کا خوف ہی تو ہے جو انسانوں سے امیدیں وابستہ کرنے سے ضائع ہو جاتا ہے اور یہ ہرگز عقلمندی نہیں کہ مخلوق کو خوش رکھنے کے لیے خالق کو ناراض کر دیا جائے۔

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم۔

قبل از اسلام جو رسوم حج کے نام پر باقی تھیں۔ ان میں زیادہ حصہ دُنیا کمانے اور نمود و نمائش ہی تھا عبادت کا تو نام تھا۔ بڑے بڑے بازار لگتے اور منڈیاں سجائی جاتی تھیں۔ تو یہاں اس کی بھی اصلاح فرمائی کہ اگر دَورانِ سفرِ حج کوئی شے خرید لی یا فروخت کر دی کہ اللہ کی عطا سے منافع نصیب ہو تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں مگر یہ کہ اُسے محض تجارتی سفر بنا کر رکھ دیا جائے اور دولت سمیٹنے کا ایک حیلہ ہرگز درست نہیں۔ یہاں لیس علیکم جناح سے واضح ہے کہ اگرچہ اس کی اجازت ہے مگر اس سے اگر آدمی بچ سکے تو بہتر ہے کہ یہ مقصدِ اصلی تو نہیں اور اس کا مدار ارادے اور نیت پر ہے۔

جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ کی یاد کرو اور اس طرح کرو جیسے تمہیں تبلایا گیا ہے۔

عرفات ایک مشہور میدان ہے جو حرم سے باہر واقع ہے جس میں حجاج کا پہنچنا اور زوالِ آفتاب سے مغرب تک قیام کرنا حج کا نہایت اہم فرض ہے یہاں سے لوٹ کر مزدلفہ میں قیام ہوتا ہے جہاں مغرب اور عشاء کی دونوں

نمازیں اکٹھی ادا کی جاتی ہیں مشعرِ حرام ایک پہاڑ ہے جو اسی میدان میں واقع ہے حجاج اسی میدان میں رات گزار کر علی الصبح منیٰ کو لوٹتے ہیں تو فرمایا کہ اگرچہ تجارت کی اجازت ہے مگر مقصدِ اصلی تو حصولِ معرفت ہے جس کا واحد ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے اور وہ بھی اس طرح سے جس طرح تمہیں تبلایا گیا ہے۔ کما ھدٰاکم سے یہ واضح ہوا کہ کوئی عبادت یا طریقہ عبادت اُس وقت تک مقبول نہیں جب تک اس کی سند سُنتِ رسُول ﷺ سے حاصل نہ ہو۔

اب تو یہ حال ہے کہ لوگ فرائض میں تو کسی حد تک احتیاط کرتے ہیں مگر نوافل اور صدقات میں اور ذکر و اذکار میں اپنی طرف سے بعض طریقے ایجاد کر لیتے ہیں جیسے کسی بزرگ کے ایصالِ ثواب کے لئے کوئی خاص رقم یا شیرینی اور پھر کسی خاص دن سے مختص کر لینا یا دورِ حاضرہ کا جدید فتنہ کہ اذان سے اوّل یا آخر بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام اور اس قبیل کی بہت سی اشیاء جو عہدِ رسالت میں یا سُنتِ مبارکہ سے ثابت نہیں ہیں۔ جن کا کرنا خود درُست نہ تھا چہ جائیکہ ان پر اس قدر اصرار کہ نہ کرنے والے کو اچھا مسلمان ہی شمار نہ کرنا۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی چیزوں کی نفی ہو رہی ہے کہ عبادات میں آدمی کے بس کی بات نہیں کہ جو چاہے کرے بلادلیل شرعی ہرگز قدم نہ اٹھائے۔ یہاں تک قریش نے جو امتیازی حیثیت قائم رکھنے کے لئے طریقہ گھڑ رکھا ہے کہ لوگ تو عرفات سے لوٹیں اور یہ مزدلفہ سے باہر نہ جائیں۔ یہ بھی عہدِ جہالت کی رسم تھی کہ قریش یہ کہتے ہوئے کہ ہم تو حرم کے مجاور ہیں۔ ہمیں حدِ حرم سے باہر جانا زیب نہیں دیتا۔ مزدلفہ سے لوٹ آتے تھے چونکہ وہ حدِ حرم میں ہے اور عرفات باہر۔ وہاں نہ جاتے تو اللہ نے اس کی اصلاح فرمائی کہ

ثم افیضوا من حیث افاض الناس واستغفروا اللّٰہ ان اللّٰہ غفور الرحیم۔

سب اسی جگہ سے ہو کر پلٹو، جہاں تک سب لوگ جاتے ہیں اور ہر وقت اللہ سے معافی چاہتے رہو۔

یہاں اصلاح تو عہدِ رسالت کی رسم کی ہو رہی ہے مگر اصُول ایسا ارشاد فرمایا کہ انسانی معاشرہ ہمیشہ سے اس کا ضرورتمند ہے اور وہ یہ کہ بنیادی طور پر سب انسان ہیں اگر مال و دولت یا اقتدار و وقار سے کسی کو فضیلت حاصل ہے تو وہ اپنے مقام پر ہے، اسے انسانوں سے نکال کر کوئی اعلےٰ مخلوق نہیں بنا سکتی۔ سو اپنے آپ کو ہمیشہ انسان سمجھو۔ عبادات میں بھی اور عام معاشرت میں بھی۔ اور کبھی کوئی شخص اپنے لئے امتیازی صُورت اختیار نہ کرے کہ اس سے نفرت اور باہمی دشمنی پیدا ہو گی اور مل کر رہنے سے باہمی اُخوت اور محبت۔ یہی شے حضور ﷺ کے آخری خطبہ حج میں ارشاد ہوئی ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر اس طرزِ معاشرت کو اپنا یا جائے تو دُنیا سے مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ

ختم ہو جائے جو دورِ حاضرہ کی تمام خرابیوں کی بنیاد ہے۔

سب کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرو اور اپنی کوئی امتیازی شان نہ چاہو بلکہ اللہ سے استغفار کرتے رہو کہ اللہ تمھاری ساری خطائیں معاف فرمائے یا دورانِ حج جو کمی رہ گئی ہے اس سے درگذر فرمائے کہ اللہ بڑا بخشنے والا ہے۔

ذکرِ الٰہی عبادت کا بیج بھی ہے اور پھل بھی

فاذا قضيتم مناسككم فاذكروا الله كذكركم اباءكم او اشد ذكرا۔ سو جب ارکانِ حج پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو جس طرح تم اپنے اجداد کا ذکر عہدِ جہالت میں کرتے تھے اس سے بڑھ کر اللہ کا ذکر کرو۔

عہدِ جاہلیت میں نام تو حج کا ہوتا تھا مگر اصل ذریعہ اس کو حصولِ زر یا اظہارِ تفاخر کا بناتے تھے۔ اور جب لوٹ کر منیٰ میں پہنچتے تو بڑے بڑے بازار لگتے خرید و فروخت ہوتی اور مجالس قائم ہو جاتی تھیں جن میں اپنے اجداد کے کارنامے بطور تفاخر کے بیان کئے جاتے۔ اللہ کریم نے دونوں کی اصلاح فرما دی کہ نہ تو تجارت بنیادی مقصد ہے۔ اور نہ اس قدر ممنوع کہ آدمی ضرورت بھی پوری نہ کر سکے اور حج میں میلوں ٹھیلوں کی گنجائش نہیں کہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں بے شمار موانع ہیں عزیزوں سے مفارقت، زادِ راہ کا اہتمام، بہت سا وقت اور سفر کی مشکلات، صحت و بیماری، تو ان مشکلات کے ہوتے ہوئے جس نے حج کی توفیق بخشی ہے اُسی کا ذکر کرو۔ بہت شدّت اور کثرت سے کرو۔ اگر عرفات سے لوٹنے کے بعد بھی تمھیں اپنی بڑائی ہی کے اظہار کا فکر ہے تو گویا تم معرفتِ باری سے محرُوم ہی رہے۔

ذکر اور معرفت لازم و ملزوم ہیں۔ حصولِ معرفت کا ذریعہ اگر ذکر ہے تو معرفت کا ماحصل بھی ذکر ہے کہ جب معرفتِ باری کا کوئی شمہ بھی نصیب ہو جائے تو عظمتِ باری مستحضر ہوتی ہے اور آدمی اپنی بے بسی اور محتاجی کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اپنے وجود، اپنے کمالات، اپنے اعزازات و مقامات سب اللہ کی عطا کے مختلف مناظر بن کر سامنے آتے ہیں جو کثرتِ ذکر کا سبب بن جاتے ہیں جیسے بیج درخت کے اُگنے کا سبب بھی ہے اور اس کے پھل کے اندر پھر بیج ہی حاصل کے طور پر بھی۔ اسی طرح ذکر ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی۔ یہ تخم بھی ہے اور ماحصل بھی۔

اللہ کے احسانات کے پیشِ نظر کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ آج اگرچہ وہاں وہ رُسوم تو نہیں ہیں مگر تہذیبِ جدید کا ڈسا ہوا انسان آج بھی وہاں پارٹیوں اور تفریحات میں وقت کو برباد کرتا ہے جس سے اجتناب ضرُوری ہے اور ہر لمحہ یادِ الٰہی میں بسر کرنا ہی حاصلِ سفر ہے بلکہ بعض لوگ تو ان عبادات میں محض دُنیاوی چیزوں کے حصُول کی دعاء مانگتے ہیں

حالانکہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے جس کا ذکر ہی نہیں کرتے ۔

دراصل جس قدر مذاہبِ باطلہ ہیں انھوں نے دنیوی فوائد کا لالچ دے کر اپنی دکان سجائی ہے اور ہر عبادت کے نتیجہ کے طور پر کوئی نہ کوئی دُنیا کا فائدہ ظاہر کیا ہے اسی طرح ہر دیوتا کی خوشنودی پر بھی کسی نہ کسی دنیاوی کامیابی کا حاصل ہونا مقرر کیا ہے مگر اسلام نے فرد کو اس حقیقتِ ذات اور ابدی زندگی سے آشنا کیا ہے۔ صرف دُنیا مانگنا گویا خود کو آخرت سے محروم کرنا ہے۔

جیسے آج بھی لوگوں کو حصُولِ دُنیا کے لئے مختلف وظائف بتلائے جاتے ہیں اور لوگ مقاماتِ مقدسہ پر بھی اغراض دنیوی کا پلندہ لئے پھرتے ہیں۔ بلکہ بہت سے حضرات حصُولِ دنیا کے لئے نوافل ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے حضرات کا بزرگوں سے تعلق بھی خواہ وہ زندہ ہوں یا دنیا سے گزر چکے ہوں دنیا طلبی کا ہوتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی دُعا اور توجہ سے ہمارے بہت سے کام نکلیں گے، تجارت میں فائدہ ہوگا۔ مقدمات جیت جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

اگر ان چیزوں کو درمیان سے نکال دیں تو آپ دیکھیں گے اللہ کے لئے اللہ والوں کے پاس جانے والوں کی تعداد شاید نہ ہونے کے برابر ہو۔ ایسے لوگ جو محض دُنیا کے لئے اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں یا اور نوافل ادا کرتے یا مقاماتِ مقدسہ کے طویل سفر اختیار کرتے ہیں یہ تو ازلی محروم ہیں کہ مالہٗ فی الاٰخرۃ من خلاق - ابدی راحت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

ہاں! دُنیا بھی مانگے کہ سب کچھ اللہ ہی سے مانگنا ہے مگر یوں عرض کرے

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ ۔

کہ اے اللہ! اے میرے پروردگار! مجھے دنیا بھی دے تو حسنہ ہو۔ یعنی تجھ سے دُور کرنے والی اور تیری ناپسندیدہ نہ ہو بلکہ دُنیا بھی تیری یاد دلانے والی اور تجھ سے قریب کرنے والی ہو۔ اعمال کی توفیق دے تو مطابقِ سُنت ہو۔ ایسا رزق عطا فرما جو حلال اور طیب ہو یعنی نہ صرف دُنیا طلبی مقصد اور نہ دنیا سے بیزاری کی ضرورت۔ کہ دُنیا ہی دین بھی ہے کہ انسان اپنی بقا۔ اپنے اعمال اور عبادات سب میں ضروریاتِ دنیاوی کا محتاج ہے سو دُنیا طلب کرے مگر ایسی دنیا جو تعمیرِ آخرت کا سبب ہو جس پر ابدی زندگی کی راحتوں کا حصول آسان ہو جائے۔

یہاں ان لوگوں کی اصلاح بھی مقصود ہے جو ترکِ دُنیا کو وصول الی اللہ کا سبب کہتے ہیں اور دُنیا کے لئے دُعا مانگنا خلافِ شان جانتے ہیں۔ یہ بھی جہالت ہے۔

اصل قاعدہ یہ ہے اور یہی انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ بھی ہے کہ دُنیا کو مقصد نہ بنائے بلکہ آخرت کی فکر کرے اور دنیا کو حصولِ آخرت کا سبب بنائے اور یہی شے اللہ سے مانگے اور ہمیشہ دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتا رہے کہ خلافِ شریعت دنیا کا حصول دراصل دوزخ کی آگ ہے اور جائز طرح سے دنیا کے کاموں کا کرنا بھی عبادت ہے یہی دُنیا کا حُسن ہے اور اسی پر آخرت کی بھلائی مرتب ہوتی ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ واللہ سریع الحساب وہ سب اُمور سے پوری طرح آگاہ ہے اور ظاہر و باطن سے واقف تمہیں بہت جلد اِن تمام امور کا حساب دینا ہے۔

واذکروا اللہ فی ایام مّعدودات۔

ان چند دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں جن میں منٰے میں قیام ہوتا ہے اور جمرات پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ یہ دن عید کے ہوتے ہیں اور حج کا بھی اختتام ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ان ایام میں بھی یادِ الٰہی میں لگے رہو مصروفیت کے دن ہوں یا فراغت کے۔ سفر ہو یا قیام۔ حج ہو یا عید کوئی دن کوئی لمحہ یا کوئی حال ذکرِ الٰہی سے خالی نہ ہو۔

اب اگر کوئی دس ذوالحجہ کے بعد بارہ تک رہا اور دعا کر کے واپس ہوا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی تیرہ تک رہا تو بھی ٹھیک ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ۱۲ ذی الحجہ کا سُورج منٰے میں غروب ہو تو پھر تیرہ کو دعا کر کے آئے لیکن اگر بارہ کو دعا کر کے غروبِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے واپس ہوا تو پھر تیرہ کو دعا اس پر واجب نہ رہی نیز تیرہ کو دُعا زوالِ آفتاب سے پہلے بھی درُست ہے۔

یہ جملہ احکام کیفیاتِ قلبی سے متعلق ہیں یہ سب تو اُس کے لئے ہے۔ لمن اتقیٰ کہ جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ جس کے دل میں اللہ کی طلب اور اس کی ناراضگی کا خوف ہو۔ برخلاف اس کے جو دِل عظمتِ باری سے خالی ہو اور حج بھی اپنی بڑائی کے اظہار کے طور پر کر رہا ہو اس کا احکام بجالانا یا ترک کرنا برابر ہی ہے اور اے لوگو! اللہ سے ضرور ڈرو کہ تمہیں اُسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ حج سے فارغ ہو کر آنے والا گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر آتا ہے جیسے وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا تو گویا جو شخص پہلے بھی نافرمان تھا اور دورانِ حج بھی سُستی اور نافرمانی کرتا رہا اور لوٹ کر آنے پر بھی حال وہی ہے تو گویا اُس نے حج کیا ہی نہیں۔ اگر اُسے گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی تو دل گناہوں سے متنفر ہو جاتا۔ ہاتھ پاؤں اللہ کی نافرمانی سے رُک جاتے کہ دورانِ حج بھی تو ہر مقدس مقام پر اُس نے گزشتہ سے معافی

اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔ سو قبولیتِ حج کی دلیل یہی ہے کہ دل دُنیا کی محبت سے خالی ہو جائے اور آخرت کی رغبت پیدا ہو جائے۔

اللہ کریم جملہ اہلِ اسلام کو اس کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔

نتائج کا اِنحصار دلی کیفیات پر ہے

من الناس من یعجبک قولہٗ فی الحیوۃ الدنیا ویشھد اللہ علیٰ ما فی قلبہٖ وھو الد الخصام۔

بعض لوگوں کی باتیں بڑی دلفریب ہوتی ہیں اور پند و نصائح سے مزین۔ ساتھ ہی وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ میرے دل میں بھی یہی ہے جو زبان پر ہے مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہوتا ہے ورنہ عملی زندگی میں تو کوئی بات مان کر ہی نہیں دیتے سخت جھگڑالو اور فساد پیدا کرنے والے ہوتے ہیں اور جب محفل سے اُٹھتے ہیں تو ایسا کام کرتے ہیں جو رُوئے زمین پر کھیتوں اور نسلوں کی بربادی کا سبب بنتا ہے ان سب کی ایک صورت تو ظاہراً فساد کرنے کی ہے اور دُوسری یہ کہ ہر گناہ اپنی حیثیت کے مطابق ظلمت و نحوست کا سبب بنتا ہے جو کسی نہ کسی درجہ میں دُنیا و مافیہا کو متاثر کرتی ہے تو اس طرح گناہ کرنے والا نہ صرف نافرمان ہے بلکہ دنیا و مافیہا کو تباہ کرنے کے جُرم کا مجرم بھی ہے اور محض زبان سے کہنا اور دل میں کسی کیفیت کا نہ ہونا محرومی ہے۔

اخنس بن شریق ایک شخص تھا جو حضور ﷺ کے سامنے تو بڑی اچھی اچھی باتیں کرتا اور قسمیں کھا کر اپنے مخلص ہونے کا اعلان کرتا مگر عملی زندگی میں اطاعت کی بجائے نافرمانی اور فساد بپا کرتا۔ یہی بات اللہ نے اس کے نفاق پر بطور دلیل ارشاد فرمائی ہے اور فرمایا اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔

حج اور اس کے ارکان تو اس لئے ادا کئے جاتے ہیں کہ عملی زندگی کو بدل دیں۔ اگر یہ نہ کر سکا تو پھر اُس نے کیا کیا؟ کہ اگر اسے ناپسندیدہ باتوں سے منع کیا جائے اور کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تمھیں یہ حرکات زیبا نہیں تو بجائے ڈرنے کے وہ اسے اپنی انانیت کو ایک چیلنج سمجھے اور مزید انہی غلط کاریوں پہ جم جائے ایسے لوگوں کے لئے جہنم ہی سزاوار ہے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے اور بڑی سخت جگہ۔

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔

اس کے مقابل ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنے آپ کو بھی بیچ ڈالتے ہیں۔ سُبحان اللہ! کفار

اور منافقین کے مقابل صحابہؓ کا مثالی اخلاص بھی ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت فرمائی تو کفارِ مکہ نے راستہ میں جا گھیرا۔ آپ سواری سے اُتر کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے قریش! میرا ترکش بھرا ہوا ہے اور تم جانتے ہو کہ میرا نشانہ خطا نہیں جاتا۔ اس کے بعد میں اپنا نیزہ اور تلوار بھی آزماؤں گا اور جب تک دم ہے تم مجھ تک نہ پہنچ سکو گے کیا یہ بہتر نہیں کہ مکہ میں میرا جو سرمایہ ہے وہ تم لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔"

چنانچہ قریش اس پر راضی ہو گئے اور مال کا پتہ پوچھ کر واپس چلے گئے۔

آپ جب خدمتِ نبوی ﷺ میں پہنچے تو سارا واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے دوبار ارشاد فرمایا، "ابایحیٰ! تمہارا بیوپار نفع بخش رہا۔"

اور صاحبِ تفسیرِ مظہری نے لکھا ہے کہ کئی دوسرے واقعات بھی اس کی مثال ہیں جو آیت کا شانِ نزول ہیں۔

بہر حال یہاں مقصدِ بیان یہ ہے کہ انسان تمام چیزوں کو خواہ دنیا کے منافع ہوں یا انانیت کے تقاضے، مرضیاتِ باری پہ قربان کر دے۔ حج اس کی عملی تربیت کا سامان ہے گھر، اولاد، کاروبار سب سے علیحدہ ہو کر آرام قربان کر کے، ظاہری شان و شوکت چھوڑ کر، دو اَن سلی چادروں میں سر و پا برہنہ "لبیک لبیک" کہنے کا مقصد تو یہی ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ کی رضا کے ساتھ ہی رہ سکتی ہیں ورنہ ان کو چھوڑا جا سکتا ہے اور اللہ کی اطاعت ترک نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تو اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے یعنی جب کمی واقع ہوتی ہے تو اس طرف سے ورنہ اللہ کی بخشش میں کوئی کمی نہیں ہے۔

یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ۔

اے ایمان والو! اپنے تمام امور میں اسلام کی اطاعت اختیار کرو کہ عبادت ہو یا مزدوری کوئی بھی کام ہو جو حدِّ اسلام سے خارج ہو وہ شیطان کی پیروی میں ہو گا جو تمہیں ہرگز نہ کرنی چاہیئے کہ وہ تو تمہارا کھُلا دشمن ہے۔

بعض لوگوں نے صرف نماز روزے کو اسلام جانا اور اس کے علاوہ تمام امور میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اور بعض لوگ مسجدوں میں داخل ہوئے تو مساجد سے باہر کی زندگی میں اُن کا کوئی حصّہ نہ رہا اور تیسرے گروہ نے نماز روزے کو بھی وقت کا ضیاع جانا۔ یہ سب افراط و تفریط ہے۔ اپنے نظریات و عقائد سے لے کر اعمال تک سب کو اسلام کا تابع بناؤ اور ظاہر و باطن سے اس کے لئے کوشاں رہو۔ نماز کے وقت مسجد میں، کاروبار کے وقت بازار میں اور جہاد کے وقت میدان میں نظر آؤ! غرض یہ کہ اسلام کی ہی تعلیمات کو اپنا مطمعِ نظر بناؤ۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رکھو کہ اگر تم ان واضح دلائل کے بعد بھی جو تم تک پہنچ چکے ہیں (جن میں سب سے بڑی دلیل خود نبی کریمؐ کی ذات ہے اور اللہ کا کلام اور احکام اسلام) بھٹک گئے تو اللہ بہت زبردست ہے۔ وہ طاقت والا ہے ہر شے کو جاننے والا ہے اور سب کو سزا بھی دے سکتا ہے۔ گو وہ حکیم ہے اور کسی حکمت کی بنا پر چندے سزا نہ دے۔ یہ حال بھی اگرچہ ظاہراً سزا نہ ہوگی مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے سزا ہی ہے کہ کسی کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو تو کیا ایسے لوگ جو ان سب امور کے بعد بھی اپنی اصلاح نہیں کر پاتے، اس روز کے منتظر ہیں کہ جب تمام امور واقع ہوں گے تو یہ ایمان لائیں گے۔ یعنی اس وقت کا ایمان لانا نافع نہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ تمام مقدمات اللہ ہی کے سامنے پیش ہوں گے کوئی دوسری عدالت فیصلوں کی مجاز نہ ہوگی کہ کوئی شخص پیش ہونے سے بچ جائے۔

رکوع نمبر ۲۶ آیات ۲۱۱ تا ۲۱۶ سیقول ۲/۱۰

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

(اے محمدؐ) بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے اُن کو کتنی کھلی نشانیاں دیں اور جو شخص خدا کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل دے تو خدا سخت عذاب کرنے والا ہے ﴿۲۱۱﴾

211. Ask of the Children of Israel how many a clear revelation We gave them! He who altereth the grace of Allah after it hath come unto him (for him), lo! Allah is severe in punishment.

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

اور جو کافر ہیں اُن کے لئے دنیا کی زندگی خوشنما کر دی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں لیکن جو پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن اُن پر غالب ہوں گے اور خدا جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے ﴿۲۱۲﴾

212. Beautified is the life of the world for those who disbelieve; they make a jest of the believers. But those who keep their duty to Allah will be above them on the Day of Resurrection. Allah giveth without stint to whom He will.

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے (اُن کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور اُن پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے اُن کا اُن میں فیصلہ کر دے۔ اور اس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ اُن کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اُس کی راہ دکھا دی اور خدا جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے ﴿۲۱۳﴾

213. Mankind were one community, and Allah sent (unto them) Prophets as bearers of good tidings and as warners, and revealed therewith the Scripture with the truth that it might judge between mankind concerning that wherein they differed. And only those unto whom (the Scripture) was given differed concerning it, after clear proofs had come unto them, through hatred one of another. And Allah by His will guided those who believe unto the truth of that concerning which they differed. Allah guideth whom He will unto a straight path.

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم ۖ مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ ع

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں۔ ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ کب خدا کی مدد آئے گی۔ دیکھو خدا کی مدد (عن) قریب (آیا چاہتی) ہے ﴿٢١٤﴾

(اے محمد، لوگ) تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے خدا اس کو جانتا ہے ﴿٢١٥﴾

(مسلمانو) تم پر (خدا کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور (ان باتوں کو) خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿٢١٦﴾

214. Or think ye that ye will enter Paradise while yet there hath not come unto you the like of (that which came to) those who passed away before you? Affliction and adversity befell them, they were shaken as with earthquake, till the messenger (of Allah) and those who believed along with him said: When cometh Allah's help? Now surely Allah's help is nigh.

215. They ask thee, (O Muhammad), what they shall spend. Say: That which ye spend for good (must go) to parents and near kindred and orphans and the needy and the wayfarer. And whatsoever good ye do, lo! Allah is Aware of it.

216. Warfare is ordained for you, though it is hateful unto you; but it may happen that ye hate a thing which is good for you, and it may happen that ye love a thing which is bad for you. Allah knoweth, ye know not.

اسرار و معارف

سَلْ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ .... وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

آپ ﷺ بنی اسرائیل سے پوچھئے ان کی تاریخ دیکھئے کہ اللہ نے انھیں کس قدر واضح دلائل عطا فرمائے اور اللہ کے نبی ان کے پاس کتنی دلیلیں لائے جن سے ان کی اصلاح مقصود تھی مگر جب انھوں نے سرکشی کی اور ان دلائل کو پس پشت ڈالا تو ان پر کیسے کیسے عذاب نازل ہوئے اور یہ تو قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی نعمت کو ٹھکراتا ہے یعنی ایسے دلائل جو اسے راہ ہدایت سمجھانے کے لئے اللہ کی طرف سے اس کے پاس پہنچے ان کی پرواہ نہیں کرتا تو اس کا یقینی نتیجہ یہ

ہوتا ہے کہ وہ رحمتِ باری سے محرُوم ہو کر اللہ کے غضب کا نشانہ بنتا ہے اور خدا کے عذاب بہت سخت ہیں جس طرح اس کی رحمت حدُود سے بالاتر ہے اسی طرح اس کے عذابوں کی سختی بھی عقلِ انسانی کی دسترس سے باہر ہے اللہ ان سے بچائے آمین۔

جب کوئی شخص اللہ کے ارسال کردہ دلائل کی پرواہ نہیں کرتا تو خودبخود اس کی پسند کا معیار بدل جاتا ہے اور محض دُنیا کی لذّات پہ فریفتہ ہو کر رہ جاتا ہے پھر اس کی ساری کوشش حصُولِ لذات تک ہی محدُود ہو جاتی ہے اور اس شے کو مستحسن جاننے لگتا ہے۔

گمراہی نگاہوں کو بدل دیتی ہے اور بھلے بُرے کی تمیز نہیں رہتی

اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جو لوگ ان عارضی اور مادی لذّات کو ابدی راحت اور اخروی زندگی کے لئے قربان کرتے ہیں وہ انہیں ناسمجھ جانتا ہے اور ان کا تمسخر اڑاتا ہے کہ کیسے بے عقل ہیں خواہ مخواہ اپنے آپ کو ضابطوں میں جکڑ رکھا ہے اور عیش و عشرت نہیں کرتے لیکن یہ ان کی جہالت ہے۔ یہ زندگی عارضی ہے اور اُخروی زندگی دائمی۔ اگرچہ راحت یہاں بھی مومن کے لئے ہی ہے۔ کہ عین فطری زندگی بسر کرتا ہے اور کفار کی زندگی غیر فطری ضابطوں میں جکڑی ہوتی ہے مگر اس قدر باریک نگاہ نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں معیار دولت اور صرف خوبصورت مکان، لباس یا اچھی قسم کا کھانا ہوتا ہے۔ آخرت میں یہ بھی دیکھ لیں گے کہ مؤمنین باعتبار رزق کے بھی ان سے بہت اعلیٰ ہوں گے کہ کفار جب عذابِ الٰہی میں غوطے کھا رہے ہوں گے وہ جنّت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کہ اللہ قادر ہے۔ جب چاہے جتنا چاہے کسی کو بخش دے۔

انسان اپنی آفرینش کے اعتبار سے تو بالکل ایک ہی جماعت تھے ان کا ایک ہی عقیدہ، نظریہ بھی تھا۔ مگر جب ضروریات بڑھیں تو اختلافِ اغراض نے نظریات بھی مختلف بخشے، اپنے اپنے مزاج نے بھی رنگ دکھایا اور مختلف آراء سامنے آئیں ایک شور مچا جس میں ہر کوئی اپنی رائے کو حق ثابت کرنے پر مصر تھا۔ رحمتِ باری نے دستگیری فرمائی اور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا کہ انھوں نے حق کو باطل سے علیحدہ علیحدہ کر دیا اور جہاں اہلِ حق کو بشارت دی وہاں دُوسرے گروہ کو اللہ کے غضب سے ڈرایا کہ باطل کی پیروی نہ کریں۔

اللہ نے انبیاء کو اپنی کتابیں دیں ان پر اپنا کلام نازل فرمایا کہ حق کے ساتھ لوگوں میں فیصلہ کریں اور اختلاف دُور فرمائیں مگر کتبِ سماوی اور واضح احکام کے بعد بھی لوگوں نے محض ضد کی وجہ سے انبیاءؑ کی پیروی نہ کی اور محروم رہے مگر جن

لوگوں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ اللہ نے ان کی اُلجھنیں بھی سُلجھا دیں اور اپنی رحمت سے انھیں اختلافات کی دلدل سے نکال کر سیدھی راہ نصیب فرمائی۔ وہ جسے چاہے سیدھے راستے پہ چلنے کی توفیق ارزاں کر دے۔

باعتبار عقیدہ دنیا میں صرف دو قومیں ہیں

یہاں انسانوں کو بلحاظ عقیدہ و نظریہ تقسیم فرمایا ہے اور صرف دو قومیں ارشاد فرمائی ہیں کہ جب تک خیالات اور عقائد متحد تھے نوعِ انسانی کی قوم بھی ایک ہی تھی یہاں اُمۃ سے مراد وحدتِ عقائد ہے اگرچہ لغت میں کسی بھی سبب سے ایک وحدت وجود میں آئے تو اُمۃ کہلاتی ہے وہ وجہ ایک زمانہ یا ایک خطّہ یا ملک ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یہاں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ ملکی یا زمانی نہیں بلکہ نظریاتی ہے۔ تو اُمۃ سے بھی نظریاتی وحدت ہی مراد ہوگی۔ رہی یہ بات کہ کس دَور میں تھی؟ تو بعض حضرات نے اسے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد گردانا ہے بعض نے طوفانِ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بچ رہنے والوں کے حق میں لکھا ہے۔

یہ باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر اسلوبِ بیان سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ نوعِ انسانی اپنے ساتھ اختلاف نہیں لائی بلکہ دُنیا میں رہنے بسنے کے ساتھ مختلف چیزیں سامنے آئیں اور اپنی پسند کے حصول کے مختلف ذرائع اپنائے گئے اور پھر ہر شخص نے اپنی رائے ہی کو درست جانا جو ایک فطری امر تھا۔ مگر انبیاء کرام نے آکر حق و باطل کو واضح کر دیا۔ سو اس سے محروم صرف وہ لوگ رہے جو قبولِ حق کی استعداد ہی کھو چکے تھے اور محض ضد اور اکڑ میں اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے۔ اس کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ مزاج کو قوتِ حق کی استعداد سے عاری کر دیتا ہے اور ایسے لوگ کبھی مان کر نہیں دیتے۔

اظہارِ حق کرنے والوں کو اس سے بددل نہ ہونا چاہیئے بلکہ اپنا کام پُورے خلوص سے کرتے رہنا ہی ضروری ہے کہ اگر تم اللہ کی رضا کے طالب ہو تم جنّت کا داخلہ چاہتے ہو جو رضائے الٰہی کا مظہر ہے تو اتنی عظیم طلب کے لئے بہت بڑی قربانی بھی تو چاہیئے کوئی ایسا کام بھی تو دکھاؤ جو تمہیں یہ انعام دلوانے کا باعث ہو۔ کہ سُنّت اللہ یہی ہے کہ ہر کام کسی سبب کا نتیجہ ہوتا ہے نیز اپنے سے پہلے گزرنے والوں (مومنین) کو دیکھو۔ ان پر بھی تو کس قدر امتحان آئے کہ انھیں ہلا کر رکھ دیا۔ بعض اوقات نہ صرف مومنین بلکہ ان کے ساتھ انبیاء بھی پکار اُٹھے۔ متیٰ نصر اللہ کہ اے اللہ! تیری مدد جس کا تُو نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے کب آئے گی۔ یعنی اے اللہ! جلدی مدد فرما اور خوب جان لو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

ثمرات کے لئے مجاہدہ ضروری ہے

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدہ شرط ہے۔ یہی اللہ کا نظام ہے اور یہ ضروری نہیں کہ مجاہدہ اختیاری ہی ہو بلکہ اضطراری بھی نافع ہے سب سے

بڑی بات جو مجاہدے پر مرتب ہوتی ہے وہ قربِ الٰہی ہے اور ماسوا اللہ سے بیزاری و ناامیدی ہے کہ آدمی ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کو پکار اُٹھے اگر کوئی شخص محض شہرت یا کوئی کمال حاصل کرنے کے لیے تکلیفیں اٹھاتا ہے تو وہ مجاہدہ نہیں جس پر یہ اجر مرتب ہو بلکہ سخت گناہ ہے نیز مصیبت و ابتلا۔ جو اللہ کے بندوں کو پیش آئے وہ محض صورتاً مصیبت ہُوا کرتی ہے حقیقتاً اللہ کا انعام اور ترقیٔ درجات کا وسیلہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل ۔

وقتِ مصیبت اللہ سے دُعا کرنا توکل کے منافی نہیں بلکہ خوب الحاح وزاری سے اللہ کو پکارنا ہی حاصلِ مجاہدہ ہے اور قربِ الٰہی کی دلیل ہے۔ مجاہدہ اختیاری میں شرائطِ مجاہدہ کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے مثلاً اللہ کی رضا کے لیے مال کا خرچ کرنا ایک مجاہدہ ہے لیکن مال کا محض ضیاع مجاہدہ نہیں بلکہ پہلے تو وہ مال خیر ہو حلال اور جائز کمائی ہو۔ پھر اس میں جتنا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہو اس کا مصرف یہ ہے کہ سب سے پہلے والدین کا حق ہے پھر قرابتداروں کا اور پھر یتیموں، مساکین اور مسافروں کا۔ یاد رہے یہاں صدقاتِ نافلہ کی بابت ارشاد ہو رہا ہے اور ان کا بھی محل ہے یہ نہ ہو کہ والدین بھوک سے تڑپ رہے ہوں یا علاج کو ترس رہے ہوں اور نامور بیٹا مہاجرین میں کھانا یا دوائیں بانٹنے کی تصاویر کھنچوا رہا ہو۔

اسی طرح جو مال خرچ کیا جائے وہ اپنا بھی ہو، یہ نہ ہو کہ قرض خواہ پریشان پھریں اور بجائے انہیں واپس کرنے کے صدقات بانٹے جا رہے ہوں یعنی مال اپنا ہو، جائز اور حلال ہو اور پھر درُست جگہ پر خرچ کیا جائے اور خالص اللہ کی رضا مقصود ہو تب بات بنے گی انہیں مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اور انہیں درجات کو پانے کے لیے تو تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے۔

جہاد میں مجاہدہ اختیاری بھی ہے اور اضطراری بھی۔ گو بظاہر اور طبعاً تمہیں ناگوار بھی ہو عین ممکن ہے کہ ایک شے تمہیں بھلی معلوم نہ ہو مگر وہ تمہارے لیے بہت سُود مند ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز بہت پسند آئے مگر حقیقت کے اعتبار سے تمہارے لیے بہت نقصان دہ ہو کہ اشیاء کے حقائق سے واقف ہونا تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ تو اللہ ہی کو سزاوار ہے اور اسی کی شانِ علم ہے کہ وہ عواقب و نتائج سے باخبر ہے سُبحان اللہ!

یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ آتا ہے مومن کے لیے ہمیشہ انعام ہی ہوتا ہے اور اس میں اس کی بھلائی ہوتی ہے۔ خواہ صورتاً کس قدر شدید اور سخت بھی ہو۔

کافر کو جو کچھ ملتا ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے عذاب ہی ہوتا ہے خواہ وہ صورتاً دولتِ دُنیا یا جاہ و منصب ہی کیوں

نہ ہو۔ جہاد فرض ہے مگر فرض کفایہ کہ ایک جماعت اس فریضہ کو ادا کرتی رہے تو سب کی طرف سے کفایت کرے لیکن اگر ان
سے بات بڑھ جائے تو پھر پاس والوں پر فرض عین۔ اسی طرح اگر ان سے نہ ہو سکے تو بڑھتا ہوا ساری دُنیا کے مسلمانوں پر
فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

رکوع نمبر ۲۷ آیات ۲۱۷ تا ۲۲۱ سیقول ۲/۱۱

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ
فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ
اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ
وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ
وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى
يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ
اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ
مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ
كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

(اے محمد) لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی
کرنیکے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہدو کہ ان میں
لڑنا بڑا (گناہ) ہے۔ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر
کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے) سے (بند کرنا)
اور اہلِ مسجد کو اس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے
ہیں) خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے۔ اور
فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور یہ لوگ ہمیشہ
تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور
رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔
اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر کر (کافر ہو)
جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے
اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائینگے اور
یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۱۷﴾

217. They question thee (O Muhammad) with regard to warfare in the sacred month. Say: Warfare therein is a great (transgression), but to turn (men) from the way of Allah, and to disbelieve in Him and in the Inviolable Place of Worship, and to expel his people thence, is a greater with Allah; for persecution is worse than killing. And they will not cease from fighting against you till they have made you renegades from your religion, if they can. And whoso becometh a renegade and dieth in his disbelief such are they whose works have fallen both in the world and the Hereafter. Such are rightful owners of the Fire: they will abide therein.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا
وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ
يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

جو لوگ ایمان لائے اور خدا کیلئے وطن چھوڑ گئے اور
(کفار سے) جنگ کرتے رہے وہی خدا کی رحمت کے
اُمیدوار ہیں اور خدا بخشنے والا (اور) رحمت کرنیوالا ہے ﴿۲۱۸﴾

218. Lo! those who believe and those who emigrate (to escape the persecution) and strive in the way of Allah, these have hope of Allah's mercy. Allah is Forgiving, Merciful.

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ
قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ
نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

اے پیغمبر لوگ تم سے شراب اور جُوئے کا حکم
دریافت کرتے ہیں کہدو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں
اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر انکے نقصان
فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں
کہ (خدا کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں کہدو کہ جو
ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح خدا تمہارے لئے اپنے
احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو ﴿۲۱۹﴾

219. They question thee about strong drink and games of chance. Say: In both is great sin, and (some) utility for men; but the sin of them is greater than their usefulness. And they ask thee what they ought to spend. Say: That which is superfluous. Thus Allah maketh plain to you (His) revelations, that haply ye may reflect—

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

(یعنی) دنیا اور آخرت (کی باتوں) میں غور کرو۔ اور تم سے

220. Upon the world and

عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ
خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ
مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ
لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ
وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا
تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ
وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى
النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ
الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۲۷ / ۱۱

یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں کہدو کہ اُنکی (حالت کی)
اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم اُنسے مِل جُلکر رہنا (یعنی خرچ
اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور خدا خوب جانتا
ہو کہ خرابی کرنیوالا کون ہے اور اصلاح کرنیوالا کون۔ اور اگر خدا چاہتا
تو تمکو تکلیف میں ڈالدیتا۔ بیشک خدا غالب (اور) حکمت والا ہے (۲۲۰)
اور (مومنو) مشرک عورتوں سے جب تک کہ ایمان نہ لائیں نکاح
نہ کرنا کیونکہ مشرک عورت خواہ تم کو کیسی ہی بھلی لگے اُس
سے مومن لونڈی بہتر ہے اور (اسی طرح) مشرک مرد جب تک
ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو اُن کی زوجیت میں
نہ دینا۔ کیونکہ مشرک (مرد) سے خواہ وہ تمکو کیسا ہی
بھلا لگے مومن غلام بہتر ہے یہ (مشرک لوگوں کو) دوزخ
کی طرف بلاتے ہیں۔ اور خدا اپنی مہربانی سے بہشت
اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔ اور اپنے حکم لوگوں سے کھول
کھولکر بیان کرتا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں (۲۲۱)

the Hereafter. And they question thee concerning orphans. Say: To improve their lot is best. And if ye mingle your affairs with theirs, then (they are) your brothers. Allah knoweth him who spoileth from him who improveth. Had Allah willed He could have overburdened you. Allah is Mighty, Wise.

221. Wed not idolatresses till they believe; for lo! a believing bondwoman is better than an idolatress though she please you; and give not your daughters in marriage to idolaters till they believe, for lo! a believing slave is better than an idolater though he please you. These invite unto the Fire, and Allah inviteth unto the Garden, and unto forgiveness by His grace, and expoundeth thus His revelations to mankind that haply they may remember.

اسرار و معارف

اشہرِ حُرم

جب جہاد کا ذکر شروع ہوا تو اس کے احکام ارشاد ہوتے ہیں جن میں بنیادی بات اشہرِ حُرم کی ہے کہ سال میں چار مہینے رجب اور ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرّم ہیں۔ قبل اسلام بھی ان میں لڑنا مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا اور اسلام نے بھی ان کی حُرمت بحال رکھی لیکن اس کے ساتھ یہ امکان بھی موجود تھا کہ مسلمان تو بالکل ہاتھ نہ اٹھائیں اور کافر جنگ کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہیں۔ تو اللہ کریم نے ایک ضابطہ ارشاد فرمایا کہ فرما دیجئے ان مذکورہ مہینوں میں لڑنا بہت بڑا جُرم ہے اور عنداللہ بڑے گناہ کی بات ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اللہ سے کفر کرنا اور بیت اللہ سے منع کرنا بلکہ جو لوگ مسجدِ حرام کے اہل ہوں اور ان کو وہاں سے نکال دینا کیا کم گناہ ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ اس طرح کا فساد تو قتال سے بڑھ کر جُرم اور گناہ ہے اگر کفار ان مہینوں میں ایسی کوشش کریں یا لڑائی کی ابتداء ان کی طرف سے ہو تو پھر ماہِ حرام کی حُرمت پامال کرنے کا گناہ بھی ان

ہی کے سر ہو گا۔ یہی تعامل رسول اللہ ﷺ سے بھی ظاہر ہے کہ آپ ﷺ ان مہینوں میں اس وقت تک قتال نہ فرماتے جب تک ابتدا، کفار کی طرف سے نہ ہو۔

کفار کا حال یہ ہے کہ یہ کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے بلکہ یہ ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے تاآنکہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تمہیں تمہارے دین سے بھی برگشتہ کر دیں اور کفر میں لوٹا دیں۔

مرتد کی سزا

اگر تم میں سے کوئی دین سے پھر جائے اور پھر کفر پر ہی مَرے تو اس کے تمام نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے وہ نہ تو اُسے دُنیا میں فائدہ دیں گے اور نہ آخرت میں۔ بلکہ ایسے لوگ جہنم میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے۔ دُنیا میں مُرتد کا نکاح باطل ہو جاتا ہے مسلمان سے وراثت نہیں پا سکتا جنازہ نہیں پڑھا جاتا اور نہ ہی مسلمانوں کے مقابر میں دفن کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جاتا ہے اور عورت ہو تو حبس دوام باقی ہے اور آخرت کا نقصان ابدی جہنم ہے۔ ہاں اگر توبہ کرے تو از سرِ نو مسلمان ہو جاتا ہے بلکہ حنفیہ کے نزدیک اگر پہلے حج کر چکا تھا تو وہ بھی فاسد ہوا۔ بشرطِ وسعت دوبارہ حج بھی کرے گا یہی حال باقی نیک اعمال قبل از ارتداد کا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اُس کے خلاف ہے اور کافرِ اصلی اگر کوئی نیک کام کرے تو معلق رہتا ہے اگر مسلمان ہو جائے تو پہلے سے سب نیک کاموں کا بھی اجر پاتا ہے اگر کفر پر مَرے تو پھر سب ضائع ہو جاتے ہیں سو مُرتد کافرِ اصلی سے بھی شنیع تر ہے۔

کفار کا حال یہ ہے کہ وہ مسلمان کو بحیثیت مسلمان برداشت کرنے پر تیار نہیں۔ آج بھی دیکھا جائے تو انسانی ہمدردی کے دعاوی کے باوجود کفار کے نزدیک وہ مرتد جو نام تو مسلمانوں جیسے رکھتے ہیں مگر عقائدِ اسلامی کا مذاق اُڑاتے ہیں بڑے عزیز ہیں اور جو لوگ حق پرست اور مسلمان ہیں انھیں غیر مہذب اور قدامت پسند اور کیا کیا کچھ کہا جاتا ہے۔

سو کفار کی ایسی کوششیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہیں انھیں روکنا ہر حال اور ہر زمانے میں نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کر کے دکھایا۔ تب ہی ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ پکی بات ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پھر سارے جہاں کو اللہ کے لئے چھوڑا۔ اللہ کی راہ میں جو بھی رکاوٹ بنی ہٹا دی، خواہ عزیز و اقارب ہوں، جاہ و مال ہو، گھر یا وطن ہر شے کو اللہ کی محبت اور اپنے اللہ سے تعلق پہ نثار کر دیا اور پھر یہیں بس نہیں بلکہ ساری عمر اللہ کی راہ میں لڑتے اور کفر کی طاقتوں کا مقابلہ کرتے گزار دی۔

حقیقتاً یہی لوگ رحمتِ باری کے اُمیدوار ہیں اُن کا عمل اُن کی اس تمنا کا آئینہ دار ہے اور انھوں نے کسی غلط جگہ اُمیدیں

وابستہ نہیں کیں بلکہ اللہ ہی ہے بخشنے والا اور رحم کرنے والا

عہدِ جہالت کے بعض رسواجات اور اسلام

عرب میں عہدِ جاہلیت میں شراب اور جوا تہذیب کا ایک حصہ تھا۔ شراب کے بغیر ہر دعوت نامکمل سمجھی جاتی تھی اور جوا نہ کھیلنے والے کو کنجوس اور بزدل کہا جاتا تھا اور یہ دونوں عادتیں اس قدر رچ بس چکی تھیں کہ انھیں عربوں کے مزاج سے خارج کرنا اور نہ صرف ذہنی بلکہ قلبی طور پر ان سے مسلمانوں کا متنفر ہو جانا خود ایک بہت بڑا معجزہ اور دلائلِ نبوّت میں سے ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ اسلام نے سابقہ رواج بھی اپنائے ہیں۔ لیکن اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کتنی بڑی بڑی برائیوں کا سدِّباب کیا ہے جو سوائے نبی کے کوئی شخص مٹانے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ مثلاً یہی شراب اور جوئے کو دیکھ لیں یا متعہ کے نام سے جنسی بے راہروی کی ایک صورت جو قبلِ اسلام رائج تھی اسلام نے اس کو مٹا کر نکاح کو قائم فرمایا اور حکم دیا باقاعدہ زندگی گزارنے کے لئے یہ رشتہ جوڑو۔

کیا آج کا یورپ شراب اور جنسی بے راہ روی سے پریشان نہیں ہے؟ کیا وہاں کے دانشور اور صاحبِ اقتدار دونوں اس شے کو ختم نہیں کرنا چاہتے؟ لیکن وہ کیا ایسا کر بھی سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!

یہ صرف اور صرف اسلام اور حضور ﷺ سے محبت اور غلامی کا تعلق ہے جس میں آج بھی یہ قوت ہے کہ یورپ کا باسی جو اسلام قبول کرتا ہے تو پھر ان چیزوں سے اس قدر متنفر ہو جاتا ہے کہ جس قدر پہلے ان کا رسیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یہ صرف بات نہیں اس عاجز کا تجربہ ہے اور ایسے لوگ آج بھی میرے پاس مقیم ہیں جو سویڈن اور فن لینڈ جیسے سرد ممالک کے باسی ہیں۔ جہاں شراب ہمارے ہاں کی چائے سے زیادہ پی جاتی ہے مگر آج وہ دن بھر نماز اور مختلف مسائل یاد کرتے ہیں اور ان چیزوں سے گلوخلاصی پاکر پھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ہاں! بعض باتوں کو قائم رکھا یا اُن کے اطوار کی اصلاح فرما دی جیسے طوافِ کعبہ یا منٰی و عرفات کا قیام وغیرہ یہ چیزیں یا تو سابقہ ادیان سے تھیں جنہیں دینِ اسلام میں بھی قائم رکھا اور یا اتفاقاً ایسی باتیں تھیں جو عنداللہ پسندیدہ تھیں۔ ورنہ کسی رواج کی مضبوطی سے متاثر ہو کر دین اگر رواج کو اپناتا تو شراب اور جوا حرام نہ ہوتے اور نہ جنسی تعلق کے لئے صورت معین ہو سکتی تھی۔ ہاں! یہ انقلابی کام تدریجاً کیا گیا۔

سب سے پہلے یہی ارشاد ہوا کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ بعض لوگ فائدہ بھی پاتے ہیں ان کا خواہ تھوڑا سہی مگر اک

حسین پہلو بھی ہے مگر اس میں گناہ زیادہ ہے۔ اسقدر زیادہ کہ اس کے مقابلے میں وہ نفع بھی قابلِ مذمت نظر آتا ہے کہ چند لوگ تو پیسہ کما لیں مگر قوم کی معیشت اور اخلاق تباہ ہو جائے اور قوم گمراہی کے اندھیروں میں ڈوب جائے تو یہ نفع ہرگز قابلِ التفات نہیں۔

یہ تھا پہلا حکیمانہ ارشاد جو شراب اور جوئے کے بارے نازل ہوا۔ بعض لوگ تو پہلے سے طبعًا یا عقلاً اسے پسند نہ کرتے تھے اور کچھ لوگ اس ارشاد سے متنبہ ہو کر اس کو چھوڑ گئے پھر حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ حکم ہوا: لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ۔ تو اکثر صحابہؓ نے یہ سمجھ لیا کہ جب اس حالت میں نماز جیسی عظیم عبادت سے روک دیا گیا تو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہو سکتی اور پھر جب یہ واضح طور پر ممانعت کا حکم نازل ہوا تو قطعی طور پر سب مسلمانوں نے اسے چھوڑ دیا۔

یہ آیت سورہ مائدہ میں ہے اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے جس میں ارشاد ہے:۔

یاایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔

تو مدینہ منورہ میں اس طرح شراب گرائی گئی کہ گلیوں میں جاری ہوگئی اور مدتوں کبھی بارش ہوتی تو زمین پر شراب کا رنگ نکھر آتا۔ اور فضا میں شراب کی بُو رچ جاتی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے پاس شراب ہے فلاں جگہ جمع کردی جائے۔ تو جاں نثار صحابہؓ نے فوراً جمع کردی۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور دستِ مبارک سے مشکیزوں کو چاک فرمایا اور کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں ضائع کرا دیئے گئے بلکہ ایک صحابیؓ جو شراب درآمد کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ساری جمع پونجی لے کر شام گئے ہوئے تھے اور حکم چاہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "سب مشکیزوں کو چاک کر کے شراب بہا دو!" انھوں نے بلا تأمل اپنا سارا سرمایہ زمین پر بہا دیا۔ رضی اللہ عنہم۔

اس کی حُرمت اگرچہ تدریج ہوئی مگر جب حُرمت نازل ہوئی تو پُوری شدت سے نافذ کی گئی اور حضور ﷺ نے اس سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے نچوڑنے والا، پینے والا، پلانے والا، لاکر دینے والا، جس کے لئے لائی جائے، بنانے والا، بیچنے والا، خریدنے والا، ہبہ کرنے والا اور اس کی آمدنی کھانے والا۔

اسی کے ساتھ جوئے کو بھی حرام قرار دیا۔ اسی شدت اور قوت کے ساتھ۔ اور جوئے کی تمام اقسام کو حرام قرار دیا۔

خواہ وہ اس دور میں رائج تھیں یا آج رواج پائیں اور کسی بھی نام سے ہوں۔

اس پر اجماع ہے کہ میسر میں جوئے کی تمام صورتیں داخل ہیں حتے کہ فرمایا۔ المیسر القمار حتی لعب الصبیان بالکعاب والجوز کہ ہر قسم کا قمار میسر ہے یہاں تک کہ بچوں کا کھیل، لکڑی کے گٹکوں اور اخروٹ وغیرہ سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا المخاطرۃ من القمار یعنی مخاطرہ قمار میں سے ہے۔ جس سے مراد ایسا معاملہ ہے جس میں کسی قدر نقصان کا احتمال بھی ہو اور مال کے ملنے کا بھی جیسے آجکل لاٹری کے مختلف طریقے یا معمے حل کرنے کا کاروبار وغیرہ۔

لاٹری

دراصل قمار کی تعریف یہ ہے کہ کسی مال کا مالک بنانے کے لئے ایسی شرائط رکھی جائیں جن میں وجود و عدم دونوں کا امکان برابر ہو اور نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبین مساوی ہوں اور احادیث مقدسہ میں تو شطرنج اور چوسہ وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے اور یہی حال تاش کا ہے۔ اگر ان پر روپیہ بھی لگا ہو تو پھر خالص جوا ہے، صحیح مسلم میں ہے نرد" چوسر" کھیلنے والا گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں ہاتھ رنگتا ہے اور ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا ارشاد ہے کہ شطرنج نرد سے بھی بری چیز ہے۔

مفسرین کرام نے بے شمار مالی، بدنی اور سیاسی نقصانات گنائے ہیں جن کو دہرانا یہاں ضروری خیال نہیں کیا گیا بہرحال ایک ضابطہ ارشاد ہوا ہے کہ جلب منفعت سے دفع مضرت ضروری ہے اور کسی چیز میں نفع بھی ہو مگر اس کا نقصان واضح ہو تو اسے چھوڑ دینا بہتر ہے جیسے سانپ خوبصورت تو ہے مگر اس کا زہر قاتل ہے یا جرائم بھی تو لوگ نفع کی امید میں کرتے ہیں چوری، ڈاکہ اور اغوا لیکن ایک شخص اپنے نفع کے لئے کتنے گھر اجاڑتا ہے۔ کیا ان کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے یہی حال جوئے اور شراب کے نفع کا ہے کہ ایک وقتی لذت ہمیشہ کے خسران کا سبب ہے اور ایک شخص کی آمدنی قوم کی تباہی کی ذمہ دار ہے۔

تو جیسے آمدن حلال ہونا ضروری ہے ویسے ہی اخراجات کا مناسب ہونا بھی۔ جب آپ ﷺ سے درخواست کرتے ہیں کہ کس قدر مال خرچ کریں تو فرمایئے جو اپنی ضرورت سے زائد ہو۔

یہ ایک ایسی صورت ہے کہ جس سے بعض حضرات نے یہ مفہوم لیا ہے کہ ضرورت سے زائد ہر شے خرچ کر دینی چاہیئے اور آئندہ کے لئے بچا کر کچھ نہ رکھیئے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک تھا اور بعض اہل اللہ کا بھی۔ اکثر

صحابہ کرامؓ اس کے خلاف اعتدال کی راہ اپناتے اور اللہ کی راہ میں بھی دیتے۔ ضروریات کے لئے بچا کر بھی رکھتے تھے اور یہی ان آیات کا مفہوم بھی ہے کہ اللہ تمھارے لئے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کی باتوں میں فکر کرو یعنی اپنی اخروی اور ابدی ضروریات کو بھی نگاہ میں رکھو اور دُنیا بھی عالم اسباب ہے۔ یہاں بھی زیست کا سامان کرو۔

اگر پس انداز غیر محمود ہوتا تو زکوٰۃ فرض ہی نہ ہوتی کہ وہ تو لاگو ہی پس انداز پر ہے۔ ہاں! یہ نہ ہو کہ صرف اپنے لئے پس انداز کرتا رہے اور اردگرد سے بیگانہ ہو جائے بلکہ غربا۔ کا بھی خیال رکھے اور یہ صرف اُن کی بھلائی کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کی اپنی اُخروی اور ابدی ضرورت بھی ہے۔ میانہ روی ہی مناسب ہے کہ دُنیا میں بھی آرام سے گزرے۔ اور آخرت بھی درست رہے۔

ایسے ہی آپ ﷺ سے یتیم بچوں کے ساتھ تعلق کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ صُورت یہ پیش آئی کہ اکثر یتیم بچے تو ورثاء کے ساتھ رہتے تھے۔ اور ان میں سے بعض کے پاس والدین کا چھوڑا ہوا مال بھی ہوتا تھا۔ جب مال کے بارے سخت محتاط رہنے کا حکم ہوا تو یتیم کے مال سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی۔ ارشاد ہوا۔

الذین یأکلون اموال الیتٰمیٰ ظلما انھم یأکلون فی بطونھم ناراً۔

کہ جو لوگ ظلماً یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں انگارے بھر رہے ہیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یتیموں کا مال بالکل علیحدہ کر دیا۔ اب اُن کے لئے علیحدہ کھانا پکانا یا بچ جائے تو استعمال نہ کرنا اور نہ صدقہ دینا۔ اس طرح ایک سخت مشکل صورتحال پیدا ہو سکتی تھی مگر اللہ نے آسان فرما دیا کہ مقصد یتیموں کی بھلائی ہے اگر تم اُن کا مال اپنے ساتھ شامل کر لو۔ بدیں خیال کہ ان کا نقصان نہ ہو تو وہ تمھارے ہی بھائی اور عزیز ہیں۔

ہاں! اگر کوئی بدبخت اصلاح کے پردے میں ان کا مال ہڑپ کرنا چاہے تو اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتا کہ اللہ بہتری چاہنے والے اور فسادی دونوں کو خوب جانتا ہے اور یہ قاعدہ اللہ نے تمھاری آسانی اور سہولت کو مقرر فرمایا کہ اللہ تم پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔ وہ زبردست ہے کوئی دھوکا باز اس کی گرفت سے نہ بچ سکے گا اور وہ بڑی تدبیر والا ہے حکیم ہے اگر اس کی حکمت سے چندے گرفت نہ آئے تو کیا ہوا۔

جب معاشرت اور باہمی اختلاط کا ذکر چلا تو فرمایا۔ مسلمان یتیم تو تمھارے بھائی ہیں لیکن اگر مُشرک رشتہ دار بھی ہو تو وہ تمھارا کچھ نہیں لگتا۔

مُشرک عورتوں سے اُس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں

مناکحت کے لئے ایمان شرط ہے

ان سے تو مسلمان لونڈی بہتر ہے اگرچہ مُشرک عورت اس سے خوبصورت بھی ہو۔ اسی طرح مُشرک مرد کے نکاح میں مسلمان عورت نہ دو کہ اس سے وہ غلام بدرجہا بہتر ہے جو مسلمان ہے اگرچہ شکل وصُورت میں مُشرک ہی کیوں نہ بڑھا ہوا ہو کہ اصل بات مآل کار ہے اور رشتۂ ازدواج ایک بہت مضبوط تعلق ہے مشرک کے ساتھ تعلق اگر مومن کو مُشرک نہ بنا سکا تو اس کے دِل سے شرک کی نفرت تو ضائع کر دے گا جو دوزخ کی طرف ایک قدم ہے اور یہی شے کفر و شرک میں مبتلا کرنے والی چیز ہے۔

فرمایا، اس طرح یہ مُشرک دوزخ کی طرف دعوت دینے والے ہیں اپنے اثر اور تعلق کے اعتبار سے یہ جہنم کے داعی ہیں اور اللہ تو جنّت اور اپنی بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اسی لیۓ اپنے احکام ارشاد فرماتا ہے کہ لوگ نصیحت قبول کریں۔

یہاں شرک سے اگر مطلق غیر مسلم مراد ہیں تو اہلِ کتاب ان میں داخل نہ ہوں گے کہ وہ توحید وآخرت اور کسی نہ کسی نبی کی نبوّت پر تو متفق ہیں اگرچہ حضور ﷺ کی رسالت کے منکر ہیں مگر ان کفار سے کُفر میں ہلکے ہیں جو توحید و رسالت اور آخرت کا سِرے سے انکار کیۓ بیٹھے ہیں اور پھر اہلِ کتاب کی بھی صرف عورت سے نکاح دُرست ہے مَرد سے نہیں کہ عورت فطرتاً مرد کے تابع ہوتی ہے مسلمان سے نکاح شاید اس کی اصلاح کا سبب بنتا ہے اور یہ بھی صرف نکاح درُست ہے نسب ثابت ہو جائے گا مستحسن نہیں ہے۔ حضورؐ ﷺ نے مسلمان بھی دیندار عورت تلاش کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو جب بدکار مُسلمہ سے نکاح مناسب نہیں تو اہلِ کتاب سے کیسے پسندیدہ ہوگا؛ نیز وہ بھی اس وقت جائز ہے جب اہلِ کتاب اپنے مذہب پر تو ہوں۔ فی زمانہ تو صرف مردم شماری میں عیسائی یا یہودی لکھا ہوا ہے۔ اگر تحقیق کی جائے تو نہ تو ان کا اللہ پر ایمان ہے اور نہ آخرت پر، نہ موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور نہ عیسیٰ علیہ السلام کو۔ یہی وجہ ہے کہ جب شام کے مسلمانوں میں ایسے نکاح ہوئے۔ تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بذریعہ فرمان روک دیا اور اس طرف توجّہ دلائی کہ سیاست اور دیانت دونوں طرح یہ شادیاں مسلمان خاندانوں کے لیۓ مضر ہیں۔ (کتاب الآثار کلام محمدؐ ﷺ)

اور آج کے غیر مسلم یہود و نصاریٰ جس طرح مسلمان گھروں میں داخل ہو کر ان کے راز حاصل کرنے اور انھیں ذلیل کرنے کے درپے ہیں ایک دلآزار حقیقت ہے مشرقِ وسطیٰ میں یہود و نصاریٰ کی سازشوں کے باوجود تقریباً سب بااثر افراد اور حکمران طبقے کے گھروں میں یہودی لڑکیاں مسلمان ناموں سے موجود ہیں۔

اے کاش! مسلمان کفار کے فریب کو سمجھ سکتا۔ اور ان کا حال تو یہ ہے کہ تقریبًا افریقہ کے تمام حکمرانوں پر یہودی لڑکیاں ہی قابض ہیں۔ آجکل کے ملحد اہلِ کتاب یا نام کے وہ مسلمان جو عقیدۃً کافر ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں جیسے مرزائی یا روافض کہ اول الذکر ختمِ نبوت کا انکار کر کے اگر کافر ہے تو ثانی اجرائے نبوت کے عقیدے میں اس سے کہیں آگے ہے اور اسی طرح منکرینِ حدیث، کہ انکارِ حدیث ایسا ہی کفر ہے جیسا کتاب اللہ کا انکار۔ ان سب سے نکاح حرام ہے اور اس کے جواز کی کوئی صورت کم از کم میری نظر میں نہیں۔

رکوع نمبر ۲۸ آیات ۲۲۲ تا ۲۲۸ سیقول ۲/۱۲

ويسئلونك عن المحيض قل هو اذى فاعتزلوا النساء في المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن فاذا تطهرن فاتوهن من حيث امركم الله ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين ﴿۲۲۲﴾

اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو وہ تو نجاست ہے سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو۔ اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔ ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے خدا نے تمہیں ارشاد فرمایا ہو ان کے پاس جاؤ کچھ شک نہیں کہ خدا توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے ﴿۲۲۲﴾

222. They question thee (O Muhammad) concerning menstruation. Say: It is an illness so let women alone at such times and go not in unto them till they are cleansed. And when they have purified themselves, then go in unto them as Allah hath enjoined upon you. Truly Allah loveth those who turn unto Him, and loveth those who have a care for cleanness.

نساؤكم حرث لكم فاتوا حرثكم انى شئتم وقدموا لانفسكم واتقوا الله واعلموا انكم ملقوه وبشر المؤمنين ﴿۲۲۳﴾

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔ اور اپنے لئے (نیک عمل) آگے بھیجو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ (ایک دن) تمہیں اسکے رُوبرو حاضر ہونا ہے اور (اے پیغمبر) ایمان والوں کو بشارت سنا دو ﴿۲۲۳﴾

223. Your women are a tilth for you (to cultivate) so go to your tilth as ye will, and send (good deeds) before you for your souls, and fear Allah, and know that ye will (one day) meet Him. Give glad tidings to believers, (O Muhammad).

ولا تجعلوا الله عرضة لايمانكم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس والله سميع عليم ﴿۲۲۴﴾

اور خدا (کے نام) کو اس بات کا حیلہ نہ بنانا کہ (اُسکی) قسمیں کھا کھا کر سلوک کرنے اور پرہیزگاری کرنے اور لوگوں میں صلح سازگاری کرانے سے رک جاؤ۔ اور خدا سب کچھ سنتا اور جانتا ہے ﴿۲۲۴﴾

224. And make not Allah, by your oaths, a hindrance to your being righteous and observing your duty unto Him and making peace among mankind. Allah is Hearer, Knower.

لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم ولكن يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم والله غفور حليم ﴿۲۲۵﴾

خدا تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ لیکن جو قسمیں تم قصدِ دل سے کھاؤ گے اُن پر مواخذہ کریگا اور خدا بخشنے والا بردبار ہے ﴿۲۲۵﴾

225. Allah will not take you to task for that which is unintentional in your oaths. But He will take you to task for that which your hearts have garnered. Allah is Forgiving, Clement.

للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاءو فان الله غفور رحيم ﴿۲۲۶﴾

جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے کی قسم کھا لیں ان کو چار مہینے انتظار کرنا چاہیے اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کر لیں تو خدا بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۲۶﴾

226. Those who forswear their wives must wait four months; then, if they change their mind, lo! Allah is Forgiving, Merciful.

وان عزموا الطلاق فان الله

اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیں تو بھی خدا سنتا (اور)

227. And if they decide upon divorce (let them remember that) Allah is Hearer,

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾
وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ
ثَلٰثَةَ قُرُوٓءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ
يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيٓ أَرْحَامِهِنَّ
إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ
وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
إِنْ أَرَادُوٓا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ
الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ
عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع

جانتا ہے ﴿۲۲۷﴾
اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے
رہیں اور اگر وہ خدا اور روزِ قیامت پر
ایمان رکھتی ہیں تو اُن کو جائز نہیں کہ خدا نے
جو کچھ اُن کے شکم میں پیدا کیا ہے اُس کو چھپائیں
اور اُن کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت)
میں وہ اُن کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار
ہیں اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور
کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو
عورتوں پر فضیلت ہے اور خدا غالب (اور) صاحبِ حکمت ہے ﴿۲۲۸﴾

Knower.

228. Women who are divorced shall wait, keeping themselves apart, three (monthly) courses. And it is not lawful for them that they should conceal that which Allah hath created in their wombs if they are believers in Allah and the Last Day. And their husbands would do better to take them back in that case if they desire a reconciliation. And they (women) have rights similar to those (of men) over them in kindness, and men are a degree above them. Allah is Mighty, Wise.

اسرار و معارف

صُحبت کے احکام

اور جب رشتۂ ازدواج یا نکاح کا ذکر ہو تو یقیناً سوال عورت سے قربت کا بھی پیدا ہوگا اور اس میں عورت کی حالت کو بھی دخل ہے کہ حالتِ حیض میں صحبت کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو فرما دیجئے کہ حیض گندگی کی چیز ہے اس حالت میں عورت کے ساتھ صحبت نہ کرو تا آنکہ وہ پاک ہو جائیں تو اُس جگہ سے صحبت کرو جس جگہ سے اللہ نے صحبت کرنے کی اجازت دی ہے یعنی آگے کی جگہ سے۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے یعنی غلبۂ شہوت سے ناپاکی میں صحبت کے مرتکب ہوئے ہو تو خوب توبہ کرو اور اللہ سے بخشش چاہو اور ہو سکے تو صدقہ بھی کرو کہ توبہ کی بہترین صورت ہے۔ اللہ پاک صاف رہنے والوں سے جو منہیات سے بچتے ہیں اور اللہ کی اطاعت میں کوشاں رہتے ہیں محبت کرتا ہے اور انہیں محبوب رکھتا ہے۔

بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں اور اس اختلاط سے مراد محض شہوت رانی نہیں بلکہ اس پر بقائے نسل کا مدار ہے۔ سو اپنے کھیت میں جس طرح چاہو کرو۔ جس ہیئت سے چاہو کرو۔ مگر صحبت کا موقع وہی ہے جہاں سے نسل چل سکے جو واقعی کھیتی کہلا سکے کہ حیض کی حالت میں بھی نطفہ نہیں ٹھہرتا اور گندگی بھی ہے اگر دُبر میں وطی کی جائے تو بھی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ سو محض لذات

میں مشغول ہونا بھی تو مقصد نہیں۔ بلکہ اس سے مقصدِ اصلی تو اصلاح معاشرت ہے اور آئندہ کی زندگی یا آخرت کے لئے اعمالِ صالح کا کرنا۔

ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ یعنی نکاح کے بعد یہ نہ جانو کہ عورت تو قابو میں آہی گئی ہے لذت اٹھائیں بلکہ وہ بھی انسان ہیں ان کے تم پر حقوق ہیں۔ پھر نکاح سے مراد جہاں جنسی جذبے کی تسکین ہے وہاں بقائے نسل مراد ہے اختلاطِ جنسی میں بھی حدودِ الٰہی کی نگہداشت ضروری ہے۔ یہ بات یاد رکھو کہ تمہیں اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے اور اے میرے محبوبؐ! میری عظمت پہ یقین رکھنے والوں کو بشارت دیجئے اور جو لوگ جذبات کو حدودِ الٰہی سے تجاوز نہیں کرنے دیتے انہیں اللہ کے انعامات کی نوید سنا دیجئے۔

اللہ کے نام کو اور اس کی قسم کو حسنِ معاشرت میں آڑ نہ بناؤ۔ مبادا یہ کہہ دو کہ میں ضرور یہ بھلائی کرتا لیکن مجبور ہوں کہ غصے میں یا ناراض ہو کر قسم کھائی تھی کہ یہ کام نہ کروں گا۔ اگر کام نیک ہے حسنِ سلوک یا بھلائی کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا معاملہ ہے تو ضرور کرو کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے اپنی زبان کو سنبھال کر رکھو بلکہ قلب و ذہن کو بھی میلا نہ ہونے دو، اچھا سوچو، اچھا بولو اور اچھا عمل کرو۔

گناہ پر قسم کھانے سے پرہیز

اگر بلا قصور تم جھوٹ بول چکے ہو یا جھوٹ پر اس طرح قسم کھا بیٹھے کہ تم اسے سچ جانتے تھے مگر تھا جھوٹ، تو اللہ کی رحمت اور بخشش ہے کہ اس پر گرفت نہ فرمائے گا اور یہ معاف کر دی جائے گی لیکن جن امور میں تم نے دل میں ٹھان لی کہ گو یہ بات غلط ہے مگر میں قسم کھا کر اسے سچ ثابت کروں گا۔ تو اللہ کی گرفت بڑی سخت ہے اور وہ تمہیں پکڑے گا یہ اس کا حلم ہے کہ چندے مہلت بخش دے۔

تو مشو مغرور بر حلمِ خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

اسی امر میں مرد و زن کے تعلقات میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھے کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا تو اس کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے اگر وہ اس میں پھر مل بیٹھیں تو درست کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور اگر علیحدہ ہی ہو جانے کا ارادہ ہے تو بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے اسے ایلاء کہتے ہیں۔ جس کی چار صورتیں ممکن ہیں کہ کوئی مدت معین نہ کرے اور قسم کھائے کہ بیوی سے صحبت نہ کروں گا یا چار ماہ کی مدت مقرر کرے یا پھر چار ماہ سے زائد مقرر کرے اور چوتھی یہ کہ چار ماہ سے

کم مدت مقرر کرے۔ تو پہلی تین صورتوں میں اگر چار ماہ سے پہلے قسم توڑ دے اور بیوی سے صحبت کرلے تو قسم کا کفارہ دے، نکاح باقی ہے اور درست ہے۔ اور چار ماہ گزر گئے تو عورت پر طلاق قطعی واجب ہو گی یعنی بلا نکاح رجوع نہیں کر سکتا۔ چوتھی صورت میں اگر قسم توڑ دی تو کفارہ دے گا اور اگر پوری کرلی تو بھی چونکہ چار ماہ سے کم ہے نکاح باقی ہے (بیان القرآن)

اگر عورت کو طلاق ہو جائے تو اُسے اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھنا ہو گا یعنی وہ عورت جس سے خلوتِ صحیحہ ہوئی ہو، اور اس کو حیض آتا ہو، آزاد ہو، لونڈی نہ ہو۔ اگر اسے طلاق ہو جائے تو پھر وہ تین حیض تک نکاح نہیں کر سکتی۔ نیز بحیثیت ایماندار ہونے کے اسے یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ جو کچھ اس کے رحم میں اللہ نے پیدا کیا ہے حمل ہو یا حیض کو چھپالے اور اگر طلاق رجعی ہو جس کا بیان آئندہ آرہا ہے تو شوہر بلا تجدید نکاح لوٹا لینے کا حق رکھتا ہے۔ بشرطیکہ رجعت سے مراد اصلاح ہو، ورنہ محض تنگ کرنے کے لئے مناسب نہیں، اگرچہ رجعت تو ہو ہی جائے گی۔ اور جس طرح مردوں کا عورتوں پر حق ہے ایسا ہی حق عورت کا مرد پر بھی ہے۔ ہاں! مرد کو ایک گونہ فضیلت عورت پر ہے کہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے عورت مرد کی پناہ میں ہی عافیت جانتی ہے اور حقیقی غلبہ تو اللہ کا ہے جس کے سامنے مرد و عورت سب جوابدہ ہیں اور جس نے اپنی حکمت سے یہ نظام پیدا فرمایا ہے۔

عورت اور اسلام

معاشرہ ایک مرد اور عورت سے شروع ہو کر خاندان، قبائل اور ملک کی صورت اختیار کرتا ہے۔ حسنِ معاشرت کے لئے دینِ برحق نے معاشرے کی بُنیاد ہی سے اصلاح کا کام بھی شروع فرمایا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے صحیح مقام کا تعین کیا ہے۔ دونوں کے حقوق و فرائض متعین فرمادیئے ہیں اور مساوات اس شئے کو قرار دیا ہے کہ ہر کوئی اپنی جگہ اپنا فرض بھی ادا کرے اور اپنا حق بھی پالے۔ رہا معاملہ آخرت کا، تو اس کا مدار تقویٰ پر ہے۔ ایسی عورتیں بھی یقیناً ہوں گی جو آخرت میں لاکھوں مردوں پر فضیلت رکھتی ہوں گی۔

قبل از اسلام عورت کو ایک گھریلو استعمال کی شے سمجھا جاتا تھا اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور وہ مرنے والے کے مال کے ساتھ وراثت میں تقسیم ہوا کرتی تھی اور یورپ میں تو عورت کو انسان تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ جبکہ ہندوستان میں مرنے والے کے ساتھ بیوی کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ ۵۸۶ء میں بڑی رد و کد کے بعد فرانس میں یہ طے ہوا کہ عورت انسان تو ہے مگر یہ صرف مرد کی خادم ہے اور بس۔ تب یہ تھا اور اب یہ ہے کہ عورت کو مرد پر مسلط کرنے کے جتن ہو رہے ہیں اور مساوات کے نام پر عدمِ مساوات کے لئے تحریکیں چلائی جا رہی ہیں اور ایک بے لگام آزادی دے کر پورے معاشرے کو تباہی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

یہ صرف اسلام ہے جس نے عورت کی عظمت بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے تسلیم کروائی۔ جہاں اس کے

فرائض متعین ہیں وہاں پہلے اس کے حقوق کی بات کی اور تعمیرِ معاشرت میں اس کا بھرپور کردار رکھا۔ اسے وراثت میں حصّہ دار قرار دیا۔ اسے اختیار بخشا کہ بالغ عورت کو کسی سے نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ منظور نہ کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ اسی طرح شوہر کی وفات یا طلاق دینے کی صورت میں وہ خود مختار ہے اُس پر جبر کرنا درست نہیں۔ نیز شوہر کے لئے عورت کو راضی رکھنا اور اس پر خرچ کرنا عبادت قرار دیا۔ اگر شوہر حقوقِ واجبہ ادا نہ کرے تو عورت کو حق دیا کہ اسے اسلامی عدالت کے ذریعے ادائے حقوق پر ورنہ طلاق پر مجبور کرے۔

جہاں اس طرح حقوق دیئے وہاں عورت کو بے مہار نہیں چھوڑا۔ اسے مردوں کی نگرانی سے آزاد نہیں چھوڑا کہ بجائے خاندان کی تعمیر کے اور اولاد کی تربیت جیسے عظیم الشان کام کے وہ اپنے گزارے اور معاش کے لئے دفتروں میں دھکے کھائے اور ایک کھلونے کی حیثیت سے لوگ اُس سے آنکھیں سینکیں۔ یہ بھی اس کی حق تلفی اور بربادی ہے۔ نہ صرف عورت کی بربادی بلکہ پورے معاشرے کی تباہی کا باعث ہے۔

اللہ نے سب کے حقوق مقرر فرما کر انہیں احسن طریقے سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور مرد کی فضیلت ارشاد فرما کر گویا اشارہ فرما دیا ہے کہ عورت مرد سے کمزور ہے۔ اگر اس سے کوتاہی بھی ہو تو مرد کا کام برداشت کرنا اور اصلاح کی صورت پیدا کرنا ہے نیز سارا فساد اس وقت شروع ہوتا ہے جب لوگ حقوق تو مانگتے ہیں فرائض ادا نہیں کرتے۔ تو حُسنِ معاشرت یہ ہے کہ دُوسرے کا حق ادا کرے اور اپنے مطالبات میں عالی ہمتی سے کام لے۔ یہ اصُول گھر سے لے کر حکومت تک مؤثر ہے۔ اور قیامِ امن کا ضامن۔

رکوع نمبر ۲۹ آیات ۲۳۰ تا ۲۳۱ سیقول ۲/۱۳

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ
اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا
اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ
بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا
وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

طلاق (رجعی) دو ہی بار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دیدی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ خدا کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ خدا کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا۔ اور جو لوگ خدا کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے

229. Divorce must be pronounced twice and then (a woman) must be retained in honour or released in kindness. And it is not lawful for you that ye take from women aught of that which ye have given them; except (in the case) when both fear that they may not be able to keep within the limits (imposed by) Allah. And if ye fear that they may not be able to keep the limits of Allah, in that case it is no sin for either of them if the woman ransom herself. These are the limits (imposed by)

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ
طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ
يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا
حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ
اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا
تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّ
اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ
اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ
يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٣١﴾

وہ گنہگار ہوں گے ﴿٢٢٩﴾
پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دیدے
تو اسکے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اس (پہلے
شوہر) پر حلال نہ ہوگی۔ ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دیدے اور عورت
اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں تو ان پر کچھ گناہ
نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ خدا کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے
اور یہ خدا کی حدیں ہیں انکو وہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے
جو دانش رکھتے ہیں ﴿٢٣٠﴾
اور جب تم عورتوں کو (دو دفعہ) طلاق دے چکو اور انکی
عدت پوری ہو جائے تو انہیں یا تو حسن سلوک سے
نکاح میں رہنے دو یا بطریق شائستہ رخصت کردو اور
اس نیت سے انکو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیئے کہ انہیں
تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو۔ اور جو ایسا کریگا وہ اپنا
ہی نقصان کریگا اور خدا کے احکام کو ہنسی (اور کھیل)
نہ بناؤ اور خدا نے تم کو جو نعمتیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب
اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں جن سے وہ تمہیں نصیحت
فرماتا ہے ان کو یاد کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو
کہ خدا ہر چیز سے واقف ہے ﴿٢٣١﴾

Allah. Transgress them not. For whoso transgresseth Allah's limits, such are wrong-doers.

230. And if he hath divorced her (the third time), then she is not lawful unto him thereafter until she hath wedded another husband. Then if he (the other husband) divorce her it is no sin for both of them that they come together again if they consider that they are able to observe the limits of Allah. These are the limits of Allah. He manifesteth them for people who have knowledge.

231. When ye have divorced women, and they have reached their term, then retain them in kindness or release them in kindness. Retain them not to their hurt so that ye transgress (the limits). He who doth that hath wronged his soul. Make not the revelations of Allah a laughing-stock (by your behaviour), but remember Allah's grace upon you and that which He hath revealed unto you of the Scripture and of wisdom, whereby He doth exhort you. Observe your duty to Allah and know that Allah is Aware of all things.

اسرار و معارف

ایسے ہی اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے علیحدہ ہی ہونا چاہے یا کوئی ایسی صورت واقع ہو کہ آئندہ مل کر رہنا نقصان دہ ہو یا زوجین کے مزاج نہ مل سکیں تو علیحدگی کی بھی ایک خاص صُورت ہے جیسے معاہدۂ نکاح کی ایک معیّن اور خاص صُورت ہے کہ ہر عورت کا ہر مَرد سے نکاح جائز نہیں بلکہ ایک خاص ضابطہ ہے جس کی رُو سے متعدد عورتوں اور مردوں کا آپس میں نکاح درُست نہیں اور انعقادِ نکاح کے لئے دو گواہ موجود ہونا شرط ہے اگر گواہوں کے بغیر مرد اور عورت آپس میں نکاح کرلیں اور پھر زندگی بھر اس سے کوئی فریق بھی انکار نہ کرے تب بھی یہ نکاح باطل ہوگا اور منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح نکاح کا اعلانِ عام بھی مسنون ہے اور ائمۂ فقہ

کے نزدیک تو نکاح ایک معاہدہ ہے اور اس سے زیادہ عبادت کی حیثیت رکھتا ہے اور قرآن و سنت اس پر گواہ ہیں۔

جس طرح اس معاہدہ کے منعقد ہونے کی ایک امتیازی صورت ہے ایسے ہی اگر کسی وجہ سے اسے ختم کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے بھی ایک خاص قانون ہے جو اس آیہ کریمہ میں بیان ہوا ہے کہ نکاح ختم کرنے کی صورت میں صرف فریقین متاثر نہیں ہوتے بلکہ اولاد کی تباہی کا امکان ہوتا ہے اور بعض اوقات خاندان اور قبیلے کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں یا نوبت لڑائی تک پہنچتی ہے غرض پورا معاشرہ اس سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح عمر بھر کے لئے ہو اور اسے ختم کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اسی لئے اختلافات پیدا ہونے کی صورت میں افہام و تفہیم کا حکم دیا اور فرمایا کہ دونوں خاندانوں سے ثالث بنائے جائیں تاکہ معاملہ نہ تو دو افراد تک محدود رہے اور نہ خاندان سے باہر لوگ سنیں۔ لیکن پھر بھی کبھی یہ سب کوششیں بارآور ثابت نہیں ہوتیں اور طرفین کا اکٹھا رہنا مزید تلخی یا فساد کا سبب بن سکتا ہے۔ تو اس کے لئے نکاح کو ختم کرنے کا بھی ایک سلیقہ ہے مذاہب باطلہ کی طرح نہیں کہ کبھی رشتۂ ازدواج ٹوٹ ہی نہ سکے بلکہ طلاق اور فسخ کا قانون ہے۔

طلاق کا حق مرد کو دیا گیا ہے کہ عادتاً تحمل اور بردباری کا مادہ اس میں زیادہ ہے۔ نیز فکر و تدبر میں بھی عورت سے بڑھا ہوا ہے اور عورت چونکہ وقتی اثرات زیادہ قبول کرتی ہے لہٰذا اس کی جلدبازی طلاق کو ایک کھیل نہ بنا دے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی نہیں کہ عورت مجبور ہو اور ہمیشہ مرد کے جور و ستم کا شکار رہے بلکہ اُسے بھی حق دیا کہ شرعی عدالت میں شکایت کر کے اور ثبوت مہیا کر کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور مرد کو اختیار تو آزادانہ بخشا مگر ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ابغض الحلال عند اللہ الطلاق او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ طلاق دینا اگرچہ حلال ہے مگر اللہ کے نزدیک بہت ہی ناپسندیدہ۔ اس لئے محض غصے سے مغلوب ہو کر یا وقتی اور ہنگامی جذبات کے تحت یہ حق استعمال نہ کیا جائے اسی طرح حالت حیض میں نہ دے یا جس طرح طہر میں ہمبستری ہو چکی ہو اس میں بھی طلاق دینا مناسب نہیں کہ اس طرح عورت کی عدت طویل ہو کر اس کے لئے مصیبت ثابت ہوگی۔ نیز معاہدۂ نکاح دوسرے معاہدوں کی طرح فوراً ختم نہیں ہو جاتا کہ بات ہوئی اور فریقین فوراً آزاد۔ بلکہ اس کو ختم کرنے کے لئے اول تو تین درجے تین طلاقوں کی صورت میں ہیں پھر عدت کی پابندی کہ اس کے پورا ہونے تک عورت بھی دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور مرد پر بھی بعض حقوق باقی رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر ایک یا دو طلاق دی گئی ہوں تو نکاح فوراً نہیں ٹوٹ جاتا بلکہ عدت پوری ہونے تک باقی ہے۔ اگر دوران عدت رجوع ہو جائے تو نکاح سابق ہی درست تسلیم ہوگا اور یہ حق بھی ایک یا دو طلاق تک رکھا گیا ہے۔ اگر کوئی تیسری

طلاق بھی دے دے تو اسے رجوع کا اختیار ہی نہیں رہتا۔ بلکہ دوبارہ آپس میں نکاح بھی کرنا چاہیں تو جب تک عورت بعد عدت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور پھر وہ اُسے چھوڑ دے یا مَر جائے تو اس کی عدت بھی گزارے اس کے بعد اختیار ہے کہ شوہر سابق سے نکاح کر سکتی ہے۔

ان آیات میں اسی قاعدے اور ضابطے کا ذکر ہے کہ الطلاق مرتٰن کہ طلاق دو ہی مرتبہ ہے اور پھر ان دو سے نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ عدت پوری ہونے تک مرد کو اختیار ہے کہ اپنے نکاح میں روک لے یا پھر مدت پوری ہونے پر نکاح خود بخود ختم ہو جائے یہی مراد ہے۔ فامساك بمعروف او تسریح باحسان سے کہ اگر حُسنِ اخلاق اور خوش معاملگی سے رجُوع ہو سکے تو بہتر صورت یہ ہے ورنہ اچھے طریقے سے اور ایک دُوسرے کی عزّتِ نفس بحال رکھتے ہوئے معاملے کو ختم ہو جانے دے جو عدت کی تکمیل سے خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اور یہ نہ کرے کہ نہ عورت کو آباد کرے اور نہ طلاق دے، بلکہ تنگ کرے اور اس سے مال کا مطالبہ کرے۔ بلکہ فرمایا جو تم انھیں دے چکے ہو مہر یا مختلف چیزوں کی صُورت میں۔ اس کا واپس لینا بھی حلال نہیں کہ طلاق ویسے ہی تلخی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور اس پر یہ مطالبہ مزید خرابی پیدا کرے گا۔

ہاں! ایک صورت استثناء کی اس میں بھی ہے اور وہ یہ کہ عورت بھی سمجھتی ہو کہ وہ مرد کے حقوق ادا نہ کر پائے گی اور اس طرح احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہو گی اور مرد بھی یہ جانے کہ احسن طریقے سے نباہ نہیں ہو سکتا تو اس صُورت میں جائز ہے کہ مہر کی واپسی یا معافی کے بدلے طلاق دے دے اور یہ سب امُورِ محض دنیا نہیں ہیں اور نہ صرف تکمیل جذبات کے ذرائع۔ بلکہ یہ حدود اللہ یعنی اللہ کے مقرر کردہ قاعدے ہیں اور ان کی پابندی عبادتِ الٰہی ہے اور ان سے تجاوز سخت نامناسب بلکہ ان حدود کو توڑنے والوں کو ظالم فرمایا ہے کہ یہ سخت زیادتی کرنے والے ہیں۔

اگر کوئی شخص عورت کو تیسری طلاق بھی دے دے تو پھر وہ عورت اُس کیلئے اسوقت تک حلال نہ ہو گی جب تک وہ عدت پوری کر کے کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ پھر اس کا حقِ زوجیت ادا کرے اور پھر وہ اسے طلاق دے دے یا مَر جائے تو اس کی عدت بھی پوری کرے۔ بعد ازاں اگر وہ دونوں یہ سمجھیں کہ وہ حدود اللہ کی حفاظت کر سکیں گے یعنی باہم شرعی طور پر گزارہ کر سکیں گے تو آپس میں نکاح کر کے مل جائیں۔ بہرحال یہ ملنا، بچھڑنا حدُودِ الٰہی کے اندر ہو۔ یہ قواعد و ضوابط اللہ کریم نے ارشاد فرمائے ہیں اور اہلِ علم کے لئے تو زندگی کی بہترین راہیں ہیں۔

قرآن کریم، حدیث اور تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے طلاق کے بارے میں جو ثابت ہے وہ یہی ہے کہ جب طلاق کے سوا

کوئی چارہ نہ رہے تو حالتِ طُہر میں ایک طلاق دے دے اور بس عدت پوری ہونے پر نکاح ختم ہو جائے گا لیکن اگر دو بھی دے دے جو الگ الگ طُہروں میں ہوں کہ مَرّتان سے یہی مستفاد ہے ورنہ الطلاق طلاقان فرما دیا جاتا۔ اور وہ دو طلاقوں سے بھی بات وُہی رہے گی۔ کہ رجُوع نہ کرے تو عدت پُوری ہونے پر نکاح ختم ہو جائے گا اگر پھر آپس میں نکاح کرنا چاہیں تو نکاح درست ہو گا لیکن اگر تیسری طلاق بھی دے دی تو پھر وہی صورت ہے کہ عورت کسی اور سے نکاح کرے پھر وہ مرضی سے چھوڑ دے یا مَر جائے تو اس کی عدت پوری کرے تب اگر چاہیں تو آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ بیک وقت تین طلاق دے دینا دُرست نہیں اور منشاءِ شریعت کے خلاف ہے اس لئے سخت گناہ ہے مگر گناہ ہونا اس کے اثر کو نہیں روکتا طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسے ظُلماً قتل کرنا یا کسی کا مال لُوٹ لینا سخت گناہ ہے۔ مگر مرنے والا تو مر جاتا ہے یا مال تو لُٹ جاتا ہے۔

عہدِ نبوی ﷺ میں ایسے واقعات ہوئے جو احادیث میں مذکور ہیں تو حضورﷺ نے باوجود ناپسند فرمانے کے طلاق نافذ فرما دی۔ اس موضوع پر مستقل کُتب دستیاب ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عہدِ نبویؐ اور صدیقی میں بیک وقت تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ تو درست نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور لفظ "البتتہ" استعمال کیا۔ جو عرب میں عرفاً تین طلاقوں کے لئے بولا جاتا تھا مگر تین کا مفہوم نہ تھا۔ انھوں نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ میری مراد ایک طلاق تھی اور ایک ہی کا قصد تھا۔ بعض کُتبِ حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے تین طلاق دی تھیں۔ مگر ابو داؤد نے اسی کو ترجیح دی کہ انھوں نے البتتہ کے ساتھ طلاق دی تھی تو چونکہ یہ لفظ تین طلاق کے لئے معروف تھا اس لئے راوی نے تین طلاق سے تعبیر کر دیا۔ بہر حال اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے ان سے حلف لیا جس میں انھوں نے بیان کیا کہ میری نیت تین طلاق دینے کی نہ تھی۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق کے صریح الفاظ نہ تھے۔ ورنہ پھر نیت ہونے نہ ہونے کا کیا سوال۔ حضورﷺ نے ایک طلاق قرار دی۔ لہٰذا یہ قاعدہ بن گیا کہ اگر نیت ایک کی ہو مگر لفظ ایسے کہہ دے کہ تین کا احتمال ہو یا نادانی سے ایک ہی کو موکد کرتا رہے تو اس کا حلف دینا ہو گا کہ مَیں نے ایک ہی طلاق دی ہے تب ایک تصوّر ہو گی۔

عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہم کے ابتدائی دو سال تو یہی طریقہ رہا مگر جب اسلام دُور دُور تک پھیلا نئے نئے لوگ داخل ہوئے تو دیانت و امانت کا وہ معیار جو صحبتِ نبوی ﷺ سے حاصل ہوا تھا نہ رہا اور بمطابق حدیث شریف

آئندہ گھٹنے کی اُمید بھی تھی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دُور بین نگاہ نے دیکھا کہ یہ تو ایک کھیل بن جائے گا اور لوگ شریعت کی دی ہوئی اس سہولت کو بے جا استعمال کرنے لگ جائیں گے تو آپ نے باتفاق صحابہ رضی اللہ عنہم یہ قانون بنا دیا کہ اگر کوئی شخص تین طلاق دے گا تو وہ تین ہی تصوّر ہوں گی اور یہ عذر قبول نہ کیا جائے گا کہ نیّت ایک کی تھی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مزاج شناس رسُول ﷺ تھے۔ ان کا اجماع دلیلِ شرعی ہے۔ یہ اعتراض نہایت بودا ہے کہ حضور ﷺ نے تین کو ایک قرار دیا اور حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بدل دیا۔ سب صحابہؓ اُن سے کیسے متفق ہو گئے؟ یہ حضرات تو پیغامِ نبوی ﷺ کو کائنات کی وسعتوں میں پہنچانے والے اور دینِ اسلام کو نافذ کرنے والے تھے انھوں نے حضور ﷺ کی دی ہوئی سہولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے روکا تھا جو دُرست تھا اور دُرست ہے۔ نیز یہ ایک فقہی مسئلہ ہے یہاں اس کا احاطہ مقصود نہیں۔ اس کے لِئے شروح، حدیث اور کُتب فقہ کی طرف رجُوع کریں۔

جب مطلقہ رجعی عورتوں کی عدّت قریب الختم ہو تو شوہر کو اختیار ہے کہ رجعت کرے یا نکاح کو ختم ہو جانے دے۔ مگر دونوں امُور کے لِئے بالمعروف کا لفظ آیا ہے۔ کہ شرعی قاعدے کے مطابق کرے اور احسن طور پر انجام دے یعنی اگر رجعت کا ارادہ کرے تو غصہ اور ناراضگی دل سے دُور کرے، آئندہ بہتر طریقے پر رہنے کا ارادہ کرے نہ یہ کہ محض عورت کو ستانے کے لِئے رجعت کرے نیز سورۃ طلاق میں حکم ہے کہ رجعت پر بھی دو معتبر گواہ بنائے کہ کل عورت یا مرد دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو رجعت کا دعویٰ کر سکے۔ اور نہ یہ کہ رجعت نہیں تھی بلکہ اس پر دو گواہ ہوں جو اصل صورتِ واقع بیان کر سکیں کہ پھر جھگڑا پیدا نہ ہو اگر چھوڑنا ہی مقصُود ہو تو اچھے طریقے سے کہ جیسے ارشاد ہے کہ ان سے دی ہوئی چیزیں یا مہر یا کچھ اور معاوضہ طلب نہ کرے اور اُلٹا اسے کچھ دے کر رخصت کرے کہ اس کے کچھ حقوق ہیں۔

اگر خلوت ہو چکی اور مہر ادا نہیں کیا تو ادا کرے۔ اگر خلوت نہیں ہوئی تو آدھا مہر دے۔ عدّت ختم ہونے تک گھر میں رہنے دے اس کا خرچ برداشت کرے اور وقتِ رخصت بھی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ تحفتاً ہی سہی دے کر رخصت کرے کہ عورت بھی ذلیل و رُسوا نہ ہو اور یہ معاملہ دو خاندانوں میں دشمنی کا سبب نہ بن جائے۔ اگر اس کے خلاف کیا تو اُس نے نہ صرف عورت کو تنگ کیا بلکہ اپنے آپ پر زیادتی کی کہ اس کے غلط طریقے سے جس قدر فساد پھیلے گا جتنے دل دُکھیں گے۔ سب کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ اللہ اور اس کے رسُول ﷺ کی ناراضگی اس سے سوا اور ابدی زندگی میں کسقدر خسارہ ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ اللہ کے قوانین کو مذاق نہ سمجھ لو۔

لا تتخذوا آیات اللہ ھزوا۔ اسے بچوں کا کھیل نہ بناؤ یا عہدِ جاہلیت کی طرح کہ بعض لوگ طلاق دے کر یا غلام کو آزاد کر کے مکر جاتے تھے کہ میں نے تو صرف مذاقاً کہا تھا نیت نہ تھی۔ اللہ نے قانون بنا دیا کہ اِن امُور میں مذاق نہیں اگر کسی نے واقعی مذاقاً ہی کہہ دیا تو منعقد ہو جائے گا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا ہنسی مذاق میں کرنا اور واقعی کرنا برابر ہے ایک طلاق دُوسرے عتاق تیسرے نکاح۔ اگر مرد عورت گواہوں کے سامنے ہنسی مذاق میں بھی ایجاب و قبول کریں گے تو نکاح ہو جائے گا۔ یہی حال رجعت اور طلاق کا ہے یا غلام کو ہنسی میں کہہ دیا کہ تو آزاد ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

پھر اس تمام امر کو دوسری طرح ارشاد فرمایا کہ اللہ کے انعامات کو یاد کرو اور اس کے احسانات کا شمار تو کرو کہ اُس نے تم کو اپنے کلام کے شرف سے نوازا۔ تمھیں کتاب عطا فرمائی۔ حکمت و دانائی کی باتیں جو اللہ کے رسُول ﷺ تم تک پہنچاتے ہیں کیا اس سب انعام کا یہ جواب مناسب ہے کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے اور اسے مذاق بنایا جائے ہرگز نہیں! ہر آن اس سے ڈرتے رہو اور خوب سمجھ لو کہ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہ اعمال و کردار کو بھی دیکھ رہا ہے اور افکار و ارادہ بھی اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں، وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے انعامات کی قدر کن دلوں میں ہے اور کون ایسے ہیں جنہوں نے پرواہ نہیں کی۔ تمام کام اس طرح انجام دو کہ مآلِ کار تمھیں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

رکوع نمبر ۳۰ آیات ۲۳۲ تا ۲۳۵ سیقول ۲/۱۴

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ
اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ
يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا
بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ
بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ
وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾
وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ
حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ
يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو اُن کو دوسرے شوہروں کے ساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس (حکم) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں خدا اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لئے نہایت خوب اور بہت پاکیزگی کی بات ہے۔ اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۳۲)

اور مائیں اپنے بچّوں کو پورے دو سال دُودھ پلائیں یہ (حکم) اُس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دُودھ پلوانا چاہے اور دُودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور

232. And when ye have divorced women and they reach their term, place not difficulties in the way of their marrying their husbands if it is agreed between them in kindness. This is an admonition for him among you who believeth in Allah and the Last Day. That is more virtuous for you, and cleaner. Allah knoweth: ye know not.

233. Mothers shall suckle their children for two whole years; (that is) for those who wish to complete the suckling. The duty of feeding and clothing nursing mothers in a

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ
وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ
بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ
فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا
وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ
أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوٓا أَوْلَادَكُمْ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ
مَّآ ءَاتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا
اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾
وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَ
يَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ
بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا
فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِىٓ أَنفُسِهِنَّ
بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم
بِهِۦ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ
فِىٓ أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ
سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا
تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَن تَقُولُوا
قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا
عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَٰبُ
أَجَلَهُۥ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ
مَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَ
اعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا کسی شخص
کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی (تو
یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان
پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے
نقصان پہنچایا جائے اور اسی طرح (نان نفقہ) بچے
کے وارث کے ذمے ہے۔ اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ)
آپس کی رضامندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں
تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا
چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دودھ پلانے والیوں کو
دستور کے مطابق ان کا حق جو تم نے دینا کیا تھا دے دو اور خدا سے
ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے (۲۳۳)
اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو
عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں
اور جب (یہ) عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں
پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ
گناہ نہیں۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے
واقف ہے (۲۳۴)
اگر تم کنائے کی باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام
بھیجو یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو
تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ خدا کو معلوم ہے کہ تم ان سے
(نکاح کا) ذکر کرو گے۔ مگر (ایام عدت میں) اس کے سوا
کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو پوشیدہ طور پر
ان سے قول و قرار نہ کرنا اور جب تک عدت پوری
نہ ہو لے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا اور جان رکھو کہ
جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا کو سب معلوم ہے
تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا بخشنے
والا اور حلم والا ہے (۲۳۵)

seemly manner is upon the father of the child. No one should be charged beyond his capacity. A mother should not be made to suffer because of her child, nor should he to whom the child is born (be made to suffer) because of his child. And on the (father's) heir is incumbent the like of that (which was incumbent on the father). If they desire to wean the child by mutual consent and (after) consultation, it is no sin for them; and if ye wish to give your children out to nurse, it is no sin for you, provided that ye pay what is due from you in kindness. Observe your duty to Allah, and know that Allah is Seer of what ye do.

234. Such of you as die and leave behind them wives, they (the wives) shall wait, keeping themselves apart, four months and ten days. And when they reach the term (prescribed for them) then there is no sin for you in aught that they may do with themselves in decency. Allah is informed of what ye do.

235. There is no sin for you in that which ye proclaim or hide in your minds concerning your troth with women. Allah knoweth that ye will remember them. But plight not your troth with women except by uttering a recognised form of words. And do not consummate the marriage until (the term) prescribed is run. Know that Allah knoweth what is in your minds, so beware of Him; and know that Allah is Forgiving, Clement.

اسرار و معارف

واذ طلقتم النسآء .... ان اللہ غفور حلیم

مطلقہ عورتوں کے ساتھ بعد از طلاق کیا سلوک کیا جائے ؟ تو ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو عورت طلاق ہو جانے کے بعد اسقدر مجبور و بیکس ہوتی ہے کہ اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دی جائے اور نہ اُس کے ساتھ کوئی ایسی نحوست وابستہ ہوتی ہے ، جسے اہلِ خاندان بوجھ خیال کریں بلکہ وہ بحیثیت انسان وہی پہلے والا انسان ہے اس کی اپنی عزتِ نفس ہے اگر کسی سے مزاج نہ مل سکا اور طلاق ہو گئی تو صرف اس وجہ سے اس کی عزّتِ نفس ضائع نہیں ہو جاتی۔ بلکہ بعد از طلاق جب عدت پوری کر چکے تو نہ پہلے شوہر کو حق ہے کہ اُسے نکاحِ ثانی سے روکے اور نہ ورثاء کو۔

اگر پہلے ہی شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا ہے تو ورثاء محض ناراضگی کی وجہ سے درمیان میں رکاوٹ نہ بنیں۔ ہاں ! دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ایک تو دونوں کی باہمی رضامندی اور دوسرے شرعی جواز۔

اذا تراضوا بینھم بالمعروف ۔ بالمعروف سے یہی مراد ہے کہ کسی فریق پر زبردستی نہ کی جائے نہ مجبور کیا جائے اور نہ عورت پر کوئی دباؤ ڈالا جائے۔ وہ اپنی رضا و رغبت سے آمادہ ہوں پھر ان کی رضامندی کا شرعی طور پر جائز ہونا بھی ضروری ہے مثلاً پہلے خاوند سے ہی اگر نکاح کرنا چاہے تو طلاق رجعی ہوئی ہو۔ ورنہ تین طلاقوں کے بعد وہ آپس میں نکاح نہیں کر سکتے یا کسی دوسرے مرد کے ساتھ اگر راضی ہو تو شرعی قاعدے کے مطابق مثلاً جیسا آج یورپ کا رواج ہے کہ اگر کوئی بغیر نکاح ہی رہنا چاہے کہ نکاح تو پہلے کر کے دیکھ لیا اب ایسے ہی مل کر رہیں گے جب تک طبیعت نے چاہا مل کر رہیں گے ورنہ نہیں، تو پھر روکنا واجب ہو جائے گا۔ یا عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح کا ارادہ کرے تو جہاں شرعی طور پر جائز نکاح سے روکنے کا حق نہیں ، وہیں سے یہ بات بھی ثابت ہے اگر عورت نکاح کرنا چاہے مگر شرعاً جائز نہ ہو تو پھر روکنا ضروری ہے۔ بالعموم تمام مسلمانوں کو اور خصوصاً ورثاء کو بقدرِ استطاعت روکنا واجب ہے۔ ہاں ! محض اپنی فرض کردہ عزت یا غیرت کے خلاف جان کر روکنا یا کسی لالچ وغیرہ کی وجہ سے کہ کہیں سے روپے مل جائیں گے تو وہاں نکاح کر دیں گے یا اسی طرح کی نامناسب باتیں سوچ کر اُسے شرعی حق سے محروم کرنا مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ مومن کی نگاہ اس دارِ فانی کی جھوٹی روایات سے بہت بلند ہوتی ہے۔

اسی لئے ارشاد ہے کہ اللہ یہ نصیحت اُن کے لئے ارشاد فرما رہا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جن کے نزدیک حق وہ ہے جو اللہ نے مقرر کر دیا اور عزت وہ ہے جو میدانِ حشر میں بھی معزز کر دے۔ یہ تو وہ جذبہ ایمانی ہے جو خلافِ حق روکنے کی ہمت دلاتا ہے اور کسی کا حق غصب نہ کرنے کی ترغیب بھی کہ بغیر کسی خارجی دباؤ کے انسان اپنی پسند سے اور اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر نیکی کو اپناتا چلا جائے تو اس کا اثر دونوں جہانوں کی بہتری کا باعث ہوگا اور یقیناً ہوگا۔

اگر محض دنیوی مصالح پر نظر کی جائے تو ذالکم ازکیٰ لکم واطہر۔ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ راہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی اپنی کسی مطلقہ یا بیوہ (اگرچہ یہاں ذکر نہیں لیکن بعد عدت اسے بھی تو یہی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے ذکر کر دیا کہ اختتام عدت کی علت تو مشترک ہے) کے نکاح ثانی کو اپنی شان کے خلاف سمجھ کر رکاوٹ بنے تو ہو سکتا ہے کہ وہ عورت کوئی ایسی غلطی کر بیٹھے جس سے نہ صرف عزت تباہ ہو بلکہ خاندان کی تباہی اور فتنہ و فساد کا سبب بن جائے۔ اسی طرح مال کے لالچ میں روکے اور ممکن ہے مال حاصل کرتے کرتے جان بھی ضائع کر بیٹھے کہ خلافِ فطرت جس بات پر بھی کسی کو مجبور کرو گے، اس کا نتیجہ اچھا نہیں پا سکو گے اور اللہ کا قانون ہی عین فطرت ہے۔

ایک بات تو اللہ کی عظمت اور سرخروئی ہوئی اس کے ساتھ دُنیا کے نظام کو احسن طریق پر چلانے کے لئے بھی اللہ کے قانون کی پابندی ضروری ہے کہ اللہ جانتا ہے اس کا علم کامل ہے ہر چیز کے حقائق سے وہ باخبر ہے اور ہر شے کی فطرت اور ہر شخص کے فطری تقاضوں سے آگاہ ہے۔ رہے تم، تو تمہارا علم ناقص ہے، اندازے ہیں جو کبھی درست اور اکثر غلط ہوتے ہیں۔ تم نہیں جانتے۔

رضاعت کا عرصہ

مرد و عورت کے تعلقات میں اولاد کا ذکر نہ کرنا گویا ان تعلقات کو ادھورا بیان کرنا ہے چنانچہ اللہ کریم اولاد کے لئے بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ اصولاً ماں کے ذمہ ہے کہ اولاد کو دو سال تک دُودھ پلائے بغیر عذر شرعی کے۔ محض شوہر سے ناچاقی یا ناراضگی کے دُودھ نہ پلائے تو گناہ گار ہوگی۔

یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ دُودھ پلانے کی مُدت دو سال ہے۔ ہاں! احکام رضاعت ثابت کرنے کے لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دُوسری آیہ کریمہ وحملہٗ وفصالہٗ ثلٰثون شھرا۔ دلیل ہے کہ اگر اڑھائی سال دُودھ پلا دیا تو یہ ثابت ہو جائے گا اور اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ اگر بچے کی کمزوری وغیرہ کے عذر سے اڑھائی سال بھی پلا دیا تو جائز ہے مگر اس کے بعد ماں کا دُودھ پلانا بالاتفاق حرام ہے۔ نیز مدتِ رضاعت میں دُودھ پلانا ماں کا اپنا فرض ہے اس لئے شوہر سے اس کی اُجرت طلب نہیں کر سکتی۔ مگر ساتھ ہی ارشاد ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق عورت یعنی ماں کا نان نفقہ کھانا اور لباس بچے کے باپ کے ذمے ہے جیسے راضی خوشی ہنستے بستے گھر میں ہوتا ہے۔

اگر ناچاقی اور طلاق بھی ہو جائے تو مدتِ رضاعت میں بچہ کو متاثر نہ ہونے دیا جائے۔ ماں برضا و رغبت دُودھ پلائے

اور باپ پوری دیانت داری سے اس کی کفالت کرے کہ بعد اگر عورت باقاعدہ معاوضہ طلب کرے تو جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اتنا ہی مانگے جتنا کوئی دوسری عورت لے گی۔ ورنہ پھر باپ کو حق ہوگا کہ بچہ لے کر اُسے دوسری عورت سے دُودھ پلوانے کا اہتمام کرے اور اس میں دونوں طرف کے حقوق کی نگہداشت ضروری ہے مثلاً بلا عذر اگر ماں کا انکار کرنا مناسب نہیں تو کسی عذر کی وجہ سے اگر وہ دُودھ نہ پلا سکے تو باپ یا مَرد کو بھی حق حاصل نہیں کہ اُسے مجبُور کرے۔ یعنی ایک حُسنِ معاشرت ہے کہ بچہ ماں اور باپ تین فریق متاثر ہیں۔ تینوں کی بہتری کو مدِ نظر رکھا جائے۔ وعلی الوارث مثل ذالك یعنی اگر باپ فوت ہو جائے تو جن کو وراثت پہنچتی ہے وہ لوگ اپنی حیثیت کے مطابق بقدرِ میراث اس اہتمام کے ذمہ دار ہوں گے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں سے ثابت فرمایا ہے کہ جب دُودھ پلانے کا اہتمام ان کے ذمہ ہے تو دُودھ چھڑانے کے بعد بچے کا خرچہ بلوغت تک وارثوں کے ذمہ ہے کہ محض دُودھ پلانا مقصد نہیں مقصد بچے کا گزارہ ہے۔ مثلاً یتیم کا دادا اور اس کی ماں زندہ ہیں تو یہ وارث ہیں۔ ایک تہائی کی ماں اور دو تہائی کا دادا۔ تو اسی نسبت سے بچے کا نفقہ بھی ان کے ذمہ ہے اور ان پر واجب ہے۔ اسی طرح دادا کو حق حاصل ہے کہ یتیم پوتے کے لئے اپنی میراث میں وصیت کر جائے خواہ بیٹوں کے حصہ سے بھی زیادہ کر دے۔ کہ اصُولِ وراثت کی رُو سے تو وہ میراث نہ پا سکے گا کہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتا وارث نہیں ہو سکتا کہ قریب تر کے ہوتے ہوئے بعید وارث نہیں ہو سکتا تو اس طرح اصولِ وراثت بھی مجروح نہ ہُوا اور پوتا بھی محرُوم نہ ہوا۔

اب دُوسری صورت کہ اگر میاں بیوی آپس میں رضامندی سے دو سال سے پہلے دُودھ چھڑانا چاہیں، خواہ ماں کی بیماری یا بچے کی صحت وغیرہ کسی بھی وجہ سے تو جائز ہے اور اگر وہ چاہیں کہ بچے کو کسی دایہ کا دُودھ پلوائیں تو کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ دُودھ پلانے والی سے اُجرت طے کر لی جائے اور بر وقت پوری پوری ادا کر دی جائے۔ یہ باہمی رضامندی کی شرط غالباً اس لئے ہے کہ بچے کی بہتری پیشِ نظر رہے اور والدین کے ذمہ ہے کہ اس کی بہتر پرورش کریں۔ واتقوا اللہ یعنی ایک معصوم جان سے کھیلنے کی جُرأت نہ کرو کہ عورت مرد کو تنگ کرنے کے لئے اور مرد عورت کو پریشان کرنے کے لئے بچے کو نشانہ نہ بنائے کہ عورت بلا عذر دُودھ پلانے سے انکار کر دے یا مرد بلا وجہ بچہ چھین لے یا اور کوئی اس طرح کی حرکت جو اُن کی باہمی چپقلش کی وجہ سے بچے کو متاثر کرے تو ان سب اُمور میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے معاملہ

احسن طریق پر کرو، اور یہ یاد رکھو کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

اب اسی معاملہ کی ایک اور صورت کہ اگر خاوند مر جائے تو عورت کو چار مہینے اور دس دن عدت کے گزارنے ہوں گے دورانِ عدت عورت کو خوشبو لگانا، سنگار کرنا، سُرمہ، تیل یا مہندی وغیرہ یا رنگین لباس استعمال کرنا وغیرہ دُرست نہیں۔ اسی طرح اس کو جائز نہیں کہ رات کو دوسرے گھر میں رہے اور یہی حال اس عورت کا ہے جس پر طلاق بائن واقع ہوئی ہو بلکہ اپنے گھر سے بدون سخت مجبُوری کے دن کو بھی نکلنا دُرست نہیں اور نہ ہی دورانِ عدت نکاح ثانی کی بات کرے۔ ہاں بعد عدت اگر نکاح کرنا چاہیں تو شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اگر شرعاً جائز ہے تو خواہ مخواہ رکاوٹ نہ بنو اور خلافِ شریعت کرنے کی اجازت ہی دو۔ اسی طرح دورانِ عدت نکاح کا پیغام نہ دو اور نہ وعدہ وعید ہی کرو۔ ہاں! اگر قاعدے کے مطابق کوئی ایسی بات کہہ دو کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ بعد عدت اگر عورت نے پسند کیا تو مَیں اُس سے شادی کرلوں گا تو جائز ہے مگر وہ بھی کنایۃً اور یہ تو ہرگز نہ کرو کہ خُفیہ پیغام دے کر یا ملاقاتیں کرکے شادی کے وعدے کرو۔ دورانِ عدت یہ سب حرام ہیں۔ ہاں! بعد عدت شرعی قاعدے کے مطابق کرو اور یاد رکھو کہ انسانوں سے تو ممکن ہے تم چھپ کے کرلو۔ اللہ سے نہیں چُھپ سکتے وہ تو تمھارے دِل کے اندر کی باتوں کو جانتا ہے۔ سو ہر وقت اس سے ڈرتے رہو اور بخشش کی امید رکھو، اگر کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کرو کہ وہ غفورُ ہے اور اگر فوری گرفت نہ ہو تو بے فکر نہ ہو جاؤ کہ وہ حلیم بھی ہے۔ ہر حال میں اللہ کی اطاعت کو پیشِ نظر رکھو۔

اسلام کا یہی قاعدہ سب سے زیادہ مؤثر ہے کہ جہاں حاکم کو نفاذِ قانون کا حکم دیتا ہے جہاں تمام مسلمانوں کو قانون سازی کے احترام کے لئے حسبِ طاقت کوشاں رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہاں ہر فرد کو اس کے اور اللہ کے درمیان تعلقات کو بھی یاد دلاتا چلا جاتا ہے کہ حکومت سے آدمی چُھپ بھی سکتا ہے معاشرے کی آنکھوں میں دُھول جھونک سکتا ہے مگر اللہ سے تو نہ چُھپ سکتا ہے اور نہ اپنے ارادوں کو چُھپا سکتا ہے پھر صرف دنیا میں اپنا بھرم نہیں رکھنا، بلکہ میدانِ حشر میں اپنا حساب بھی پیش کرنا ہے۔ ان سب اُمور کو مدِّنظر رکھ کر معاملات کو سرانجام دو!

رکوع نمبر ۳۱ آیات ۲۳۶ تا ۲۴۲ سیقول ۲/۱۵

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ

اور اگر تم عورتوں کو اُن کے پاس جانے یا اُن کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ

236. It is no sin for you if ye divorce women while

yet ye have not touched them, nor appointed unto them a portion. Provide for them, the rich according to his means and the straitened according to his means, a fair provision. (This is) a bounden duty for those who do good.

237. If ye divorce them before ye have touched them and ye have appointed unto them a portion, then (pay the) half of that which ye appointed, unless they (the women) agree to forgo it, or he agreeth to forgo it in whose hand is the marriage tie.[26] To forgo is nearer to piety. And forget not kindness among yourselves. Allah is Seer of what ye do.

238. Be guardians of your prayers, and of the midmost prayer,[27] and stand up with devotion to Allah.

239. And if ye go in fear, then (pray) standing or on horseback. And when ye are again in safety, remember Allah as He hath taught you that which (heretofore) ye knew not.

240. (In the case of) those of you who are about to die and leave behind them wives, they should bequeath unto their wives a provision for the year without turning them out, but if they go out (of their own accord) there is no sin for you in that which they do of themselves within their rights. Allah is Mighty, Wise.

241. For divorced women a provision in kindness : a duty for those who ward off (evil).

242. Thus Allah expoundeth unto you His revelations so that ye may understand.

نہیں۔ ہاں ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور
(یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق
دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نیک
لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے ﴿۲۳۶﴾
اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے
طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا
مہر دینا ہوگا۔ ہاں اگر عورتیں مہر بخش دیں۔ یا مرد
جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دیں
(اور پورا مہر دے دیں تو ان کو اختیار ہے) اور اگر
تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات
ہے اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا کچھ شک
نہیں کہ خدا تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۷﴾
(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام
کے ساتھ ادا کرتے رہو اور خدا کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو ﴿۲۳۸﴾
اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس
حال میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن (و اطمینان)
ہو جائے تو جس طریق سے خدا نے تم کو سکھایا ہے جو تم
پہلے نہیں جانتے تھے خدا کو یاد کرو ﴿۲۳۹﴾
اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں
وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ
ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر
سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں اگر وہ خود گھر سے
چلی جائیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی
نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور خدا زبردست
حکمت والا ہے ﴿۲۴۰﴾
اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق نان و
نفقہ دینا چاہیے پرہیزگاروں پر (یہ بھی) حق ہے ﴿۲۴۱﴾
اسی طرح خدا اپنے احکام تمہارے لئے بیان فرماتا ہے
تاکہ تم سمجھو ﴿۲۴۲﴾

تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَ
مَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ
وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا
بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾
وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ
أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ
لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ
إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي
بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ
تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا
الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾
حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ
الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾
فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ
فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ
كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا
تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾
وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ
يَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً
لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ
غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي
أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾
وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾ ع

اسرار و معارف

لاجناح علیکم .... لعلکم تعقلون

یہاں طلاق کی ایک اور صورت ارشاد ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دے دے اور پھر اس میں بھی دو صورتیں مہر کی ہیں یا تو مہر مقرر ہوگا اور یا نہیں۔ اگر مہر مقرر نہیں ہے تو اسے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرو کہ انھیں کچھ خرچ دے دو۔ صاحبِ حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق دیں۔

روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی طلاق کی صورت میں مطلقہ عورت کو بیس ہزار درہم دیئے تھے اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک جوڑا کپڑوں کا دے دے۔

لفظ متعہ کا معنیٰ

یہاں لفظ "متعہ" واضح طور پر اس عورت کو گزارے کے لیے کچھ نہ کچھ دے جس کے ساتھ نکاح کے بعد خلوت نہیں ہوئی اور نوبت طلاق تک جا پہنچی ہے۔ مگر صد افسوس! کہ اہلِ تشیع نے اسے غلط معنیٰ پہنا کر، عورت کو کچھ دے دلا کر اس سے بدکاری کے معنوں میں استعمال کیا ہے جو مشرکینِ عرب کی ایک رسم تھی اور جس کا تدارک اسلام نے کیا۔ انھیں وہی سیاہی اسلام کے نام پر تھوپنے میں اللہ کا خوف بھی نہ آیا۔ حالانکہ لغات القرآن جلد پنجم صفحہ ۲۹۶ پر یہی لفظ بطور ایں معنیٰ استعمال ہوا ہے کہ جن عورتوں کو قبل دخول طلاق دو اور ان کا مہر مقرر نہ ہو تو انھیں متعہ (یعنی تمتعہ اور معیشت کے لیے کچھ دینا) دینا واجب ہے۔ یعنی متعہ گزارے کی اس رقم یا تحفے کا نام ہے جو صورتِ مذکور میں دیا جائے نہ کہ کچھ دے دلا کر بدکاری کی جائے اور اس کا نام "متعہ" رکھ دیا جائے۔

اللہ کی کتاب پر کس قدر جرأت اور دلیری ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

یہ دینا دلانا قاعدے کے مطابق ہو "بالمعروف" اس میں کسی طرح کی محض شہرت یا محض طور پر کوئی طمع نہ ہو بلکہ معروف طریقے پر اور اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو کہ اچھے اور صاحبِ خلوص لوگوں یعنی مسلمانوں پر واجب ہے۔

یہاں ہر مسلمان سے محسن یا صاحبِ احسان ہونے کی توقع کی گئی ہے یا دوسرے لفظوں میں احسان ہی حقیقی ایمان ہے اور احسان یہ ہے کہ انسان کا دل اس کا باطن اللہ کی عظمت کو اپنی حیثیت کے مطابق تسلیم کرے۔

حدیثِ جبریل میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ احسان یہ ہے کہ،

ان تعبد و اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہٗ یراک ۔

اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ جرأت نہیں ہے تو کمتر درجہ یہ ہے کہ اس یقین کو ہاتھ سے نہ جانے دو کہ اللہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔

یہ تمام معاملات خوش اسلوبی سے نمٹانے کے لیے اسی باطنی کیفیت کی ضرورت ہے جو اسلام ہر مومن کے دل میں دیکھنا چاہتا ہے اور یہ کیفیات اللہ کے ذکر اور کاملین کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں کہ دلوں کو منور کرنا صحبت ہی کا فیض ہے ورنہ محض الفاظ سے معاملہ عقل و خرد تک رہتا ہے۔ دل صرف کیفیات سے آشنا ہے، اِسے لفظوں کی نہ ضرورت ہے نہ احتیاج ۔کیا جو لوگ گونگے بہرے ہوتے ہیں۔ اُن کے دل لذّات و اَلم کو محسوس نہیں کرتے ضرور کرتے ہیں۔ اگرچہ الفاظ اور ان کے معانی سے ان کے ذہن نا آشنا ہوتے ہیں۔ ہاں ! جب دل ان کیفیات کو پالے تو پھر الفاظ کے معانی اور ان پر عمل سب آسان ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فرائضِ نبوت میں پہلے تزکیہ اور پھر تعلیمِ کتاب و حکمت ہے۔ فیضِ صحبت نے شرفِ صحابیت بخشا اور جب یہ سِلسلہ منقطع ہوا تو کتاب و حکمت تو باقی تھی مگر درجہ صحابیت کوئی نہ پا سکا۔ ہاں! صحابہ کی صحبت میں تابعی اور اُن کے فیضِ صحبت سے تبع تابعین کے مدارج ضرور تقسیم ہوئے۔ یہی فیضِ صحبت سینہ بسینہ منتقل ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اسی کے امین اہل اللہ کہلاتے ہیں اور حُسنِ اسلام کے لئے ان کی صحبت شرط ہے۔

اب دُوسری صورت کہ اگر مہر مقرر تھا اور قبل دخُول طلاق ہو گئی تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہو گا، اور نصف معاف، ہاں! اگر عورت ہی اپنی مرضی سے سارا معاف کر دے تو پھر کچھ بھی واجب نہ رہا۔ وہ جس کے ہاتھ نکاح کا تعلق یعنی نکاح کو باقی رکھنے کا اختیار ہے یعنی خاوند معاف کر دے کہ جو نصف شرعاً اُسے معاف تھا حُسنِ سلوک کرتے ہوئے وہ بھی دے دے اور اپنا حق چھوڑ دے تو پھر پُورا دینا درُست ہو گا۔ اور بہتر صُورت یہی ہے کہ حُسنِ سلوک کرتے ہوئے معاف کر دو۔ جو بھی اپنا حصّہ معاف کرے گا مَرد یا عورت وُہی نیکی حاصل کرے گا۔ کہ نیکی اقرب للتقویٰ ہے۔

اللہ کریم کے لِئے دوسروں سے بھلائی کرنا ہی اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ آپس میں احسان کرنا فراموش نہ کر دو۔ نکاح قائم رہے یا نہ رہے تو یہ ضرور یاد رکھو کہ تم دونوں مسلمان ہو اور مُسلمان کا مسلمان پر حق ہے۔ اس رشتے کو مت

بھولو۔ ایک دُوسرے کے ساتھ احسان اور رعایت کرو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور تمھارا ہر فعل یا نافرمانی ہے یا فرمانبرداری۔ نافرمانی مسلمان کو زیب نہیں دیتی۔ ہر آن اطاعت کرو کہ اطاعت ہی کا نام عبادت ہے اور اس کیفیتِ حالت کو قائم رکھنے کے لیئے فرائض کا خاص خیال رکھو۔

حقوق العباد کی حفاظت کے لِئے خوفِ خدا ضرُوری ہے اور خوفِ خدا اس میں کہاں جو حقوق اللہ ہی ادا نہیں کرتا اللہ کریم سے اپنا تعلق استوار کرنے کے لِئے تمام نمازوں کی حفاظت کرو یعنی پوُری کوشش سے ادا کرو۔

حفاظت سے مراد ہے کہ اس کا کوئی ادنےٰ سا رُکن بھی ضائع نہ ہونے پائے وقت کا لحاظ، لباس کا خیال، وضو کا اہتمام جماعت کی کوشش، یہ سب چیزیں محافظتِ صلوٰۃ میں داخل ہیں یعنی نماز ادا نہ کرنا تو دُور کی بات ہے۔ نماز کی حفاظت کرو کہ مستحبات بھی فوت نہ ہونے پائیں خصوصاً درمیان کی نماز کی۔ جسے بقول اکثر عصر کی نماز کہا گیا ہے کہ اس کے دونوں جانب دن کی ابتداء اور اس کا اختتام ہے اور دو دو نمازیں۔ یہ تاکید غالباً اس لِئے ہے کہ عصر کا وقت سب کے لِئے مصروفیت کا ہے دفاتر سے لے کر چرواہوں تک گھر جانے کی تیاری میں لگے ہوتے ہیں۔ مزدور اور دکاندار دن بھر کا کام سمیٹتے ہیں، خواتین رات کے کھانے کی تیاری میں یعنی اکثریت کے لِئے مصروفیت کا وقت ہے اگر اس وقت کی نماز بروقت اپنی شرائط کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو باقی انشاء اللہ اس سے آسان ہوں گی۔ نہایت سکون اور اطمینان سے نماز ادا کریں کہ اس سے غرض صرف ادائے فرض نہیں بلکہ ان کیفیات کا حصُول ہے جو اللہ سے تعلق استوار کرتی ہیں۔

نماز صرف عبادت ہی نہیں بلکہ رُوح کی غذا بھی ہے، دوا بھی۔ یہ دونوں چیزیں خالص ہونا ضرُوری ہیں اور ان کی سخت حفاظت کی جاتی ہے۔ اور اگر خطرہ ہو یا تم میدانِ جنگ میں ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر سوار ہی نماز ادا کرلو، چھوڑو نہیں، حفاظت کرو۔ علماء کا ارشاد ہے کہ ایک جگہ کھڑے ہو کر پڑھ سکے تو دُرست ورنہ قضا کرے اور کھڑے کھڑے ادا کرے تو سجدے کا اشارہ رکوُع سے زیادہ پست کرے۔ مقصد یہ کہ امکانی حد تک نماز کو اس کے وقتِ مقرر پر اس کی پوری شرائط سے ادا کرے کہ اسی سے اس کو اللہ کی اطاعت کی توفیق بھی ارزاں ہوگی۔

وصیّت کا حکم

یہ حکم تعینِ میراث سے قبل کے لِئے تھا۔ جب آیۂ میراث نازل ہوئی اور عورت کا حصّہ مقرر ہوگیا تو پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ آیۂ میراث کے نزول سے قبل چونکہ حق کا مدار صرف مرنے والے کی نیت پر تھا۔ سو حکم ہوا کہ وصیت میں بیوی کو بھُلایا نہ جائے بلکہ اگر وہ اپنی مرضی سے رہنا چاہے تو خاوند کا حق ہے کہ وہ وصیّت کر

جائے تو سال بھر وہ اس کے گھر میں اس کے ترکہ سے نان نفقہ لے کر رہ سکے۔ ہاں! اگر اپنی مرضی سے بعد عدت نکاح کر لے، شرعی قاعدے کے مطابق یا مرنے والے کا گھر چھوڑ دے تو پھر ورثا، پر کوئی گناہ نہیں کہ یہ عورت کا حق تھا۔ اگر وہ اپنی مرضی سے چھوڑ دے تو ٹھیک ہے لیکن معروف ہو شریعت کے مطابق۔ اگر کوئی خلافِ شریعت کرنا چاہیے مثلاً عدت کے دوران نکاح کرنا چاہیے یا اور کوئی ایسی حرکت جو شرعاً جائز نہ ہو تو روکنا اور منع کرنا واجب ہے اور جو طاقت رکھتے ہوئے نہ روکے گا تو گناہگار ہوگا بلکہ اس کا جواب دینا ہوگا۔

لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی ان جملہ احکام سے مراد مطلقہ عورتوں کو مناسب گزارہ دینا اور بڑی حد تک دلجوئی اور عزتِ نفس کی حفاظت ہے۔ یہ متعہ سے مستفاد ہے کہ بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان ان کے حقوق ہیں انھیں پامال نہ ہونے دیا جائے اور مطلقہ کو محض دھتکاری ہوئی عورت شمار نہ کیا جائے جیسا کہ ہمارے ہاں ہندوؤں سے متاثر ہو کر رواج پا گیا ہے اور لفظ متعہ ان عورتوں کو کچھ دینے کے لئے استعمال ہوا جن کے ساتھ نکاح تو ہمیشہ ساتھ رکھنے کی غرض سے ہوا تھا مگر بعض حالات نے جدائی کی صورت پیدا کر دی نہ یہ کہ ایک مقررہ وقت کے لئے کچھ دے کر نکاح کر لیا۔ اور میعاد پوری ہونے پر وہ خود بخود ختم ہو گیا پھر نہ گواہ کی ضرورت نہ شاہد کی۔

یہ سب صورتیں شرعاً باطل ہیں اور متعہ سے یہ مراد لینا تحریفِ قرآن ہے اور یہ سب کچھ کرنا واجب ہے اللہ کے نیک بندوں پر، اللہ کے ماننے والوں پر، خدا کا خوف رکھنے والوں پر کہ اللہ اپنے احکام اسی لئے بیان فرماتا ہے کہ تمھیں زندہ رہنے کا سلیقہ آ جائے تم دنیا میں بھی باعزت زندگی گزار سکو، تم عقل پا سکو اور سمجھ سکو، تمہارا معاشرہ مثالی معاشرہ بن سکے۔

رکوع نمبر ۳۲ آیات ۲۴۳ تا ۲۴۸ سیقول ۲/۱۶

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو خدا نے اُن کو حکم دیا کہ مر جاؤ پھر اُن کو زندہ بھی کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ﴿۲۴۳﴾

243. Bethink thee (O Muhammad) of those of old, who went forth from their habitations in their thousands, fearing death,[28] and Allah said unto them: Die, and then He brought them back to life. Lo! Allah is a Lord of kindness to mankind, but most of mankind give not thanks.

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور (مسلمانو) خدا کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ خدا (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے ﴿۲۴۴﴾

244. Fight in the way of Allah, and know that Allah is Hearer, Knower.

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا
حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً
وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾

کوئی ہے کہ خدا کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے
اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔ اور خدا ہی روزی کو
تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اسی
کی طرف لوٹ کر جاؤ گے ﴿۲۴۵﴾

245. Who is it that will lend unto Allah a goodly loan,[29] so that He may give it increase manifold? Allah straiteneth and enlargeth. Unto Him ye will return.

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ
مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ
لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ
إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا
تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ
دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا
مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا
جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے
لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں
جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے
تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے
لگے کہ ہم راہ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے۔ جب کہ ہم
وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیئے
گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو
چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے۔ اور خدا ظالموں
سے خوب واقف ہے ﴿۲۴۶﴾

246. Bethink thee of the leaders of the Children of Israel after Moses, how they said unto a Prophet whom they had: Set up for us a King and we will fight in Allah's way. He said: Would ye then refrain from fighting if fighting were prescribed for you? They said: Why should we not fight in Allah's way when we have been driven from our dwellings with our children? Yet, when fighting was prescribed for them, they turned away, all save a few of them. Allah is Aware of evil-doers.

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ
بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا
أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ
نَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ
يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ
إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ
زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ
وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ خدا نے تم پر طالوت
کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی
کا حق کیونکر ہو سکتا ہے۔ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں
اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے
کہا کہ خدا نے اس کو تم پر فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لئے
منتخب فرمایا ہے اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا
ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا (کو اختیار
ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشائش والا
(اور) دانا ہے ﴿۲۴۷﴾

247. Their Prophet said unto them: Lo! Allah hath raised up Saul to be a king for you. They said: How can he have kingdom over us when we are more deserving of the kingdom than he is, since he hath not been given wealth enough? He said: Lo! Allah hath chosen him above you, and hath increased him abundantly in wisdom and stature. Allah bestoweth His sovereignty on whom He will. Allah is All-Embracing, All-Knowing.

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ
أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ
مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ
مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے
کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے
اٹھائے ہوئے ہوں گے اس میں تمہارے پروردگار
کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں
بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے اگر تم
ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے ﴿۲۴۸﴾

248. And their Prophet said unto them: Lo! the token of his kingdom is that there shall come unto you the ark wherein is peace of reassurance from your Lord, and a remnant of that which the house of Moses and the house of Aaron left behind, the angels bearing it. Lo! herein shall be a token for you if (in truth) ye are believers.

اسرار و معارف

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ .... اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ احکامِ الٰہی کی اطاعت کرنے سے زندگی مشکل ہو جائے گی یا زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔ تو یہ اس کی بھول ہے کہ زندگی کے مصائب خود اُس آدمی کے پیدا کردہ ہیں۔ اگر وہ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے تو اللہ قادر ہے کہ اس کے لئے ہر طرح راحت پیدا فرمائے۔

اس بات کو واضح کرنے کے لئے بطور مثال ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے اور حضور ﷺ سے ارشاد ہے کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا؟ تو مراد حضور ﷺ کا وہ قطعی اور یقینی علم ہے جو آپ ﷺ کی روایت اور دیکھنے کے مصداق ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

واقعاتِ گزشتہ کشفاً دیکھے جا سکتے ہیں

حدیثِ معراج میں ملتا ہے کہ جب کفار نے بیت المقدس کی عمارت کے بارے میں سوال کئے تو اللہ نے عمارت آپ ﷺ کے سامنے کر دی، جسے حضور ﷺ دیکھتے جاتے تھے اور جواب ارشاد فرماتے جاتے تھے۔

یہاں بھی اگر دل کی رُویت مراد ہو تو درست ہے جیسے صاحبِ فتح القدیر نے لکھا ہے ھی رویۃ القلب لا رویۃ البصر ....، تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ چاہے تو گزشتہ واقعات کو بھی دل کی آنکھ سے اسی طرح دیکھا جا سکتا ہے جیسے وہ آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہوں۔

یہ لوگ وبا کے خوف سے آبادی چھوڑ کر باہر میدان میں نکل گئے الوف جمع کثرت ہے جو کم از کم دس ہزار کی تعداد کے لئے ہے ممکن ہے اس سے بھی زیادہ ہوں کہ روایات مختلف ہیں تو ظاہر ہے کہ باہمت لوگ ہی نکلے ہوں گے بیمار، کمزور، بوڑھے اور غربا، تو اکثر رہ گئے ہوں گے۔ تو اللہ کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی۔ سو ارشاد ہوا کہ مَر جاؤ اور وہ مَر گئے اپنی طرف سے تو جان بچانے کو نکلے تھے مگر تدبیرِ انسانی کی قوت دیکھ لو، کچھ نہ کر پائی اور اُلٹا تباہی کا سبب بن گئی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر وبا پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگو اور اگر تم وہاں سے باہر ہو تو پھر وہاں مت جاؤ۔ اس مفہوم کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ اس کی اصل بھی یہی ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے، وہ قادر ہے، بیماری سے بچا سکتا ہے، بغیر کسی مرض کے بھی موت دے سکتا ہے۔ بستی والوں کے لئے مناسب نہیں کہ بھاگ کھڑے ہوں اور اگر کوئی باہر ہو یا محفوظ مقام پر ہو تو خواہ مخواہ وہاں جانے کی کوشش نہ کرے۔

روایات میں ملتا ہے کہ اللہ نے اس وادی پر فرشتہ مقرر فرمایا جس نے انھیں اللہ کا حکم پہنچا دیا کہ مر جاؤ، اور دفعتاً سب کے سب مر گئے بلکہ تمام جانور اور مویشی جو ساتھ تھے وہ بھی مر گئے۔ جب ارد گرد کے لوگوں نے سنا تو جمع ہوئے مگر اس قدر افراد کا کفن دفن آسان نہ تھا۔ انھوں نے اُن کے گرد دیوار بنا دی، جس میں پڑے گلتے سڑتے رہے۔ بعد مدت بنی اسرائیل کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا۔ انسانی ہڈیوں کے انبار دیکھ کر دُعا کی کہ اے اللہ! انھیں معاف فرما دے اور انھیں زندگی عطا کر، حکم ہوا کہ انھیں فرمایئے کہ بحکمِ الٰہی زندہ ہو جاؤ۔

انھوں نے کہا تو سب بیک وقت زندہ ہو گئے۔ اللہ کی ثنا بیان کرتے تھے اور کہتے تھے سُبْحٰنَکَ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنْتَ۔ اور پھر اپنی طبعی زندگی پوری کر کے فوت ہوئے کہ ان کی یہ موت غیر طبعی تھی اس لئے وہ نہ دُنیا میں رہے نہ آخرت اُن پر منکشف ہوئی۔ کہ آخرت کے منکشف ہونے کے بعد دُنیا میں زندگی نہیں ہے اور نہ ایمان معتبر نہ عبادت۔ نیز اگر عمر طبعی پوری کر کے مرتے تو بطور اعجاز زندہ تو ہو جاتے مگر دُنیا میں رہنے بسنے کی مہلت نہ دیئے جاتے۔ لیکن اللہ نے ان کو اپنی قدرتِ کاملہ پر بطور دلیل پیش فرمانا تھا کہ لوگوں کو عبرت ہو اور آخرت کو جی اُٹھنے پر یقین کریں۔

برزخ کا عذاب و ثواب

نیز یہ سوال بھی رفع ہو جاتا ہے کہ پسِ مرگ تو اجزاء پریشان ہو جائیں گے وہ کیسے دوبارہ اکٹھے ہو سکتے ہیں یا جیسے آجکل ایک نیا طبقہ یہ اعتراض کرتا ہے کہ مرنے والے کے اجزاء پریشان ہو گئے کوئی جل گیا کسی کو جانوروں نے کھا لیا اور کوئی خاک پریشان ہو کر زمین پر منتشر ہو گیا۔ اب جب تک قیامت قائم ہو کر دوبارہ زندہ نہ ہوں۔ انھیں عذاب یا ثواب کیسے ہو سکتا ہے؟

افسوس! لوگوں نے قدرتِ باری کو اپنے اُوپر قیاس کر رکھا ہے ورنہ تو قبل پیدائش کیا یہ کم منتشر تھے۔ تمام اغذیہ و ادویہ جو انسان کھاتا پیتا ہے کیا یہ سب اجزائے خاکی نہیں ہیں، دُودھ ہو یا مکھن، غلّہ ہو یا سبزیاں سب مٹی کے مختلف رُوپ ہیں۔ جو دُنیا کے مختلف کونوں سے کھنچے چلے آتے ہیں اور ہر ذرّہ اسی وجود تک پہنچتا ہے جس کے لئے اللہ نے اسے مقرر کر رکھا

ہے۔ باپ کے پیٹ میں پہنچ کر صلب میں محفوظ رہتا ہے اور ماں کے شکم میں جا کر علیحدہ وجود بننا شروع ہوتا ہے۔ غذا ماں کھاتی ہے مگر بچے کے اجزا۔ الگ ہو کر اُسی کا جزوِ بدن بنتے ہیں۔

اسی طرح پس مرگ اگر پریشان بھی ہو جائیں تو ان کا ربط رُوح کے ساتھ رہتا ہے اور رُوح کی لذت یا الم سے متاثر ہوتے اور حصہ پاتے ہیں۔ اللہ قادر ہے کہ وہ ذرات کسی جانور کے پیٹ میں پہنچ جائیں تو بھی انھیں عذاب کرے یا راحت دے اور جانور کو اس کا علم تک نہ ہو۔ نیز اللہ کے سامنے ساری مخلوق کی گردن خم ہے۔ یہاں بوسیدہ ہڈیوں اور منتشر اجزا۔ نے نبیؑ کی زبانی اللہ کا حکم سُنا تو سب جمع ہو گئے۔ اللہ تو لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے کہ ان کو عذاب کی گرفت سے نجات دی اور دوسروں کے لئے کتنی بڑی دلیل قیامِ قیامت پر قائم فرما دی۔ اس کے باوجود اکثر ایسے ہیں جو ناشکری کرتے ہیں اور اطاعتِ الٰہی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ محض طرزِ حیات کو اسلامی بنانے پہ یہ عذر نہ رکھو۔ بلکہ اللہ کی راہ میں لڑو بغیر کسی ہچکچاہٹ اور جھجک کے کہ زندگی اور موت اُسی کے دستِ قدرت میں ہے اور ہر بات کو سُننے والا اور ہر شے کو جاننے والا ہے۔

اللہ ضرورت سے پاک ہے اور احتیاج سے منزہ ہے اس کے باوجود تمھاری اطاعت ایک بہترین قرض ہے جو اللہ نے اپنے ذمہ کر لیا ہے چونکہ قرض کی واپسی ضروری ہوتی ہے۔ تمھاری عبادت کا اجر اور اطاعت کا ثواب بھی تمھیں ضرور لوٹایا جائے گا اور اللہ اپنی شان کے مطابق لوٹائے گا کہ اللہ سینکڑوں اور لاکھوں گُنا بڑھا کر واپس کرے اور جس قدر خلوص کسی اطاعت میں ہو گا اُسی قدر وہ اپنے اجر میں بڑھ جائے گی کہ نعمتوں کو بڑھانا یا کم کرنا اُسی کے دستِ قدرت میں ہے اور تم سب کو لوٹ کر اُسی کی بارگاہ میں جانا بھی ہے۔ یعنی اپنی رُسومات اللہ کے قانون پر قربان کر دو۔ اللہ کی راہ میں اپنا مال اور جان تک پیش کرو کہ اسی میں تمھاری بہتری ہے۔

ایک انصاری صحابیؓ نے یہ آیہ کریمہ سُنی تو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی۔ یا رسُول اللہ ﷺ! میں نے اپنا ایک باغ جس میں کھجوروں کے چھ سَو درخت ہیں اللہ کے راستے میں خرچ کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تمھیں اس کے بدلے میں جنّت عطا فرمائیں گے۔

واپس آئے تو بیوی کو آواز دی کہ بچّوں کو لے کر باہر آؤ۔ میں نے اللہ کو قرضِ حسنہ دے دیا ہے تو وہ بھی سُن کر باغ باغ ہو گئیں حضور ﷺ نے فرمایا۔ کم من عذق رواح و دار فیھاح لابی الدحاح۔ کہ کس قدر کھجوروں سے پُر باغ

اور کشادہ محلات اہل اللہ صالح کے لیے ہیں۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ ارشاد ہوتا ہے جس سے مراد ہے کہ زندگی کو اللہ کے احکام کے مطابق ہی بسر کرنا عزت کا باعث بھی ہے اور سکون کا بھی۔

تبرکات

آپ ﷺ نے بنی اسرائیل کو نہیں دیکھا جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد چند پے اطاعت کی اور پھر رفتہ رفتہ احکام الٰہی کو چھوڑ دیا۔ جدید تہذیب بنالی اور قدامت سے جان چھڑالی جیسے آجکل کا رواج ہوتا جا رہا ہے اللہ نے ان پر کفار کو مسلط کر دیا۔ یہ عمالقہ تھے جنھوں نے ان کے شہر چھین لیے، بے شمار افراد کو قیدی بنا لیا اور تابوت سکینہ ایک صندوق جس میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات اور تورات کی ٹوٹی ہوئی تختیاں وغیرہ تھیں جو ان کے لیے باعثِ تسکین اور باعثِ نزولِ رحمت ہوا کرتا تھا، چھین کر لے گئے۔ انبیاءؑ اور بزرگوں کے تبرکات اہلِ ایمان کے لیے باعثِ نزولِ برکت ہوتے ہیں اور نااہلوں کو ان سے محروم کر دیا جاتا ہے جیسے آجکل کے جدید تہذیب کے دلدادہ مسلمان سے قبلہ اول چھن گیا ہے۔ اللہ ہمیں کعبۃ اللہ سے محروم نہ فرمائیں اور توبہ کی توفیق دیں اور ہمارے گناہ معاف فرما کر قبلہ اول کو واپس حاصل کرنے کی ہمت دیں، آمین۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک حدیث نقل کی ہے۔ کہ اللہ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو، اس کے گھر والوں کو اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے۔ نیز ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں سات شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمھاری مدد کی جائے گی اور تمھیں روزی دی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی۔ اسی طرح ایک اور روایت میں تیس ابدالوں کا ذکر ہے۔

غرض اہل اللہ کا نہ صرف وجود باعثِ برکت ہوتا ہے بلکہ ان کا لباس اور ان کے جوتے تک باعثِ برکت ہوتے ہیں، لیکن صرف اُن کے لیے جن کا ایمان اور عمل درست ہو اور اللہ کے بندوں سے اللہ کی معرفت کے طالب ہوں۔ نہ اُن کے لیے جو انھیں اللہ کے اوصاف میں شریک مان لے۔ ایسوں کے دونوں جہاں برباد ہوئے۔

عرصہ بعد ان میں ایک بچہ پیدا ہوا جو خاندانِ نبوت سے تھا اور لڑائی کے بعد خاندان نبوت کی ایک بی بی حاملہ بچ گئی تھی انھوں نے اللہ سے دعائیں کیں کہ اللہ! مجھے لڑکا دے اور اُسے نبی بنا۔ جب لڑکا پیدا ہُوا تو اس کا نام شمویل رکھا جس کا معنی ہے میری دُعا قبول ہوئی (مظہری)۔ جب وہ بڑا ہو کر نبی مبعوث ہوا تو قوم سے فرمایا۔

"اللہ کی اطاعت کرو، اور کفار سے مقابلہ کرو!"

تو کہنے لگے، ہم پر کسی کو بادشاہ مقرر فرما دیجیے، جس کی قیادت میں ہم لڑ سکیں اور کفار سے جہاد کریں۔

انھوں نے فرمایا، تم سے کچھ اُمید نظر نہیں آتی، ممکن ہے جہاد کے حکم پر عمل نہ کر سکو۔

تو کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے شہر چھن گئے، ہمارے لڑکے قید ہو گئے، گھر برباد ہوئے اور ذلت الگ نصیب ہوئی۔ اس کے بعد اگر اللہ ہمیں ایک مضبوط حکومت دے تو ہم ایسے کافروں سے کیوں نہ لڑیں گے۔

لیکن ہوا وہی، جس کا ڈر تھا کہ جب جہاد کا حکم ہوا تو اکثر بھاگ گئے اور حیلوں حوالوں سے جان چھڑانے لگے اُس وقت قاعدہ یہ تھا کہ نبی الگ ہوتے تھے اور بادشاہ نبی کی اطاعت میں حکومت کا کام چلاتے تھے۔ سو اللہ کے حکم سے انھوں نے طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ یہ بن یامین کی اولاد میں سے تھے اور پہلے حکومت یہوداکے خاندان میں آرہی تھی جو امیر بھی تھے

تو کہنے لگے "یہ کیسے بادشاہ ہو سکتا ہے حکومت تو ہمارا حق ہے اور پھر اس کی تو مالی حیثیت بھی نہیں!"

لٰلہ کے نبی نے فرمایا کہ اسے اللہ نے چُن لیا ہے۔ اللہ کی مرضی جسے چاہے حکومت دے اور پھر یہ شخص علم میں اور وجاہتِ ذاتی میں تم سے بہت بڑھا ہوا ہے اللہ نے اسے علم سے نوازا ہے یہ سیاست و حکمرانی اللہ کے قانون کے مطابق کر سکتا ہے اور پھر وجیہ و خوبصورت جوان ہے۔

پتہ چلتا ہے کہ حکمران کو دین کا علم ہونا چاہیے یا ایسے صاحب علم لوگوں کا ساتھ جو ہر مرحلہ پر رہنمائی کر سکیں اور سیاست و حکمرانی اللہ کے حکم کے مطابق ہو نیز صحت مند جسم ہی صحت مند ذہن بھی رکھتے ہیں کہ حکمران بعض بیماریوں اور ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے بھی کاروبارِ سلطنت خراب کر بیٹھتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ملک اللہ کا ہے جسے چاہے بخش دے اور تمھارا اعتراض بے جا ہے کہ وہ حکومت کی استعداد نہیں رکھتا۔ اللہ جب ذمہ داری دیتا ہے تو استعداد بھی عطا فرما دیتا ہے۔

منصب کی اہلیت

اہلِ اللہ میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مناصب یا تو اُن صاحبِ حال لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں جو عالم ہوں اور اگر علم ظاہر نہ رکھتے ہوں اور منصب نصیب ہو جائے تو پھر علمِ لدنّی عطا کر دیا جاتا ہے اور بڑے بڑے فضلا پھر ان سے علمی استفادہ بھی کرتے ہیں۔ صوفیا میں ہمیں بہت سے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔ ان سب پر اللہ کی رحمت ہو۔

کہنے لگے "آپ کا ارشاد بجا! لیکن اگر کوئی ظاہری نشان بھی نصیب ہو تو تسلی ہو جائے"

فرمایا اس کے بادشاہ ہونے کی دلیل کے طور پر تمھیں وہ تابوتِ سکینہ، جس میں حضرت موسٰے و ہارون علیہم السلام کی بچی

ہوئی چیزیں لباس اور جوتے وغیرہ، نیز عصائے موسوی، تورات کی تختیوں کے ٹکڑے، غالباً یہ وہ تختیاں ہوں گی جو طور پر موسے
علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں، موجود ہیں بغیر کسی محنت کے مل جائے گا اور اسے فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے۔

چنانچہ اللہ نے عمالقہ پر مصیبت بھیج دی کہ جس بت خانے میں صندوق رکھتے، بت تباہ ہو جاتے۔ اور جس شہر یا گھر میں
رکھتے وہ برباد ہو جاتا۔ انھوں نے کسی جانور پر لاد کر جنگل کو بھگا دیا۔ جسے فرشتے ہنکا کر بنی اسرائیل کے پاس لے آئے۔

رکوع ۳۳ آیات ۲۴۹ تا ۲۵۳

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ
إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ
شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ
لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا
مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا
جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ
وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ
أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ
فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً
بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۹﴾

غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے
(ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش
کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لیگا (اس کی
نسبت تصور کیا جائیگا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پئے گا
وہ (سمجھا جائیگا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر
پانی لے لے (تو خیر جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند شخصوں
کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور
مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے
کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت
نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا
ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت
پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۲۴۹﴾

249. And when Saul set out with the army, he said: Lo! Allah will try you by (the ordeal of) a river. Whosoever therefore drinketh thereof he is not of me, and whosoever tasteth it not he is of me, save him who taketh (thereof) in the hollow of his hand. But they drank thereof, all save a few of them. And after he had crossed (the river), he and those who believed with him, they said: We have no power this day against Goliath and his hosts. But those who knew that they would meet their Lord exclaimed: How many a little company hath overcome a mighty host by Allah's leave! Allah is with the steadfast.

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا
رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ
أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۵۰﴾

اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے
تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور
ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتحیاب کر ﴿۲۵۰﴾

250. And when they went into the field against Goliath and his hosts they said: Our Lord! Bestow on us endurance, make our foothold sure, and give us help against the disbelieving folk.

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ
دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ
وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ
اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۲۵۱﴾

تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت
دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے
ان کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور
اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے)
سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن خدا
اہل عالم پر بڑا مہربان ہے ﴿۲۵۱﴾

251. So they routed them by Allah's leave and David slew Goliath; and Allah gave him the kingdom and wisdom, and taught him of that which He willeth. And if Allah had not repelled some men by others the earth would have been corrupted. But Allah is a Lord of Kindness to (His) creatures.

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ
بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾

یہ خدا کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر
سناتے ہیں اور (اے محمد) تم بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہو ﴿۲۵۲﴾

252. These are the portents of Allah which We recite unto thee (Muhammad) with truth, and lo! thou art of the number of (Our) messengers;

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ
وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا
عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ
وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ وَلَوْ
شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن
بَعْدِهِم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ
الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُم
مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ ۚ
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَٰكِنَّ
اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿٢٥٣﴾

یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں)، ان میں سے
ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض ایسے
ہیں جن سے خدا نے گفتگو کی اور بعض کے (دوسرے
امور میں) مرتبے بلند کئے۔ اور عیسیٰ ابن مریم کو ہم
نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں۔ اور روح القدس
سے ان کو مدد دی۔ اور اگر خدا چاہتا تو ان سے پچھلے
لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس
میں نہ لڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان
میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر
ہی رہے اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ و
قتال نہ کرتے۔ لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿۲۵۳﴾

253. Of those messengers, some of whom We have caused to excell others, and of whom there are some unto whom Allah spake, while some of them He exalted (above others) in degree; and We gave Jesus son of Mary, clear proofs (of Allah's sovereignty) and We supported him with the holy Spirit.30 And if Allah had so willed it, those who followed after them would not have fought one with another after the clear proofs had come unto them. But they differed, some of them believing and some disbelieving. And if Allah had so willed it, they would not have fought one with another; but Allah doeth what He will.

اسرار و معارف

فلما فصل طالوت .... لمن المرسلین ۔

اب جہاد کی تیاری شروع ہوئی اور حضرت طالوت لشکر کو لے کر چلے تو فرمایا اللہ نے تمہارا امتحان مقرر کیا ہے کہ راستے میں نہر پڑتی ہے لیکن اس سے پانی پینے کی اجازت نہیں ہاں اگر کوئی چلّو بھر کر پی لے تو اجازت ہے ۔
اب سفر اور گرمی کے مارے ہوئے لوگ صبر نہ کر سکے سوائے ایک محدود تعداد کے جن کے ایمان مضبوط تھے ۔ جس نے پیٹ بھر کے پانی پیا وہ چلنے کے قابل ہی نہ رہا اور نہ اس کی پیاس ہی بجھ سکی ۔ جنہوں نے چند گھونٹ لیے پیاس بھی بجھ گئی اور جہاد کی فضیلت بھی نصیب ہوئی ۔ مگر جب جالوت کے لشکر کا سامنا ہوا تو یہ تعداد میں بہت کم تھے کچھ لوگ گھبرا گئے کہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے ۔ جالوت عمالقہ کے حکمران کا نام تھا جو بہت خود سر اور سخت مزاج تھا اور ایک بڑا لشکر اس کے پاس تھا ۔ مگر ان میں بھی جو اخص الخواص اور اکمل تھے کہنے لگے ۔ کہ فتح و شکست اللہ کے ہاتھ ہے کتنی کم تعداد جماعتوں کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں جو اپنے سے بڑے لشکروں پر فتحیاب ہوئیں ۔
لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں ، ناقص ، جو پانی پر بھی صبر نہ کر سکے اور پیچھے رہ گئے ، کامل جو دنیاوی نعمتوں پر صبر کرتے

ہوئے آگے بڑھے اور اگلی جو اُن کے لئے بھی ثابت قدمی کا سبب بنے۔

جب جالوت کے لشکر کے مقابل ہوئے تو اللہ سے دعا کی کہ ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمارے دلوں پر اپنی طرف سے صبر اور استقامت کی قوت نازل فرما! نیز ہمیں کفار پر فتح دے اور یہی توکّل ہے کہ اللہ سے دعا بھی کرے، اسباب ظاہری پوری کوشش سے اختیار کرے اور پھر نتیجہ اللہ کے سپرد کردے جو اللہ کی طرف سے ہو اس پر راضی رہے۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے، جو اُس وقت نوعمر تھے اور کمزور اور زرد رُو تھے اللہ کے حکم سے جالوت کو قتل کرکے اس کا غرور خاک میں ملا دیا۔ طالوت نے انہیں بیٹی کا رشتہ بھی دیا اور پھر سلطنت بھی انہی کو منتقل ہوگئی اور اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمادیا اور جس قدر کمالات رب کو منظور ہوئے عطا فرمائے جیسے لوہا ان کے ہاتھ میں موم کردیا، زرہ بنانے کا فن سکھایا جس سے اپنی روزی حاصل کرتے اور حکومت اللہ کے لئے کرتے تھے تمام جانوروں کی زبان سمجھتے تھے۔ اللہ نے زبان میں سوز رکھا نیز پہاڑ اور درخت ان کے ساتھ مل کر ذکر کرتے تھے جسے ذکرِ حال نہ سمجھا جائے کہ وہ تو ہر شے اللہ کا ذکر ہمہ وقت کررہی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خصوصیت تو یہ تھی کہ پہاڑ اور چٹانیں زبانِ قال سے ان کے ساتھ مل کر اللہ کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ اللہ ہمیشہ بدی کا نیکی سے اور بدکاروں کا نیکوکاروں سے ردّ فرماتے رہتے ہیں یہ بھی اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اور جہان والوں پر کرم اور اللہ تو ہے عالمین پر کرم فرمانے والا۔

یہ سب احوال اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر بیان ہوتے ہیں اور بالکل درست اور صحیح۔ جبکہ آپ ﷺ نے نہ کسی سے پڑھا، نہ سُنا۔ تو یہ آپ ﷺ کی رسالت کی بھی بہت بڑی دلیل ہے جہاں ان میں ترغیب و ترہیب ہے وہاں ان کا بیان آپ ﷺ کا ایک بہت بڑا معجزہ بھی ہے اور آپؐ کی بعثت کے بعد نوع انسانی کو آپ ﷺ کی اطاعت یا پھر اللہ کی گرفت، دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

تلک الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض .... ولکن اللہ یفعل ما یرید۔

پارہ دوم نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کے اثبات کے موضوع پر ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ اُمتوں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احوال اس صحت کے ساتھ بیان کرنا حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل قرار دیا۔ کہ آپ ﷺ نے نہ کسی مکتب و مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، نہ کسی راہب و عالم سے کچھ سیکھا، نہ آپ ﷺ نے کسی قصہ گو کی

مجلس اختیار فرمائی اور نہ عوامی میلوں میں کبھی شرکت فرمائی بلکہ ایک ایسے معاشرے میں جس میں تعلیم و تعلّم کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں، بحالت یتیمی پرورش پائی اور پھر آپ ﷺ کا بچپن بھی سادگی، سنجیدگی، صداقت، شرم و حیا اور تنہائی کے لمحات پر محیط ہے ایسے شخص کا جس کی عمرِ عزیز چالیس سال سے متجاوز ہو رہی ہے اور یہ چالیس برس صداقتوں کے سنگِ میل ہیں اعلان فرمانا کہ اللہ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے سراسر حق ہے کہ جس ہستی نے اتنی عمر میں کسی انسان پر بھی جھوٹ نہ بولا ہو، وہ یکایک اللہ پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے اور پھر اس کے ساتھ وہ حقائق پوری صحت کے ساتھ بیان فرمانا جنہیں سابقہ امتوں کے علماء بھی صحت کے ساتھ بیان نہیں کر سکتے بے شک آپؐ کی رسالت کی دلیل ہے۔

اس کے بعد انبیاءؑ و رسلؑ کی فضیلت اور ان کا اعلیٰ مقام اور ان کی عظمت ارشاد فرما کر پھر آپ ﷺ کی عظمت کو جملہ انبیاء و رسل پر ارشاد فرمایا:

یہ اللہ کے رسولوں کی مقدس جماعت ہے۔ رسالت بجائے خود بہت بڑا مرتبہ ہے کہ نبی یا رسول ہی ایک ایسا فرد ہوتا ہے جو براہِ راست ذاتِ باری سے اخذِ فیض کرتا ہے باقی مخلوق اس استعداد سے محروم ہے اور ساری مخلوق کے لیے انتہائے کمال یہ ہے کہ اپنے نبی یا رسول سے ایسی نسبت حاصل ہو جائے کہ وہ اس کی وساطت سے فیوضاتِ باری پا سکے۔

انبیاء و رسلؑ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں کہ براہِ راست ذاتِ باری سے حصولِ فیض کے لیے عصمت شرط ہے اس لیے اگر کسی نے حضور ﷺ کے بعد بھی کسی انسان کو معصوم مانا تو گویا وہ آپ ﷺ کے بعد اجرائے نبوت کا قائل ہے اور یہ کفر ہے کیونکہ نبوت و رسالت آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر ختم ہے۔ اب قیامت تک یہی امت ہے یہی کتاب اور یہی دین رہے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے نزول کے بعد اپنی کتاب یا شریعت پر عمل نہ فرمائیں گے بلکہ خود شریعتِ محمدی ﷺ کے تابع ہوں گے اور لوگوں کو بھی اسی کی تعلیم و تلقین فرمائیں گے۔

انبیاء و رسل اگرچہ نبوت میں سب شریک ہیں مگر عند اللہ قرب میں اور آخرت کے ثواب میں اپنے اپنے مدارج ہیں جس میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ انبیاءؑ کے درمیان تفضیل نہ کیا کرو۔ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کام اپنی رائے سے مت کرو، کسی انسان کے بس کا نہیں۔ ہاں! اگر کتاب اللہ یا حدیث پاک سے ثابت ہو تو پھر اس پر ایمان رکھنا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ وصفِ نبوت میں سب برابر ہیں۔ فرق صرف مراتب قربِ الٰہی میں ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ارشاد فرما سکتا ہے یا اللہ کے حکم سے اللہ کا رسول بتا سکتا ہے۔

اہلِ اللہ کی باہم دِگر فضیلت

نیز ایسی فضیلت کسی حال نہ دی جائے جس میں دُوسرے نبی کی کسرِ شان ہو کہ سب اعلیٰ اور اچھے ہیں پھر بعض اچھوں میں بھی بہت اچھے ہیں اور یہی طریقہ اہل اللہ کی ذوات سے بھی روا رکھنا چاہیے کہ ولایت کا تعلق بندے اور اللہ کے بین ہے۔ اللہ ہی جانے کہ کون زیادہ مقبول ہے۔ ہاں حالات و واقعات بیان کرنے میں حرج نہیں مگر اس احتیاط سے کہ کسی ایک کے ذکر سے دُوسرے ولی اللہ کی توہین کا پہلو نہ نکلتا ہو۔

اب بعض فضائل کا ذکر ہے کہ کوئی براہِ راست اللہ سے ہمکلام ہُوا، کسی کو اس سے بھی زیادہ مراتب نصیب ہوئے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بغیر وحی کے واسطے کے اللہ سے شرفِ ہمکلامی نصیب ہوا۔ اللہ جس کو نبوت کے لیئے چُن لیتا ہے اسے عصمت عطا فرماتا ہے۔ یعنی نوعِ انسانی سے ہونا جملہ انسانی حاجات و ضروریات کے ساتھ اور زندگی کے جُملہ تقاضوں کو مختلف بھلے بُرے معاشرے میں رہ کر پُورا کرنا اور پھر ایسی دیانت، امانت، صداقت اور شرافت سے پُورا کرنا کہ زندگی بھر کبھی گناہ یا معصیت سرزد نہ ہو۔ معصُوم عن الخطا ہے یہ صرف اور صرف نبی کا شان اور مقام ہے غیر نبی کو نصیب نہیں۔ یہ رفعت انھیں حاصل ہے جن پر وحی نازل ہوئی۔ اب جس ہستی کو وحی کے بغیر براہِ راست اللہ سے شرفِ ہمکلامی نصیب ہوا اس کی شان کتنی بلند اور اس کی پاکیزگی و نفاست کس قدر اعلیٰ و ارفع ہو گی، سُبحان اللہ!۔

فرمایا بعض کے درجات اس سے بھی بہت بُلند ہیں جس سے مفسرین کرام کے نزدیک آقائے نامدار ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے کہ وہاں شرفِ ہمکلامی ہے مگر بلا حجاب نہیں اور پھر زمین ہی کے ایک حصہ پر یہ دولت نصیب ہوتی ہے مگر آقائے نامدار ﷺ آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے۔ کروڑوں، اربوں حجابات سے بالا، جہاں شرفِ ہمکلامی سے مشرف ہوئے کہ ارشاد ہوتا ہے۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔ جب یہ کلام ہو رہا تھا تو حاملِ وحی سدرۃ المنتہیٰ پہ منتظر تھے جو بہت نیچے ساتویں آسمان کے آخر پہ ایک مقام ہے اور حضور ﷺ اس سے بہت اُوپر، بہت آگے جہاں اللہ نے چاہا تشریف رکھتے تھے پھر تجلیاتِ باری سے بھی سیراب ہو رہے تھے کہ یہاں طور پر دیدارِ جمال کا تقاضا ہوا تو فرمایا لَن تَرَانِی کہ برداشت نہ کر پاؤ گے اور پھر واقعی جب کوئی ذرہ تجلیِ ذاتی کا جلوہ گر ہُوا تو نہ طُور برداشت کر پایا اور نہ اللہ کا رسُول ہوش میں رہا۔

یہاں بھی عُلمائے کرام کی دو آراء ہیں بعض کے نزدیک دیدارِ باری نہیں ہوا اور بعض کے نزدیک ہوا۔ کہ نہ ہونا تو دُنیا میں ہے، دنیا اور یہاں کی زندگی میں انسانی قوتِ برداشت ایسی نہیں کہ دیدار کر سکے۔ مگر آخرت میں نگاہ اور دل دونوں کو وہ قوت عطا ہو گی کہ مومن اپنے رب کا دیدار کر سکیں گے اور یہ بات تو بالائے عرش کی ہے۔

جب وجودِ مادی جو مادہ سے صورت پذیر ہے مگر استقدر شفاف، استقدر پاکیزہ استقدر لطائف سے پُر ہے

دیدارِ باری

کہ بالائے عرش جہاں پہنچنے کو روحیں ترستی ہیں وہاں تشریف لے جاسکتا ہے وہاں جب جنت و دوزخ کا ملاحظہ فرمایا جانا مذکور ہے براہِ راست ہمکلام ہونا مذکور ہے تو دیدار سے مشرف ہونے میں کوئی شے مانع نہیں بلکہ اللہ کا یہ فرمان ماذاغ البصر وما طغٰی بجائے خود دیدار باری کی دلیل ہے کہ اگر جمالِ باری کا دیدار نہیں ہوا تو پھر آنکھ کس چیز سے نہیں بھٹکی ۔ میری ناقص رائے میں سب سے قریب تر جو ذاتی تجلی تھی وہ صرف حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمائی اور دیدار باری سے مراد بھی یہی ہے کہ تجلیاتِ ذاتی کا دیدار ہوا ورنہ ذاتِ باری تو مخلوق کی رسائی سے بالاتر ہے ۔ اگر کوئی ایک آنکھ ہی سہی جب وہ اللہ کو سما سکے تو وجودِ باری محدود قرار پائے گا ۔ جو باطل ہے اللہ حدود سے بالاتر ہے ۔

اس کے دیدار سے مراد قریب ترین ذاتی تجلی جہاں تک مخلوق کی رسائی ہو سکی وہ حضور ﷺ نے مشاہدہ فرمائی یہ تجلی نہ عینِ ذات ہے اور نہ ذات سے جدا ہے اور اس کی فضیلت میں بھی بدستور ترقی ہوتی رہے گی اور قریب سے قریب تر تجلیات کا دیدار نصیب ہوگا کہ دیدار باری کے مختلف مدارج بلحاظ افراد کے ہوں گے ۔ بلحاظ مقامات کے ہوں گے اور بلحاظ اوقات کے ہوں گے جیسا کہ جنت میں سب جنتی دیدار باری سے ضرور مشرف ہوں گے مگر اپنے اپنے درجے کے مطابق ۔ ایسے ہی بلحاظ فرد اور بلحاظ مقام سب پر آقائے نامدار ﷺ کی ذات گرامی کو فضیلت حاصل ہے ۔

ایسے ہی عیسٰے علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے کہ بیماروں کو اچھا کرنا ، مادر زاد اندھوں کو بینا کرنا اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کر دینا ، مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں دم کرنا اور اس کا زندہ ہونا ، مُردوں کو زندہ کرنا آپ کے معجزات میں سے تھا ، اور آپ پر آسمان سے خوان اتارا گیا تھا ۔ نیز یہود سے حفاظت کے لئے روح القدس یعنی جبرائیل امین آپ کے ساتھ رہتے تھے ۔ یہ سب اللہ کے انعامات تھے ، ان کی صداقت اور حقانیت کا ثبوت تھے ۔ نہ یہ کہ یہود نے موسٰے علیہ السلام کو تو مانا مگر عیسٰے علیہ السلام کی توہین پہ اُتر آئے اور عیسائی حضرات نے حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا ۔ یہ دونوں نظریے باطل قرار پائے اور کمالاتِ موسوی نیز کمالاتِ عیسوی ان حضرات کی نبوت کا ثبوت اور اللہ کے انعامات ہیں ۔ ان کے ارشادات اور ان کی تعلیمات پہ عمل ہی کا نام ان سے نسبت ہے ۔

مشرکینِ عرب کے ساتھ یہود و نصارٰے ہی دو قومیں تھیں جو اپنی مذہبی حیثیت منوانے پہ مصر تھیں اور خود کو حق پر کہتی تھیں ۔ انبیاء کے فضائل کے ضمن میں یہ بات بھی واضح ہو گئی ۔ انبیاءِ سابقہ کی تعلیمات میں بھی یہ بات موجود تھی کہ بعثتِ محمدی

ﷺ کے بعد صرف حضور ﷺ کا اتباع ضروری ہوگا۔

اب ہر شخص کا معاملہ اللہ سے ہے اور جیسا اس کا تعلق ہوتا ہے ویسے اللہ نتائج مرتب کرتا ہے وہ قادر ہے چاہتا تو سب کو بچا لیتا اور ایسی عظیم ہستیوں کی بعثت کے بعد اور اس قدر روشن دلائل کے بعد لوگ گمراہ نہ ہوتے۔ نہ ایک دُوسرے کا گلا کاٹتے اور نہ فساد بپا کرتے لیکن یہ سب کچھ ہُوا کہ اللہ کی حکمت نے انھیں اپنی راہ پسند کرنے کا اختیار بخشا تھا۔ لوگوں نے اختلاف کیا، آرا میں، اعمال میں اور یہی اختلاف بڑھ کر قتل و غارت گری تک جا پہنچا۔ کوئی ایمان پر قائم نہ رہا اور کچھ دُوسرے کفر کی گمراہی میں چلے گئے۔ اللہ تو قادر ہے اگر بچانا چاہتا تو یقیناً ایک دُوسرے کو قتل نہ کرتے، مگر وہ حکیم و دانا ہے اور مالک و مختار جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اس میں بہت بڑی تسلّی آپ ﷺ کے لئے بھی ہے کہ اختلاف لوگوں کی فطرت ہے یقیناً آپ ﷺ سے بھی کریں گے کہ کبھی سارے لوگ ایک بات پہ جمع نہیں ہوتے۔

رکوع نمبر ۳۴ آیات ۲۵۴ تا ۲۵۷ تلک الرسل ۳/۲

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَٰعَةٌ ۗ وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

اے ایمان والو جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اُس میں سے اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو۔ اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے۔ اور کفر کرنے والے لوگ ظالم ہیں (۲۵۴)

254. O ye who believe! Spend of that wherewith We have provided you ere a day come when there will be no trafficking, nor friendship, nor intercession. The disbelievers, they are the wrong-doers.

ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْحَىُّ ٱلْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ ۖ وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾

خدا (وہ معبود برحق ہے کہ) اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ۔ ہمیشہ رہنے والا اُسے نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ کون ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے اُسے سب معلوم ہے اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے) اسکی بادشاہی (اور علم) آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے اور اُسے اُن کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے (۲۵۵)

255. Allah! There is no God save Him, the Alive, the Eternal. Neither slumber nor sleep overtaketh Him. Unto Him belongeth whatsoever is in the heavens and whatsoever is in the earth. Who is he that intercedeth with Him save by His leave? He knoweth that which is in front of them and that which is behind them while they encompass nothing of His knowledge save what He will. His throne includeth the heavens and the earth, and He is never weary of preserving them. He is the Sublime, the Tremendous.

لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ

دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر

256. There is no compulsion in religion. The right direction is henceforth distinct

الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ
لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾
اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ
يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ
ع اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾

ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جو شخص
بُتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے
اُس نے ایسی مضبوط رسّی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے
والی نہیں اور خدا سب کچھ سُنتا اور سب کچھ جانتا ہے ﴿٢٥٦﴾
جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کا دوست خدا ہے کہ
اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے
اور جو کافر ہیں اُن کے دوست شیطان ہیں
کہ اُن کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لیجاتے ہیں
یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں کہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿٢٥٧﴾

from error. And he who rejecteth false deities and believeth in Allah hath grasped a firm handhold which will never break. Allah is Hearer, Knower.

257. Allah is the Protecting Friend of those who believe. He bringeth them out of darkness into light. As for those who disbelieve, their patrons are false deities. They bring them out of light into darkness. Such are rightful owners of the Fire. They will abide therein.

اسرار و معارف

یاایہا الذین اٰمنوا انفقوا .... والکفرون ھم الظلمون ۔

اصلاح احوال کی بنیاد

اصلاحِ احوال کی بنیاد معاشیات پر ہے اگر دیکھا جائے تو تمام مذاہب باطلہ کا ماحصل دُنیاوی خواہشات کی تکمیل کی آرزو ہے انسان مختلف اُمور میں ساری محنت حصُولِ زر پہ کرتا ہے کہ تکمیلِ خواہشات کا بہت بڑا ذریعہ دولت ہی ہے اور یہیں سے اختلافات اور فسادات کی ابتداء ہوتی ہے لیکن اگر دولت کے خرچ کو محدود کر دیا جائے تو ناجائز ذرائع سے حصُولِ دولت کی ضرورت رہتی ہے نہ فائدہ ۔

دُنیا کے معاشی نظام صرف حصولِ زر کے قواعد سے بحث کرتے ہیں، مگر اسلام رزق کو اللہ کی طرف سے تسلیم کرتا ہے کہ انسان صرف محنت کرنے کا مکلّف ہے رزق دینا اللہ کا اپنا کام ہے زیادہ عطا کرے یا کم۔ پھر رزق حاصل ہو جانے کے بعد اس کے مصارف متعین ہیں صدقاتِ واجبہ جن کا ادا کرنا واجب ہے اور نافلہ ۔

نفسِ انسانی، دنیا کی لذّات پر خرچ کرنا زیادہ پسند کرتا ہے مگر اللہ اِسے انفاق کی دعوت دیتا ہے۔ انفاق سے مراد اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا ہے خواہ وہ خرچ زکوٰۃ و صدقہ ہو یا بیوی بچوں کا خرچ ہو، جہاں بھی اللہ کی اطاعت میں خرچ ہو گا وہ انفاق فی سبیل اللہ میں شمار ہو گا تو ظاہر ہے کہ اس سے انسان کی دنیاوی ضروریات بھی پُوری ہوں گی اور آخرت کا اجر بھی مرتب ہو گا جو ابدی راحت ہے اور جس کے حصُول کے لئے دُنیا میں انسان کو بھیجا گیا ہے تو جب نگاہ تعمیرِ آخرت

پر ہوگی تو قبولِ حق میں کوئی شے مانع نہ ہوگی اور جو شخص آخرت کو چھوڑ کر اس عارضی اور فانی زندگی کی لذات پر قناعت کر لے تو ایسے کم ظرف سے بھلائی کی اُمید عبث۔

اس کے ساتھ تھوڑا سا نقشہ آخرت کا کھینچا گیا ہے کہ اعمالِ حسنہ ہی اس روز کا سرمایہ ہیں۔ ان کی جگہ نہ کسی کی دوستی پُر کر سکے گی نہ قیمتاً ایسی شے جو اس ضرورت کو پورا کرے بِل سکے گی۔ اور نہ کسی کی سفارش کام آئے گی کہ شفاعت کے لئے بھی ایمان شرط ہے اور مومن کبھی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دیتا۔ خطاءً کوئی فعل سرزد ہو تو فوراً توبہ کرتا ہے۔ اس کے ازالے کی کوشش کرتا ہے لیکن کافر بہت بڑے زیادتی کرنے والے ہیں کہ کائنات میں اپنی خواہشات اور آرزوؤں کا نفاذ چاہتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کائنات کا مالک اللہ ہے۔

اللہ لا الٰہ الا ھو .... وھو العلی العظیم۔

اللہ، جس کے سوا کوئی بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کی عبادت کی جائے ہر طرح کی اطاعت اسی کے لئے ہے جو ہمیشہ زندہ ہے اور ساری کائنات کی زندگی اس کی قدرت اور عطا سے ہے جو بذاتِ خود قائم ہے اور ساری کائنات اور اس کے جملہ نظام کو قائم رکھنے والا ہے۔ جسے نہ کبھی سستی متاثر کر سکتی ہے اور نہ جس پر کبھی نیند طاری ہو سکتی ہے، نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ ہی کمزور، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اور جو حقیقتاً ارض و سما، اور مافیہا کا مالک ہے جس کی عظمت و ہیبت کے سامنے کسی کو مجالِ دم زدن نہیں۔ کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے سوا کسی کی سفارش بھی کر سکے۔ وہ ساری مخلوق کے اوّل و آخر اور ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ ہے۔ ہر وقت ہر شے سے باخبر ہے اور مخلوق اس کے علم کو احاطہ نہیں کر سکتی صرف اُسی قدر جان سکتی ہے جس قدر وہ خود آگاہ فرما دے۔ جس کو جو بخش دے وہی اس کا کمالِ علم ہے اس سے آگے کچھ نہیں جان سکتا۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں سے وسیع تر ہے اور تمام جہانوں کو تھامنا قائم رکھنا، ان کا نظام چلانا اسے کچھ بھی تو گراں نہیں وہ بہت برتر اور عظمت والا ہے۔

لفظ کرسی سے اپنے معاملات پر قیاس نہ کیا جائے اللہ نشست و برخاست اور حیز مکان سے بالاتر ہے۔ ان آیات کی حقیقت و کیفیت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے البتہ یہ ثابت ہے کہ عرش و کرسی دو عظیم الشان وجود ہیں جو ارض و سما سے بہت بڑے ہیں۔

ابن کثیر میں بروایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نقل ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ

کُرسی کیا ہے اور کیسی ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمان اور زمینیں کُرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کسی بڑے میدان میں کوئی حلقہ انگشتری۔ جیسا دوسری روایات میں ہے کُرسی کی مثال عرش کے سامنے ایسی ہے جیسے کسی بڑے میدان کے مقابل ایک انگشتری۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ کی ذات وصفات کے کمالات کا عجیب انداز میں بیان ہے کہ جسے جاننے کے بعد کوئی ذرہ بھر عقل رکھنے والا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ تمام عزت وعظمت اور اقتدار و اختیار اُسی ذات بے ہمتا کو سزاوار ہے۔

یہ آیہ کریمہ "آیۃ الکرُسی" کہلاتی ہے احادیث مبارکہ میں اس کے بے شمار فضائل اور برکات کا ذکر ہے۔ شیطان اور اس کے وساوس سے بچنے کے لئے اور اللہ کی رحمت وشفقت کو پانے کے لئے حضور ﷺ نے ہر فرض نماز کے بعد اس کو پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

لا اکراہ فی الدین .... واللہ سمیعٌ علیم۔

یہ سب پر واضح ہو جانے کے بعد اب کسی کو قبول اسلام کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کے معجزات اور نزول کتاب سے ہدایت اور حق واضح ہو گیا اور راہ روشن ہو گئی۔ اب ہر انسان کو اختیار ہے کہ حق کو قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن اگر کفر پہ بھی قائم رہے تو دنیا میں فساد بپا کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ بلکہ جس طرح سانپ بچھو کو مارا جاتا ہے کہ مخلوق کو ایذا نہ دیں۔ اسی طرح مسلمان کافروں سے جہاد کریں۔ حتیٰ یعطوا الجزیہ وھم صٰغرون۔ کہ وہ اگر کفر پہ رہنا چاہتے ہیں تو رہیں مگر جزیہ دے کر، اور قانون اسلام کے تابع ہو کر۔ ہاں! ایک اختیار ہر حال میں دیا جائے گا کہ ایمان دل کا فعل ہے اگر چاہیں تو ایمان لے آئیں نہ چاہیں تو نہ لائیں۔

اس کا ایک سرکاری ترجمہ بھی ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی کو نہ پوچھا جائے خواہ وہ نماز ادا کرے یا نہ اور روزہ رکھے یا نہ۔ یہ تاثر سراسر غلط ہے۔ یہ رعایت صرف قبولِ اسلام کے لئے ہے جب قبول کر لیا تو تمام احکام پر عمل کرنا ہوگا ورنہ حاکم مکلف ہے کہ عمل نہ کرنے والوں کو وہ سزائیں دے جو حضور ﷺ نے مقرر فرمائی ہیں ورنہ حاکم بھی ساتھ ماخوذ ہوگا اور ایک ایک بدکار کے ساتھ روزِ حشر جوابدہ ہوگا۔

جس کسی نے طاغوت یعنی شیطان خواہ جنّوں سے ہو یا انسانوں سے، کا انکار کیا۔ اس سے اپنی اُمیدیں توڑ لیں اور اللہ پر ایمان لایا۔ اپنی تمام اُمیدوں کا مرکز اللہ کو یقین کیا تو اس نے ایک ایسا حلقہ تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے یعنی ہمیشہ

کامیاب رہا اور اللہ ہر ایک کی سُنتا بھی ہے اور سب کے بھیدوں اور ارادوں کو جانتا بھی ہے ۔

اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا .... ھم فیھا خٰلدون ۔

اللہ مومنین کا دوست ہے، اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے جب اُس کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں تو وہ کُفر کی تاریکی اور گمراہی کی دلدل سے نکال کر دینِ اسلام کے نورُ سے منور کرتا ہے اُن کے دل روشن اور آنکھیں بینا ہوتی ہیں انھیں عقلِ سلیم عطا ہوتی ہے اور اللہ اُن پر ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جو لوگ اللہ کی عظمت کا انکار کرتے ہیں یا اللہ کے سوا کسی سے اُمیدیں باندھتے ہیں ان کے ساتھ شیطان لگ جاتے ہیں ۔ جنّوں سے بھی اور انسانوں سے بھی ۔ یہ شیطان انھیں نورِ اسلام، نورِ ہدایت سے دُور لے جا کر کفر کی تاریکیوں اور بُرائی کی دلدلوں میں پھنساتے ہیں ۔ ایسے ہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

یاد رہے دین کسی پر زبردستی نہ ٹھونسا جائے گا مگر قبولِ اسلام کے بعد عمل ضرور کرایا جائے گا اور اگر بعد قبول ترک کر دے تو باغی قرار پا کر قتل کیا جائے گا ۔ جو لوگ قبول نہ کریں انھیں بھی اللہ کی زمین پر بے لگام نہیں چھوڑا جانا چاہیئے بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہر اُس کافر سے جہاد کریں جو اللہ کی زمین پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتا ہے یا کیئے ہوئے ہے، اور عین جہاد میں ان لوگوں کو جو بے ضرر ہیں خواہ کافر ہوں کچھ نہ کہا جائے گا جیسے بوڑھے، بچے، عورتیں یا اپاہج وغیرہ ۔

غرض مسلمانوں کے فرائض ہیں، اللہ کی زمین سے ظلم و ستم کو مٹا کر امن و امان اور عدل و انصاف کا قیام بھی ہے ۔

رکوع نمبر ۳۵ آیات ۲۵۸ تا ۲۶۰ — تلک الرسل ۳/۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ
فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ
قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ
وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ
قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا
مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ
وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ۲۵۸

بھلا تم نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور) کے سبب سے کہ خدا نے اُس کو سلطنت بخشی تھی ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا جب ابراہیم نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے ۔ وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں ۔ ابراہیم نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکال دیجیے (یہ سُن کر) کافر حیران رہ گیا ۔ اور خدا بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ۲۵۸

258. Bethink thee of him who had an argument with Abraham about his Lord, because Allah had given him the kingdom; how, when Abraham said: My Lord is He who giveth life and causeth death, he answered: I give life and cause death. Abraham said: Lo! Allah causeth the sun to rise in the East, so do thou cause it to come up from the West. Thus was the disbeliever abashed. And Allah guideth not wrong-doing folk.

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ
أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا
فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ
بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ
لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ
إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ
وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ
آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ
كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا
لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ
أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاق گذر ہوا تو اس نے کہا کہ خدا اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ تو خدا نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ خدا نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق) سڑی بسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کیلئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے) کی ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انکو کیونکر جوڑے دیتے اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں جب یہ واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے ﴿٢٥٩﴾

259. Or (bethink thee of) the like of him who, passing by a township which had fallen into utter ruin, exclaimed: How shall Allah give this township[31] life after its death? And Allah made him die a hundred years, then brought him back to life. He said: How long hast thou tarried? (The man) said: I have tarried a day or part of a day. (He) said: Nay, but thou hast tarried for a hundred years. Just look at thy food and drink which have not rotted! Look at thine ass! And, that We may make thee a token unto mankind, look at the bones, how We adjust them and then cover them with flesh! And when (the matter) became clear unto him, he said: I know now that Allah is Able to do all things.

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ
تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ
قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي
قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ
فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ
كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ
ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ
أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾

اور جب ابراہیم نے (خدا سے) کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔ خدا نے فرمایا کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ لیکن (میں دیکھنا) اسلئے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کر لے۔ خدا نے فرمایا کہ چار جانور پکڑوا کر اپنے پاس منگا لو (اور ٹکڑے ٹکڑے کرا دو) پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھوا دو پھر انکو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ خدا غالب اور صاحب حکمت ہے ﴿٢٦٠﴾

260. And when Abraham said (unto his Lord): My Lord! Show me how Thou givest life to the dead, He said: Dost thou not believe? Abraham said: Yea, but (I ask) in order that my heart may be at ease. (His Lord) said: Take four of the birds and cause them to incline unto thee, then place a part of them on each hill, then call them, they will come to thee in haste. And know that Allah is Mighty, Wise.

اسرار و معارف

الم تر الی الذی حاج ابراھیم .... واللہ لا یھدی القوم الظلمین .

ایمان مسلط اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے دل پر وارد ہوتی ہے اور جس کے ورود کا سبب وہ خواہش ہے جسے کتاب اللہ نے انابت کا نام دیا ہے اگر کسی دل میں انابت ہی نہ ہو تو لاکھ کوشش اور ہزار حجت کے بعد بھی اسے ایمان نصیب نہیں ہوتا . پھر یہاں زبردستی کیسی ؟

اس ضمن میں بطورِ مثال ارشاد ہے کہ ـــــــ ذرا اس شخص کے حالات دیکھئے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا اور وہ بھی ربُوبیت باری میں۔ حالانکہ اللہ نے ہی اسے ملک عطا کیا تھا یعنی خود اس کی ذات اور اس کی بہت بڑی سلطنت رُبوبیتِ باری ہی کے تو مظہر ہیں اور حق یہ تھا کہ وہ شُکر ادا کرتا مگر اُس نے سرکشی اختیار کی خود خدا ہونے کا دعوےٰ کیا اور لوگوں سے کہا "تمھارا رب مَیں ہوں مجھے سجدہ کرو!"

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بُت توڑے اور اعلانِ نبوت فرمایا تو اُس نے دربار میں طلب کر کے پُوچھا، آپ کس رب کی طرف دعوت دے رہے ہیں؟ سب کا رب تو میں ہوں اور تمام لوگوں کی ضروریات تو میری حکومت پُوری کر رہی ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، میرا رب وہ ہے یا میں اُس رب کی طرف دعوت دیتا ہوں جو زندگی بخشتا ہے، جو خالق ہے اور جو موت دیتا ہے کہ وقتِ مقرر پر ہر کوئی موت کے مُنہ میں چلا جاتا ہے حتیٰ کہ رُبوبیت کے جھوٹے مدعی بھی پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں، کائنات کے نظام کو نہ ان کی پیدائش متاثر کر سکتی ہے نہ موت۔ اگر تو اور تیرے جیسے بندے رب ہوتے تو یقیناً ان کے سوا یہ عالم قائم نہ رہ سکتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے حقیقی رب وہی ہے جو زندگی اور موت کا بھی دینے والا ہے۔

اس کے جواب میں نمرُود نے دو قیدی منگوائے ایک کو بری کر دیا اور دُوسرے کو قتل کرا دیا۔ اور کہنے لگا، مَیں بھی تو زندگی اور موت کا دینے والا ہوں۔

کس قدر احمقانہ جواب تھا مگر یہ بات نمرُود بھی جانتا تھا کہ مناظرے کے جج عوام ہوا کرتے ہیں جن کی اکثریت علم سے عاری اور محض باتوں پر فدا ہوتی ہے سو کٹ حُجتی کر گیا، مگر اللہ کے رسُولوں کے پاس دلائل بھی تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ اللہ ساری کائنات کا خالق ہے اس کے سارے نظام کا بنانے والا اور چلانے والا ہے اس نے سُورج کو مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف غرُوب ہونے پر مقرر فرمایا ہے۔ اگر تو رب ہے اور اس کائنات کو تُو چلا رہا ہے تو ذرا اس نظام کو بدل دے اور سُورج کو اُلٹے چکر پر لگا، مشرق سے طلوع ہونے کی بجائے مغرب سے نکل آئے۔

تو بوکھلا اُٹھا وہ جان گیا کہ اگر یہ سوال حضرت پہ لَوٹا دوں تو یقیناً جو رب مشرق سے طلُوع کرتا ہے وہ مغرب سے طلوع کرنے پر قادر ہے اگر اِن کی دُعا سے ایسا ہو گیا تو غضب ہو جائے گا لوگ اِن کی بات قبول کر لیں گے۔

اس کے علاوہ کوئی جواب نہ تھا، بھڑک اُٹھا اور آگ میں پھینکنے کا حکم دیا۔

روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب نمرود نے حضرت کو آگ میں ڈالنے کے لئے جیل سے طلب کیا اور پھر آگ میں ڈال کر آگ کو گلزار بنتے دیکھ لیا مگر کافر ہی رہا کہ اللہ ظالموں کو کبھی ہدایت اور ایمان نصیب نہیں فرماتا. دل جو صرف طلب الٰہی کے لیئے ہے اس میں دُنیا یا جاہ و حشمت کی طلب بھر دینا، کیا یہ بہت بڑا ظلم نہیں ہے ! ایسے ظالم کبھی ہدایت نہیں پاتے۔

اوکالذی مر علیٰ قریۃ .... ان اللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ

یا پھر ایسا ہی عجیب قصہ اُس شخص کا ہے جس کا گزر ایک اُجڑے ہوئے شہر سے ہوا۔ یہ شخص حضرت عزیر علیہ السلام تھے اور تباہ شدہ بستی بیت المقدس۔ جسے بخت نصر نامی بادشاہ نے بُری طرح برباد کر دیا تھا۔ جب بنی اسرائیل کی بدکاریاں حد سے بڑھیں تو اللہ نے بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا جو بہت ظالم تھا اُس نے شہر کو تاراج کر دیا، تورات کے تمام نسخے جلا ڈالے اور بے شمار لوگوں کو قتل کیا جو بچ رہے، اُنھیں قیدی بنا کرلے گیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام جو تباہی کے وقت جنگل کو نکل گئے تھے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ جب قوموں پر عذاب نازل ہو تو اللہ کے بندوں کو اُن سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ بخت نصر کی واپسی کے بعد جب شہر کو لوٹے تو سخت بربادی نظر آئی نہ سبزہ تھا نہ درخت باقی، نہ مکان تھے نہ مکینوں کا پتہ۔ کھنڈر انسانی وجودوں کے کٹے پھٹے متعفن ٹکڑوں سے بھرے پڑے تھے اور گلی سڑی لاشیں بربادی پہ نوحہ خواں تھیں تو بے ساختہ پکار اُٹھے کہ ان لوگوں کو اللہ کیسے زندہ فرمائیں گے یعنی اُن کی دوبارہ زندگی کی کیا صورت ہو گی ؟ جن کے اجزائے جسم درندے لے اُڑے، پرندوں نے نوچے، آگ میں جلے اور مکان کی راکھ میں مل گئے یا ہوا نے اُڑا دی۔

غرض بہت بُری طرح تباہ ہوئے اب یہ کیونکر زندہ ہوں گے۔ یہ ایک اظہار حیرت تھا۔ اللہ کی قدرت پر ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ ایسا ضرور ہو گا۔ مگر اس ہونے کی کیفیت کیا ہو گی، یہ اللہ ہی جانے۔

اسی سوچ میں آرام کرنے کو لیٹ گئے، سواری کا گدھا باندھا اور کچھ انگوروں کا رس اور انجیر وغیرہ کا توشہ جو جنگل سے لائے تھے رکھ دیا۔ سو اللہ نے ان پر ایسی نیند مسلط فرما دی جو موت کی طرح تھی، واقعتاً فوت نہ ہوئے تھے کہ برزخ سے لوٹ کر آدمی مکلف نہیں ہوتا حالانکہ آپ نے دوبارہ دُنیا کو اللہ کی طرف دعوت دینے کا فریضہ ادا فرمایا۔ نہ تو رُوح قبض ہو کر برزخ میں پہنچی اور نہ زندوں کے ساتھ کوئی تعلق رہا۔ بلکہ ان کی کیفیت اس کے درمیان رہی۔

اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے نہ صرف ان کے وجود کی حفاظت فرمائی بلکہ ان کے کھانے اور شربت کو بھی محفوظ رکھا کہ ایک صدی کا طویل فاصلہ بھی اُسے خراب کر سکا اور چشمِ عالم سے پوشیدہ بھی رکھا کہ کسی نے سو سال میں ان کا وجود یا کھانا پینا دیکھا نہ اس پر مٹی یا ڈھول جمی بلکہ ایسے ہی محفوظ ہے۔

جب اللہ نے اٹھایا تو خود ان کو اپنے وجود یا لباس میں کوئی ذرہ بھر تغیر نظر نہ آیا۔ گویا ایک صدی بیت گئی اور دوسری طرف ایک لمحہ بھی نہ گزرا۔ بالکل ایسے ہی جیسے حضور اکرم ﷺ شبِ معراج تشریف لے گئے۔ بیت المقدس اور پھر آسمانوں پر اور پھر آگے اور پھر جنت دوزخ کا مشاہدہ فرما کر واپس لوٹے تو وُہی وقت تھا، کُنڈی ہل رہی تھی اور بستر گرم، یعنی اِس جانب لمحہ بھی نہ گزرا تھا خواہ اُدھر سالوں بیت گئے ہوں۔ ایک صدی کے بعد اللہ نے اُٹھایا۔ دریں اثنا تقریباً ستّر سال بعد بنی اسرائیل قید و بند سے چھوٹے۔ بخت نصر کو ہلاک کیا اور انہیں دوبارہ آباد ہونے کی توفیق بخشی تیس سالوں میں شہر خوب آباد ہوا۔

اُدھر حضرت عزیر علیہ السلام اُٹھے تو اللہ نے استفسار فرمایا کہ آپ یہاں کتنی دیر ٹھہرے؟ عرض کیا، دن بھر، یا اس سے بھی کچھ کم دیر رکا ہوں۔ تو ارشاد ہوا کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے بلکہ آپ سو سال یہاں ٹھہرے ہیں اور ہماری قدرت کا تماشا دیکھیں کہ آپ اس طویل مدّت کو محسوس تک نہیں کر پائے۔ اسی طرح آپ کا توشہ بھی محفوظ ہے نہ کسی ذی رُوح نے چھیڑا ہے نہ ہی بادل یا بارش اور نہ ہی تیز ہوائیں اس کا کچھ بگاڑ سکیں اور نہ سو سال تک تمازتِ آفتاب نے اُسے متاثر کیا ہے اس کے ساتھ آپ کا گدھا تھا۔ جو حوادثات کی نذر ہوا۔ اس کی حفاظت نہیں کی گئی کہ آپ خود دیکھ سکیں کہ مُردے کس طرح سے جی اُٹھیں گے۔ اور کیا کیفیت ہوگی۔ اس کی ہڈیوں کو دیکھیں کس طرح یکجا ہوتی ہیں اور پھر کس طرح سے اس کے جسم کے ذرات جو ہوائیں لے اُڑی تھیں یا جانوروں اور پرندوں کی غذائیں بن گئے تھے یا آبی طوفانوں کی نذر ہوئے۔ واپس لوٹ کر پھر سے گوشت اور چمڑا بن کر اپنی اصلی جگہ پر آتے ہیں اور یہ سب عجائبات کا مشاہدہ اس لئے کرایا گیا کہ آپ اپنے سوال کا جواب بھی پا لیں۔ یعنی دوبارہ جی اٹھنے کی کیفیت بھی دیکھ لیں اور خود آپ کا وجود لوگوں کے لئے قدرتِ باری کی دلیل بن جائے۔

سماعِ موتیٰ

آجکل سماعِ موتیٰ اور عدمِ سماع کی بحث چل نکلی ہے اور عدمِ سماع کے قائل حضرات یہاں سے بھی دلیل پکڑتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اس لئے برزخ والے کچھ سُن نہیں سکتے

یہاں سے استدلال بے جا ہے کہ نہ حضرت عزیر علیہ السلام پر طبعی موت وارد ہوئی اور نہ آپ برزخ میں پہنچے، اور نہ اخذِ ثواب کی نوبت آئی۔ قطع نظر اس کے کہ مرنے والے کچھ سن سکتے ہیں یا نہیں؟ یہاں سے دلیل نہیں دی جا سکتی بلکہ حیات بعد الموت کا انکار۔ یہی کفار کے کفر پہ قائم رہنے کا سبب تھا اور ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ عقلِ انسانی سے یہ سب کچھ بالاتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کئی طرح سے اپنی قدرت کا اظہار فرما دیا کہ کھانا پانی اپنی اصلی حالت میں محفوظ رکھا اور چشمِ عالم سے پنہاں بھی۔ اپنے نبی کے وجود، لباس غرضیکہ ہر شے کو محفوظ بھی رکھا، چشمِ عالم سے پوشیدہ بھی اور خود نبی کو بھی پورے سو سال کے گزرنے کی خبر تک نہ ہونے دی۔ ساتھ میں گدھے پر موت آئی جسم گلا، سڑا، منتشر ہوا اور ایک صدی کا طویل عرصہ بیت گیا۔ پھر اسے اپنے نبی کے رُوبرو بنایا۔ زندگی بخشی اور فرمایا اب خود تیری ذات میری قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے اور وہ بستی جس کی بربادی پر آپ حیران ہوئے تھے دوبارہ آباد ہو چکی ہے اب اُسے بھی دیکھ لو!

چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور لوگوں سے فرمایا "میں عزیر نبی ہوں"۔

طویل روایات ملتی ہیں کہ لوگوں نے نشانیاں طلب کیں اور سب سے بڑی نشانی کہ بنی اسرائیل کے پاس سو سال سے تورات کا کوئی نسخہ نہ تھا سب بخت نصر نے جلا دیئے تھے۔ اللہ نے عزیر علیہ السلام کے قلب میں ڈال دی اور آپ نے دوبارہ لکھوا دی۔ یہ سب سامانِ ہدایت تھا اور بہت بڑا معجزہ تھا۔

مگر ہوا کیا کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔ ان کے دل میں انابت نہ تھی کہ ہدایت پاتے، اللہ نے انہیں اپنے قرب سے اپنی معرفت سے محروم فرما دیا اور اُدھر حضرت عزیر علیہ السلام نے یہ سب دیکھ کر فرمایا کہ میں تو یہ بات سب سے زیادہ جانتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

ایسے ہی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا،

اذ قال ابراھم .... انّ اللہ عزیز حکیم۔

اور اس موضوع پر بہت بڑی دلیل وہ واقعہ بھی ہے جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ اے پروردگار! مجھے یہ چیز دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟

فرمایا "کیا تجھے اس بات پر یقین نہیں؟"

عرض کیا۔ "یا اللہ! یقین کیوں نہیں، ضرور یقین ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ اس کیفیت کو آنکھوں سے دیکھوں تاکہ دلی اطمینان کا بہت اعلیٰ درجہ حاصل ہو۔"

دُنیا دارِ عمل ہے اور یہاں اسباب کو بہت دخل ہے حتیٰ کہ خود ربِّ کریم اسباب پیدا فرما کر نتائج کو ان کے ثمر کے طور پر پیدا فرماتا ہے۔ اسی طرح دیکھنا سکونِ قلبی اور کیفیاتِ قلبی کے لیے بہ نسبت سُننے کے زیادہ مؤثر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی قوم کی گوسالہ پرستی کی خبر تو ہو گئی مگر الواح نہ پھینکیں۔ اگرچہ بہت دُکھ بھی لگا۔ غصے بھی ضرور ہوئے ہوں گے۔ لیکن جیسے ہی آنکھوں سے قوم کو اس بُرائی میں ملوّث دیکھا تو الواح پھینک دیں، حضرت ہارُون علیہ السلام کی داڑھی کھینچ لی۔ اسی طرح سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! بذریعہ وحی معلوم ہے، یقین ہے، جانتا ہوں لیکن اے پروردگار! اے اسباب کے پیدا کرنے والے! جو تاثیر تُو نے مشاہدہ میں رکھی ہے، اس کا طلب گار ہوں، اپنے کرم سے مجھے مُردوں کے زندہ ہونے کی کیفیات کا مشاہدہ کرا دے۔

دُعا کا سلیقہ

اللہ کی بارگاہ بہت عالی ہے اور طالب کو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے دیکھیں حضرت عزیر علیہ السلام کی طلب بھی اسی کیفیت کے بارے تھی مگر الفاظ جو عرض کیے وہ اور تھے۔ ان میں حیرت تھی، کہ نامعلوم اللہ کیسے زندہ فرمائے گا۔ تو اللہ نے سو سال انھیں ایک ایسی کیفیت میں رکھا کہ نہ زندہ تھے اور نہ مُردوں میں اور تب اس کیفیت کا مشاہدہ ہوا۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُوسرے انداز میں عرض کیا کہ اللہ! جس طرح تو مُردوں کو زندہ فرمائے گا مجھے دِکھا دے۔ تو فوراً مشاہدہ کرایا گیا۔ لہٰذا عرض حال کے لیے بہت زیادہ احتیاط وادب کی ضرورت ہے۔

فرمایا، چار پرندے لے لیں اور انھیں اپنے ساتھ خوب ہلا لیں کہ ایک تو ان کی پہچان اچھی طرح سے ہو جائے دُوسرے آپ سے مانوس ہو کر آپ کی آواز پر لبیک کہیں۔

یہاں بھی اسباب کو درمیان میں رکھا کہ مانوس ہوں تب ہی جا کر آواز پر حاضر ہوں! اسی طرح نبی کی ذات سے اُنس پیدا نہ ہو تو ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ذاتی طور پر نبی کا دشمن ہو اور پھر مسلمان بھی رہے حتیٰ کہ ذاتِ نبی سے دشمنی خواہ آپ ﷺ کے قرابت داروں سے دشمنی کی صُورت میں ہو یا آپ ﷺ کے تابعداروں سے دشمنی کی صُورت میں ہو اس کا حامل کافر ہو جاتا ہے۔

یہی حال اخذِ فیض کے لیے شیخ کی ذات کا ہے جب تک ذات سے اُنس نہ ہو گا فیض حاصل نہ ہو گا۔ اولیاء اللہ سے

دشمنی کفر نہیں ہے کہ ان کا ماننا نہ تو فرض ہے اور نہ کسی ولی کو بالیقین ولی کہا جاسکتا ہے۔ مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بڑا درست ہے کہ اولیاء اللہ سے دشمنی کفر تو نہیں مگر ایسے لوگ مرتے عموماً کفر پر ہی ہیں۔

جب پرندے آپ کے ساتھ ہل جائیں تو انہیں ذبح کریں اور سب کو ملا کر کوٹ لیں۔ پھر ان اجزائے ابدان کو مختلف پہاڑوں پر پھینک دیں، اور اس کے بعد ان کو اپنی طرف بلائیں اور دیکھیں کہ دوڑے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوں گے حضرت نے ایسا ہی کیا اور روایت ہے کہ سر اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ جس پرندے کو آواز دیتے اس کے قطرہ ہائے خون خواہ پتھروں پہ گرے تھے یا زمین میں جذب تھے یا دوسرے پرندوں کے خون میں مل گئے تھے جدا ہو ہو کر آنے لگے۔ ایسے ہی گوشت پوست، ہڈیوں اور پروں کے ٹکڑے آ آ کر اپنے اپنے اجزاء کے ساتھ مل کر وجود بن گئے اور پھر سروں کے ساتھ جڑ کر زندہ پرندے، اور ارشاد ہوا کہ اچھی طرح جان لیں کہ اللہ زبردست ہے، جیسے چاہے کر سکتا ہے مگر بہت بڑا حکیم ہے اور اپنی حکمت سے ہر کام کا وقت مقرر فرما دیا ہے۔

ویسے انسان اپنے پیدا ہونے سے قبل اپنے وجود کے اجزاء کو دیکھے تو دنیا میں اس قدر منتشر نظر آتے ہیں کہ بعد مرگ اتنا پھیلنا محال دکھائی دیتا ہے، یہ اغذیہ، یہ ادویہ جو کچھ بھی ہم کھاتے ہیں سب مٹی ہے، پانی ہے، آگ اور ہوا ہے اسی کے مختلف روپ ہیں۔ کہیں غلہ، کہیں چاول، کہیں گنا اور کھانڈ، کہیں مرچ اور مصالحہ، کسی جگہ سبز چارے کی شکل میں ہے تو کہیں بھوسہ بن رہی ہے جسے جانور کھاتے ہیں۔ پھر دودھ یا مکھن کی صورت میں انسان کو نصیب ہوتی ہے۔ اس تمام عمل میں اتفاقات کا دخل نہیں بلکہ عند اللہ جو ذرۂ خاک جس جسم کے لئے مقدر ہے اسی کی طرف مائل بہ پرواز ہے۔ حتیٰ کہ انسان اپنے حصے کے اجزاء اپنے وجود پر چڑھا لیتا ہے مگر اولاد کے حصہ کے اجزاء اس کے صلب میں محفوظ ہو جاتے ہیں جو اُس کے بدن کی تعمیر پر صرف ہوتے ہیں جس کا وہ حصہ ہوتے ہیں اسی طرح ماں غذاء کھاتی ہے مگر وجود کے اندر حل ہونے کے بعد بھی تقسیم ہو جاتی ہے اور بچے کا حصہ اس کا جزوِ بدن نہیں بنتا بلکہ اس بدن تک پہنچتا ہے جس کا حصہ اسے اللہ نے مقرر فرما دیا ہے۔

آخرت کی تعمیر اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں، اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ کسی بدن کے اجزاء کہیں پہنچ جائیں تو انہیں ثواب یا عذاب پہنچتا ہے خواہ کسی دوسرے بدن کا حصہ ہی کیوں نہ بن چکے ہوں۔

اس عالم میں مکلف بالذات بدن ہے لیکن ہر لذت و ہر الم اپنا اثر روح پر بھی چھوڑتا ہے اسی طرح برزخ میں مکلف بالذات روح ہے مگر اُسے پہنچنے والی لذت یا دکھ کا اثر ہر اس ذرے پر بھی وارد ہوتا ہے جو اس کے اجزائے بدن

سے ہو اور میدانِ حشر میں، اور اس کے بعد دونوں برابر برابر شریک ہوں گے۔

کفار کا اللہ کی اطاعت سے منحرف ہونا اسی سبب سے ہے کہ وہ حیات بعد الموت کو ناممکن سمجھتے ہیں جس کا اثبات ان تین واقعات میں ارشاد فرما کر۔ اب ان لوگوں کی تمثیل ارشاد ہوتی ہے جو اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں جو ایماندار ہیں حیات بعد الموت پہ یقین رکھتے ہیں اور اپنی بہترین کوششوں کو اس کے لیۓ وقف کر دیتے ہیں۔

رکوع نمبر ۳۶ آیات ۲۶۱ تا ۲۶۶ تلک الرسل ۳

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ
سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ
مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن
(کے مال) کی مثال اُس دانے کی سی ہے جس سے سات
بالیں اُگیں اور ہر ایک بال میں سَو سَو دانے ہوں اور
خدا جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے وہ بڑی
کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۶۱﴾

261. The likeness of those who spend their wealth in Allah's way is as the likeness of a grain which groweth seven ears, in every ear a hundred grains. Allah giveth increase manifold to whom He will. Allah is All-Embracing, All-Knowing.

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ
اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اپنا مال خدا کے رستے میں صرف کرتے ہیں
پھر اس کے بعد نہ اس خرچ کا (کسی پر) احسان رکھتے
ہیں اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں۔ اُنکا صلہ اُن کے
پروردگار کے پاس (تیار) ہے اور (قیامت کے روز)
نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۲۶۲﴾

262. Those who spend their wealth for the cause of Allah and afterward make not reproach and injury to follow that which they have spent; their reward is with their Lord and there shall no fear come upon them, neither shall they grieve.

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ
مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَ
اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

جس خیرات دینے کے بعد (لینے والے کو) ایذا دی جائے
اُس سے تو نرم بات کہدینی اور (اسکی بے ادبی سے) درگزر
کرنا بہتر ہے اور خدا بے پروا (اور) بُردبار ہے ﴿۲۶۳﴾

263. A kind word with forgiveness is better than almsgiving followed by injury. Allah is Absolute, Clement.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا
صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ
يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ
تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ
مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

مومنو! اپنے صدقات (و خیرات) احسان رکھنے اور ایذا
دینے سے اُس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا جو لوگوں کو
دکھاوے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور خدا اور روزِ
آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس (کے مال) کی
مثال اُس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی
پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برس کر اسے صاف
کر ڈالے۔ (اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال
کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور خدا
ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۲۶۴﴾

264. O ye who believe! Render not vain your almsgiving by reproach and injury like him who spendeth his wealth only to be seen of men and believeth not in Allah and the Last Day. His likeness is as the likeness of a rock whereon is dust of earth; a rainstorm smiteth it, leaving it smooth and bare. They have no control of aught of that which they have gained. Allah guideth not the disbelieving folk.

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ

اور جو لوگ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے

265. And the likeness of

أَبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيتًا
مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ
بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ
أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ
فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ٢٦٥
أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهٗ
جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّأَعْنَابٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهٗ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَأَصَابَهُ
الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ
فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ
فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ٢٦٦

اور خلوص نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں
اُن کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ
پر واقع ہو (جب) اس پر مینہ پڑے تو دُگنا
پھل لائے اور اگر مینہ نہ بھی پڑے تو خیر پھوار ہی سہی
اور خدا تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے ٢٦٥
بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں
اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں
اور اس میں اُس کے لئے ہر قسم کے میوے موجود ہوں
اور اسے بڑھاپا آ پکڑے اور اُس کے ننھے ننھے بچے
بھی ہوں تو (ناگہاں) اُس باغ پر آگ کا بھرا ہوا
بگولا چلے اور وہ جل (کر راکھ کا ڈھیر ہو) جائے
اس طرح خدا تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر
بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو (اور سمجھو) ٢٦٦

those who spend their wealth in search of Allah's pleasure, and for the strengthening of their souls, is as the likeness of a garden on a height. The rainstorm smiteth it and it bringeth forth its fruit twofold. And if the rainstorm smite it not, then the shower. Allah is Seer of what ye do.

266. Would any of you like to have a garden of palm-trees and vines, with rivers flowing underneath it, with all kinds of fruit for him therein; and old age hath stricken him and he hath feeble offspring; and a fiery whirlwind striketh it and it is (all) consumed by fire. Thus Allah maketh plain His revelations unto you, in order that ye may give thought.

اسرار و معارف

مثل الذین ینفقون اموالھم .... واللہ غنیّ حلیم ۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مومن کے لیے ایسے ہے جیسے کاشتکار کہ وہ کھیتی بوتا ہے تو بظاہر کھیتی تیار کرنے کی مشقت اٹھاتا ہے پھر اپنی محنت سے کمائے ہوئے غلّے کو اس میں بکھیر دیتا ہے جو بظاہر محنت اور اثاثہ دونوں کا ضیاع نظر آتا ہے لیکن صرف اس شخص کو جو اس سارے کام کے انجام سے بے خبر ہے جو انجام کی اطلاع رکھتا ہے وہ پھر اس کی رکھوالی کرتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے جب ایک ایک دانے سے سات سات خوشے نکلتے ہیں یعنی خوب اعلیٰ پودا اُگتا ہے جس پر اسقدر خوشے لگتے ہیں اور وہ خوشے ایسے صحتمند کہ ہر خوشے میں سو سو دانا ہوتا ہے وہ تھوڑا سا غلّہ جو اس نے بیجا تھا بہت زیادہ غلّہ جمع کرنے کا سبب بن جاتا ہے مگر یہ سب اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب کھیتی اعلیٰ قسم کی ہو اور پھر اس پر محنت کی جائے غلّہ اچھا اور اعلیٰ ہو وقت پر بیجا جائے اور پھر اس کی پوری دیکھ بھال کی جائے ۔

ایسے ہی پہلے تو ایمان شرط ہے کہ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھے ۔ پھر بیج خالص ہو یعنی جائز اور حلال ذرائع سے

دولت پیدا کرے کہ اللہ حلال کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا اور پھر مستحقین پر خرچ کرے۔ محض دولت لُٹانا مقصد نہیں ہے بلکہ صدقات کو ان کے صحیح مصرف پہ خرچ کرے اور صحیح طریقے سے خرچ کرے یعنی اتباعِ سُنت کا اہتمام ہو تو اللہ قادر ہے کہ جتنا چاہے کسی کے اجر کو بڑھا دے وہ بہت وسیع بخشش کا مالک ہے۔ جس قدر اہتمام ہو سکے کرے کہ وہ علیم بھی ہے وہ تمہاری کوششوں یا تمہارے خلوص، تمہارے ارادوں اور تمناؤں کو جانتا ہے۔ تم جتنی محنت کرتے جاؤ گے اللہ اس اجر کو اسی قدر اپنی بخشش اور کرم سے بڑھاتے چلے جائیں گے۔

ہاں اس کی رکھوالی بھی کرو کہ خرچ کرنے کے بعد جس پر خرچ کیا ہے کوئی احسان نہ رکھو۔ نہ اس کے لئے کسی دُکھ کا سبب بنو کہ تم اسے ذلیل سمجھنے لگ جاؤ۔ لوگوں میں اظہار کر کے اُسے رسوا نہ کرو۔ ایسا کرنے والے یقیناً اپنے اجر اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے تب انہیں نہ گزشتہ کا یعنی اپنے خرچ کرنے کا افسوس ہو گا اور نہ آئندہ کا کوئی خوف۔

لیکن اگر تم خرچ کرنے کے لئے دولت نہیں رکھتے یا کسی کو دینا نہیں چاہتے تو اس سے اچھی طرح بات ہی کر لو۔ یہ بھی صدقہ ہے اور ایسے صدقے سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم کسی کو پیسے دے کر اس پر احسان جتاؤ یا اسے ایذاء دو۔ کم از کم مناسب طریقے سے معذرت کرو اگر مانگنے والے کی بات ناگوار گزری ہے تو درگزر کرو کہ اللہ غنی ہے اللہ کو کسی کے صدقات دینے یا نہ دینے کی کوئی احتیاج نہیں اور بڑا تحمّل والا ہے کہ بیسیوں خطائیں تم سے سرزد ہوتی ہیں اور فوراً گرفت نہیں کرتا۔ اب اس کے نام پر تم سے کوئی سوال کرتا ہے تو اسے مت جھڑکو بلکہ نرمی اور لُطف سے پیش آؤ۔

یٰایھا الذین اٰمنوا .... لا یھدی القوم الکٰفرین ۔

فرمایا، اے لوگو! جو اللہ پر، آخرت پر، ضروریاتِ دین پر یقین رکھتے ہو، اللہ کی راہ میں خرچ کر کے پھر اس کے پیچھے احسان نہ جتاؤ اور نہ اُس آدمی کے لئے جس پر خرچ کیا ہے کوئی تکلیف پیدا کرو، ورنہ اس طرح تو تمہارا صدقہ باطل ہو جائے گا یعنی یہ کھیتی اُجڑ جائے گی پھل لانے کے قابل نہ رہے گی اور ساری محنت کے ضیاع کے ساتھ انجام حسرت کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ یہ تو ایسے ہوا جیسے کوئی دکھلاوے کے لئے خرچ کرے نہ اس کا اللہ پر ایمان ہو اور نہ آخرت پر یقین۔ یعنی ریاء، ایمان اور یقین کو نقصان پہنچاتی ہے اور مومن کے شایان نہیں۔ وہ خرچ اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے۔

اللہ دیکھ رہا ہے جانتا ہے پھر لوگوں میں نمائش بنا کر واہ واہ کروانے کی کیا ضرورت، اور اگر کوئی لوگوں کو دکھانے اور ان سے اپنی تعریف کروانے کے لئے خرچ کرتا ہے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی سخت چٹان پر معمولی مٹی پڑی ہو

اور کوئی اس میں کاشت کرے۔ حتیٰ کہ جب بارش پڑی تو وہ مٹی ہی بہہ کر چلی گئی اور خالی چٹان رہ گئی کچھ ہاتھ نہ لگا۔ یعنی کافر اگر نیکی بھی کرتا ہے تو آخرت پر تو اس کا ایمان نہیں ہوتا۔ محض دکھاوے یا دُنیاوی منافع کے لئے کرتا ہے۔ اللہ ایسے ناشکرے لوگوں کو ہدایت کی توفیق بھی عطا نہیں فرماتا کہ اس کی رضا کے مقابلے میں وہ لوگوں سے واہ واہ کے خواہشمند ہوں۔

ومثل الذین ینفقون .... واللہ بما تعلمون بصیر۔

اور جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے اور اپنے دلوں کو ثابت کر کے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی باغ کہ بلند زمین پر ہو۔ ربوہ کے معنی صاحب تفسیرِ مظہری نے یوں فرمائے ہیں کہ ایسی زمین جو نہر کے کنارے نہ اتنی اونچی ہو کہ پانی نہ پہنچ پائے نہ ایسی نیچی کہ پانی جمع رہے بلکہ کناروں کے برابر ہو۔ یہ بہت اعلیٰ زمین کی نشانی ہے اور پھر اس پر ابرِ رحمت بھی خوب کھل کر برسے۔ خوب مزے دار بارش پڑے تو وہ اُمید سے بھی دوگنا پھل لائے اور اگر زیادہ بارش نہ بھی ہو تو اُسے پھلدار بنانے کے لئے تو پھوار بھی کافی ہے یعنی ارادہ خالص ہو کہ نیّت زمین ہے بیج اچھا ہو یعنی حلال کا پیسہ ہو، سُنّت کے مطابق خرچ کرے اور لوگوں پر احسان جتانے یا ریاکاری سے اس کی حفاظت کا اہتمام بھی کرے تو پھر دیکھو اس پر کس طرح رحمتِ باری متوجہ ہوتی ہے اور کتنا زیادہ اجر ملتا ہے۔

اور اللہ تو تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اُس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

ایود احدکم .... لعلکم تتفکرون۔

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں جاری ہوں اور طرح طرح کے پھلوں سے لدا رہا ہو، زندگی بھر محنت کر کے اُسے تیار کرے۔ پھر جب بُوڑھا ہو اور اس بڑھاپے میں احتیاج بڑھانے کے لئے چھوٹی چھوٹی اولاد بھی ہو، عورتیں ہوں۔ یعنی کام کے قابل نہ رہے اور کوئی کام میں ہاتھ بٹانے والا نہ ہو۔ پھر سخت احتیاج بھی ہو کہ عورتوں اور بچوں کا کیا کرے۔ اندریں حالات اس کے باغ میں کوئی بگولا داخل ہو جس میں آگ ہو اور سارے باغ کو جلا کر راکھ کر دے تو ذرا غور کرو۔ اس کا کیا حال ہوگا۔

ایسے ہی خرچ کرنے کے بعد یعنی حلال کمائے صحیح مصرف پہ خرچ کرے دُرست طریقے سے خرچ کرے پھر بھی اگر اس میں نمود و نمائش کا پہلو آگیا تو جب موت آئے گی۔ آخرت کو سُدھارے گا تو ایسی سخت احتیاج کی حالت میں دیکھے گا، کہ فسادِ نیّت کی آگ نے کھلا ہوا باغ بھسم کر دیا تو یہ کتنا حسرت کا مقام ہوگا۔ اَب نہ تو کوئی معاون و مددگار ثابت ہوگا، نہ تلافیِ مافات

کی فرصت۔ یہ دلائل اللہ تعالے کی طرف سے تمھیں دعوتِ فکر ہے۔

خود بھی سوچو اور غور کرو کہ عبادات ضائع نہ ہونے پائیں۔

رکوع نمبر ۳۷ آیات ۲۶۷ تا ۲۷۳ تلک الرسل ۳/۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ
اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا
تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ
وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا
فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ
حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾
اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً
مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾
يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ
يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا
كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾
وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ
نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ
وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾
اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ
وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ
مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ
اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ

مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو
چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے
ہیں ان میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرو۔
اور بری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ
(اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو) بجز اسکے کہ (لیتے
وقت) آنکھیں بند کرلو ان کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو
کہ خدا بے پروا (اور) قابل ستائش ہے ﴿۲۶۷﴾
(اور دیکھنا) شیطان (کا کہنا نہ ماننا وہ) تمہیں تنگدستی
کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور
خدا تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے۔ اور خدا بڑی
کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۶۸﴾
وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو
دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی۔
اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں ﴿۲۶۹﴾
اور تم (خدا کی راہ میں) جس طرح کا خرچ کرو یا کوئی
نذر مانو خدا اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی
مددگار نہیں ﴿۲۷۰﴾
اگر تم خیرات ظاہر دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر
پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے
اور (اس طرح کا دینا) تمہارے گناہوں کو بھی دور
کر دیگا۔ اور خدا کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے ﴿۲۷۱﴾
(اے محمد) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو
بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔ اور
(مومنو) تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں کو ہے
اور تم تو جو خرچ کرو گے خدا کی خوشنودی کے لئے
کرو گے۔ اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا

267. O ye who believe! Spend of the good things which ye have earned, and of that which We bring forth from the earth for you, and seek not the bad (with intent) to spend thereof (in charity) when ye would not take it for yourselves save with disdain; and know that Allah is Absolute, Owner of Praise.

268. The devil promiseth you destitution and enjoineth on you lewdness. But Allah promiseth you forgiveness from Himself with bounty. Allah is All-Embracing, All-Knowing.

269. He giveth wisdom unto whom He will, and he unto whom wisdom is given, he truly hath received abundant good. But none remember except men of understanding.

270. Whatever alms ye spend or vow ye vow, lo! Allah knoweth it. Wrong-doers have no helpers.

271. If ye publish your almsgiving, it is well, but if ye hide it and give it to the poor, it will be better for you, and will atone for some of your ill-deeds. Allah is informed of what ye do.

272. The guiding of them is not thy duty (O Muhammad), but Allah guideth whom He will. And whatsoever good thing ye spend, it is for yourselves, when ye spend not save in search of Allah's countenance; and whatsoever good

لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾
لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي
الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ
اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ
بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ
اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
ع فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

جائے گا۔ اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا ﴿۲۷۲﴾
(اور ہاں تم جو خرچ کرو گے تو) ان حاجتمندوں کیلئے جو خدا
کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں اور ملک میں کسی طرف جانے کی طاقت
نہیں رکھتے (اور مانگنے سے عار رکھتے ہیں) یہاں تک کہ نہ مانگنے
کی وجہ سے ناواقف شخص ان کو غنی خیال کرتا ہے اور تم قیافے
سے ان کو صاف پہچان لو کہ حاجتمند ہیں اور شرم کے سبب
لوگوں سے منہ پھوڑ کر اور لپٹ کر نہیں مانگ سکتے اور تم جو
مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ خدا اس کو جانتا ہے ﴿۲۷۳﴾

thing ye spend, it will be repaid to you in full, and ye will not be wronged.

273. (Alms are) for the poor who are straitened for the cause of Allah, who cannot travel in the land (for trade). the unthinking man accounteth them wealthy because of their restraint. Thou shalt know them by their mark: They do not beg of men with importunity. And whatsoever good thing ye spend, lo! Allah knoweth it.

اسرار و معارف

یاایہا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت .... واعلموا ان اللہ غنی حمید۔

اے ایمان والو! اپنی کمائی سے صاف ستھری چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنی کمائی سے خرچ کرو، ظاہر ہے کہ کمائی تو حلال ہی ہوگی ورنہ ناجائز ذرائع سے دولت پیدا کرنے کو کسب نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ایسے لوگ خود اپنے ناجائز ذرائع کو لوگوں کی نظروں سے بچا کر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر اس میں سے جو راہِ خدا میں دے وہ کھری اور اچھی چیز ہونی چاہیے اگر غلہ یا پھل یا کوئی اور جنس اللہ کی راہ میں دے، اور اگر حرام مال سے دے گا تو وہ عند اللہ مقبول ہی نہیں ہوگا۔ کہ ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ بُرے کو بھلے سے مٹا سکتا ہے ناپاک سے ناپاک دُور نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی کے پاس مال ہی ایسا ہو سب ناقص قسم کا ہے تو اسی میں سے دے گا یا کچھ اچھا اور کسی قدر ناقص ہے تو دونوں میں سے بھی دے سکتا ہے اس میں سب صدقات مراد لیے جا سکتے ہیں: نافلہ ہو یا واجبہ۔

ومما اخرجنا لکم من الارض سے مراد زمین کی زکوٰۃ ہے جسے اصطلاحِ شریعت میں عشر کہا گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک زمین کی ہر قلیل وکثیر مقدار پر عُشر واجب ہے۔ رسُول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کا مفہوم اس طرح ہے کہ بارش سے سیراب ہونے والی فصل پر دسواں حصہ اور جس کی سنچائی آبپاشی سے کی گئی ہو اس کا بیسواں حصہ لازم ہے ایسے ہی سورہ انعام کی آیت واٰتوا حقہ یوم حصادہ۔ وجُوبِ عشر میں بالکل صریح ہے حکومتِ اسلامی جو ٹیکس زمین پر لگاتی ہے اس کے لیے دو اصطلاحی لفظ ہیں عشر اور خراج۔ ان میں فرق یہ ہے کہ عشر محض ٹیکس نہیں اس کی اصلی حیثیت

عبادتِ مالی ہے اور مسلمان چونکہ عبادت کا اہل ہے اور پابند ہے اس لیئے زمین کی آمدن سے عُشر ادا کرتا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے لیکن ریاست میں رہتے ہوئے ریاست کو جو ٹیکس زمین کی آمدن پر ادا کرتا ہے اس کا نام خراج ہے اور یہ محض ٹیکس ہوتا ہے۔ عشر بھی زکوٰۃ کی مانند ہے۔ فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ سال گزرنے پر فرض ہوتی ہے اور عشر پیداوار حاصل ہوتے ہی۔ نیز اگر زمین سے پیداوار نہ ہو تو عشر ساقط ہو جاتا ہے مگر زکوٰۃ خواہ مال پر کوئی نفع نہ ہو تو بھی ساقط نہیں ہوتی یہ مسلمانوں سے ہی وصُول کی جاتی ہے اور اِن کا خرچ بھی غیر مسلم پر جائز نہیں۔

تفصیل کے لیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "نظام الاراضی" کی طرف رجُوع کریں۔

فرمایا کہ خراب مال کو اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ نہ کرو۔ ایسا کہ اگر تمھیں اس طرح کا مال دیا جائے تو لینا پسند نہ کرو، سوائے اس کے کہ تمھیں مال وصول کرنا ہو تو سارا جاتا دیکھ کر چشم پوشی کر جاؤ کہ چلو کچھ تو وصُول ہو رہا ہے مگر اللہ تو محتاج نہیں کہ ایسی ویسی اشیاء قبول فرمائے۔

اچھی طرح جان لو! کہ اللہ غنی اور بہت خوبیوں والا ہے یعنی اس کے تمام افعال مستوجب حمد ہیں۔

الشیطان یعدکم الفقر .... واللّٰہ واسعٌ علیم۔

ایسا نہ سوچو کہ صدقات ادا کرنے سے میں مفلس ہو جاؤں گا۔ یہ وسواس شیطانی ہیں۔ ان میں پڑ کر خیرات سے ہاتھ نہ کھینچنا چاہیئے بلکہ یہ تو بے حیائی کا مشورہ دیتا ہے اگر تم اس کے کہنے میں آ گئے تو پھر صرف خیرات سے روکنے پر اکتفا نہ کرے گا بلکہ عیاشی میں مبتلا کر دے گا۔ اور یوں سمجھ آتی ہے کہ آجکل کے نوجوانوں کے بگڑنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جو مال اُن تک پہنچتا ہے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہوتی نتیجتاً وہ بے حیائی اور فحاشی پر خرچ ہوتا ہے۔ یہ حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو حلال کماتے ہیں مگر اس پر نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں نہ خیرات۔ جو جمع ہی حرام اور ناجائز ذرائع سے کرتے ہیں۔ اُن کا پھر کیا پوچھنا۔

اللہ کریم تو تمھیں خیرات پر مغفرت اور بخشش کی نوید سُناتے ہیں کہ تمھارا خیرات کرنا تمھارے گناہوں کی بخشش کا سبب بن جائے گا اور وہ اپنے فضل کا وعدہ فرماتا ہے جس سے اجرِ آخرت میں زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے اور خیرات کے بدلے میں رزق کی زیادتی بھی۔ اس طرح اللہ کی راہ میں خرچ کر کے تم کئی گنا منافع دونوں عالم میں کماتے ہو اور اللہ کی خوشنودی اس کے سوا ہے اور اللہ تو اپنی کرم فرمائیوں کو وسیع کرنے والا ہے اور ہر بات کو جانتا ہے کہ کس نے کس لیئے دیا؟ اور

کب دیا؟ سب باتوں سے آگاہ ہے۔

يؤتی الحكمة من يشاء .... اولوالباب

حکمت کے معنی کسی قول یا عمل کو اس کے تمام اوصاف کے ساتھ مکمل کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا استعمال بار بار ہوا ہے اور مختلف تفسیریں کی گئی ہیں مگر سب کا مفہوم یہی ہے۔

صاحبِ تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد مفید صحیح علم اور اس کے مطابق عمل جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو ظاہراً یہ علم انبیاء علیہم السلام کا ہے تو سارا عالم حصولِ حکمت میں انبیاء سے رجوع کرے گا اور اس سے مراد دین کی سمجھ لیا جائے۔ ارشاد ہے کہ احکام دین کو سمجھنا اور ان کے فضائل و فوائد سے آگاہ ہونا ہی اصل عبادت ہے جو دونوں جہانوں کی بھلائی کا سبب ہے اور اللہ جسے چاہے عطا کرے اور جسے اللہ نے حکمت عطا فرمائی اسے بہت بڑی بھلائی خیر کثیر عطا فرمائی۔

اس سے سمجھ آتی ہے کہ اللہ جس پر انعام فرمائے اسے علوم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور تب ہی اس کے دل میں دین کی عظمت جاگزیں ہوتی ہے۔ ایک حدیث پاک کا مضمون ہے کہ دنیا کا مال تو اللہ اپنے دشمن کو بھی دیتا ہے اور دوست کو بھی۔ مگر دین صرف اپنے مقبول بندوں کو عطا فرماتا ہے اور نصیحت پذیر تو وہی ہوتے ہیں جو دانشمند ہوں یعنی خداداد علوم پر وہی لوگ غور کرتے ہیں جن کا فہم شیطانی خیالات سے پاک ہو اور ایسا تفکر تب ہی ممکن ہے۔ جب نفس امارہ مغلوب ہو جائے۔

نفس امارہ کو مغلوب کرنے کا نام تصوف ہے

اور اسی کا نام تصوف ہے اور ساری محنت اس شے کے حصول کے لئے کی جاتی ہے اس لئے اہل اللہ سے اخذ فیض کرنا ضروری ہے اور ایسے مجاہدات جن سے نفس مغلوب رہے۔

وما انفقتم من نفقة او نذرتم من نذر......... وما للظلمين من انصار۔

اور جس طرح کا خرچ بھی تم کرتے ہو، اطاعت میں یا معصیت میں، جائز ہو یا ناروا، مخلصانہ ہو یا ریاکارانہ، اچھا اور عمدہ ہو یا ناقص، یا کوئی نذر جو تم مانتے ہو۔ عبادتِ بدنی ہو مالی ہیں شئے درست اور صحیح ہو یا ناجائز کہ نذر کے لئے ضروری ہے کہ از قسم فرض ہو اور فرض نہ ہو اور صرف اللہ کے لئے مانی جائے۔ جیسے نماز فرض ہے مگر یہ نذر نہ ہو گی کہ کوئی فجر یا کسی اور وقت کے فرائض کی نذر مانے بلکہ کئی رکعت نفل مانے گا

ایسے نفلی صدقات یا نفلی روزے اور حج۔ پھر اگر غلط نذر مانی اور پھر ایفا کیا یا نہ کیا۔ سب باتیں اللہ پر عیاں ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے سب کا اجر عطا فرمائے گا اور جو حدود و شرائط کی پرواہ نہیں کرتے۔ غرض جو بھی بے قاعدگی اور نافرمانی کرتے ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں کہ انھیں اللہ کی گرفت سے بچا سکے۔

ان تبدوا الصدقات فنعما ھی .... وانتم لا تظلمون۔

اگر تم علی الاعلان خیرات کرو تو بہت اچھی بات ہے بڑی اچھی مثال ہے مگر مشکل کام ہے اور کچھ نہ ہو تو کوئی نہ کوئی شمہ ریا، کا اس میں دخل ہو ہی جاتا ہے۔ بعض اوقات تکبّر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرح کی بہت سی مشکلات ہیں۔ آسان راستہ یہی ہے کہ صدقہ چپکے سے اور پوشیدہ طور پر کرو کہ لینے والے کا بھرم بھی رہ جائے اور تمھاری ذات بھی مشکلات میں نہ پھنسے۔ پھر دنیوی فائدہ بھی ہے کہ مال کی مقدار عام آدمی پر ظاہر نہ ہو اس میں اگر کوئی ظاہری فائدہ نظر نہ آئے تو کیا حرج ہے۔ ہم اسے تمھارے گناہوں کی بخشش کا سبب بنا دیں گے۔ تمھارے گناہ معاف ہوں گے درجات بڑھیں گے۔ یہ کفارہ سیّات پوشیدہ صدقہ کے ساتھ مختص نہیں ہے ظاہراً صدقہ دیا جائے تو بھی حاصل ہوتا ہے مگر یہاں ارشاد ہے کہ مقصد اصلی تو یہی ہے کہ گناہ معاف ہوں، اللہ کا قرب حاصل ہو، سو ہو گا۔ کیونکہ اللہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ چھپا کر خیرات کرنا رب کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھا دیتا ہے او کما قال۔ مفسرین کرام نے اس ضمن میں بہت احادیث جمع فرمائی ہیں۔ صدقہ نافلہ مومن کافر سب کو دیا جا سکتا ہے اب اگر کوئی عزیز کافر ہے تو اس خیال میں نہ ہو کہ مسلمان ہو گا تو صدقہ دیں گے ورنہ نہیں کہ ہدایت اللہ کی عطا ہے جو شخص بھی اپنا رخ اللہ کی طرف پھیرے گا، ہدایت پائے گا۔ آپ کا ذمہ نہیں ہے لیکن مربوب تو سب اسُی کے ہیں روزی تو سب کو وہی دیتا ہے۔ سو صدقاتِ نافلہ کو کافروں سے بھی نہ روکو کہ تم تو اپنی بھلائی کی خاطر خرچ کرتے ہو یعنی اس کا اجر تو تم ہی لو گے۔ اب فقیر مومن ہے یا کافر، کھاتا اللہ کے نام کا ہے اور سجدہ کسی اور کا کرتا ہے اس سے تمھیں کوئی سروکار نہیں، یہ اللہ کا اور اس کا معاملہ ہے نہ ہی تمھارا فقیر پہ کوئی احسان ہے کہ تم اس کی خاطر تو صدقہ نہیں کر رہے اپنی بہتری اور دونوں عالم کی بھلائی کے خواہاں ہو اور اللہ کی رضا کے طالب ہو تم اللہ کے جمال کے متلاشی ہو، تمھاری تمنا بہت بلند ہے اور تمھاری آرزو لائق صد آفرین۔ پھر اتنی بلندی کے لیے جو سیڑھی بنائی جائے اس میں کیا ناقص مال لگانا چاہیے

یا اِسے کمزور سہاروں پر قائم کرنا چاہیے ؟ ہر گز نہیں ! ہاں بھی اچھا دو اور صرف اللہ پر اعتماد رکھو، کہ جو شے بھی تم نیکی پہ خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا بلکہ کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور قطعاً تمھاری حق تلفی نہ کی جائے گی۔

یاد رہے صدقہ نافلہ غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے۔

فرض صدقات مثلاً زکوٰۃ عشر وغیرہ جو وصول صرف مسلمانوں سے کئے جائیں گے وہ صرف مسلمانوں کو دیئے جائیں گے غیر مسلم کو دینا جائز بھی نہیں اور فرض بھی ادا نہ ہوگا۔ یہ فرض صدقات وہ ہیں جو اللہ نے مسلمانوں پر فرض کیے عہدِ نبوی ﷺ میں بھی وصول کیے گئے اور حضور ﷺ کے سفرِ آخرت کی خبر پا کر جن لوگوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا اُن کے ساتھ جہاد کیا گیا بالکل اُسی طرح جیسے کفار کے ساتھ یا جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ اور ان منکرین کے ساتھ تین شبانہ روز کی جنگ کے سالار خود خلیفہ رسول ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بنفس نفیس مجاہدین ہیں۔ پھر عہدِ فاروقی، عثمانی اور علوی رضی اللہ عنہم میں بدستور اسی پر عمل رہا۔ معاذ اللہ! جو زکوٰۃ و عُشر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ادا کرتے رہے بحیثیت امیر سب مسلمانوں سے وصول کر کے صحیح مصرف پہ خرچ کرتے رہے۔ اسے ساڑھے تین سو سال بعد سے شروع ہو کر بننے والے فقہ جعفریہ نے کیسے باطل کر دیا ؟

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے !

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ .... فان اللہ بہ علیم۔

خیرات اُن فقیروں کے لئے ہے جو دینی امور کی وجہ سے یعنی حصولِ علم یا جہاد کی مصروفیت کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتے کہ اپنی روزی کا اہتمام کریں اور ایسے باہمت لوگ ہیں کہ قناعت کی وجہ سے سوال تک نہیں کرتے جس کے باعث ناسمجھ لوگ انہیں مالدار سمجھتے ہیں مگر آپ تو انہیں ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہیں۔ ان کے لباسوں کی بوسیدگی اور اُن کے چہروں کی زردی ان کے حال کی غماض ہے۔ اگرچہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔

یعنی جو لوگ گداگری کو خلافِ شان سمجھتے ہیں اور دینی امور میں منہمک ہیں کہ دنیاوی کاموں کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔ فاقہ زدہ چہرے اور بوسیدہ کپڑے ان کے پائے اثبات کو نہیں ہلا سکتے۔ ان پر صدقات کو صرف کرنا سب سے افضل تر ہے اور جو بھی مناسب چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اُس سے آگاہ ہے خوب علم رکھتا ہے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾

جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہتے ہیں اُن کا صلہ پروردگار کے پاس ہے۔ اور اُن کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم (۲۷۴)

274. Those who spend their wealth by night and day, by stealth and openly, verily their reward is with their Lord, and there shall no fear come upon them neither shall they grieve.

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ
إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ
الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ
الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ
رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ
إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾

جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اُٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سُود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سُود کو حرام تو جس شخص کے پاس خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ (سُود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا۔ اور (قیامت میں) اس کا معاملہ خدا کے سپرد۔ اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے (۲۷۵)

275. Those who swallow usury cannot rise up save as he ariseth whom the devil hath prostrated by (his) touch. That is because they say: Trade is just like usury; whereas Allah permitteth trading and forbiddeth usury. He unto whom an admonition from his Lord cometh and (he) refraineth (in obedience thereto), he shall keep (the profits of) that which is past, and his affair (henceforth) is with Allah. As for him who returneth (to usury)—Such are rightful owners of the Fire. They will abide therein.

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾

خدا سُود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور خدا کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا (۲۷۶)

276. Allah hath blighted usury and made almsgiving fruitful. Allah loveth not the impious and guilty.

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اُن کو ان کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے (۲۷۷)

277. Lo! those who believe and do good works and establish worship and pay the poor-due, their reward is with their Lord and there shall no fear come upon them neither shall they grieve.

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا
مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾

مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سُود باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو (۲۷۸)

278. O ye who believe! Observe your duty to Allah, and give up what remaineth (due to you) from usury, if ye are (in truth) believers.

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ
مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ
فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا
تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) خدا اور رسول سے جنگ کرنے کیلئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے (اور سُود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور تمہارا نقصان (۲۷۹)

279. And if ye do not, then be warned of war (against you) from Allah and His messenger. And if ye repent, then ye have your principal (without interest). Wrong not and ye shall not be wronged.

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ
إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا
خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾

اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) اور اگر (زر قرض) بخش ہی دو تو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو (۲۸۰)

280. And if the debtor is in straitened circumstances, then (let there be) postponement to (the time of) ease; and that ye remit the debt as almsgiving would be better for you if ye did but know.

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

اور اُس دن سے ڈرو جبکہ تم خدا کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پُورا پُورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا ﴿۲۸۱﴾

281. And guard yourselves against a Day in which ye will be brought back to Allah. Then every soul will be paid in full that which it hath earned, and they will not be wronged.

اسرار و معارف

الذین ینفقون .... ولا ھم یحزنون ۔

جو لوگ دن رات ظاہر پوشیدہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی جیسے ضرورت پیش آئے اُسے پورا کرنے کو لپکتے ہیں. اعلانیہ دینا پڑے یا چھپا کر، رات ہو یا دن کا وقت نہ تاخیر کرتے ہیں اور نہ کسی حالت کو آڑے آنے دیتے ہیں جیسے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کہ شاعرِ مشرق رحمۃ اللہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

آں امن الناس بر مولائے ما — آں کلیم وادیٔ سینائے ما
دولتِ اُو کشتِ ملت را چوں ابر — ثانیٔ اثنین و غار و بدر و قبر

یا دیگر جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے صدقات اور مالی جانی قربانیوں سے تاریخ عالم مزیّن ہے اور چشمِ فلک حیران. ایسی قوم نہ سورج نے ان سے پہلے دیکھی اور نہ ان کے بعد اُمید کر سکتا ہے. اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس ان کی جاں نثاریوں کا بدلہ محفوظ ہے. نہ انھیں اپنی حق تلفی کا یا اپنے کیے پر پشیمانی کا یا عذاب الٰہی کا خوف ہی ہوگا. نہ آئندہ کا غم کہ کل کیا ہوگا. اُن کا کل اُن کے آج سے بھی درخشاں ہوگا. والحمد للہ علیٰ ذالک اللّٰھم ارزقنا اتباعھم ۔

جو شخص بھی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا ایسے ہی اعلیٰ انعامات کا اُمیدوار ہوگا. صدقہ مال کو بغیر کسی مادی نفع کی امید کے اللہ کی رضا کے لئے دینے کو کہتے ہیں. اس کے مقابل ربٰو ہے. اس کی حقیقت یہ ہے کہ بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے. ارشاد ہے،

اَلّذین یاکلون الربوا .... ھم فیھا خالدون ۔

کہ جو لوگ سُود لیتے ہیں اگرچہ یہاں ارشاد سُود کھانا ہے مگر مُراد سود کا لینا ہی ہے خواہ کھانے میں استعمال کرے یا

لباس میں یا مکان وغیرہ کے بنانے میں ۔ مطلقاً سود لینا ہی سود کھانا ہے کہ سُود خوار کو حاصل کردہ رقم پر مکمل قبضہ اور تصرّف حاصل ہوتا ہے اور اس کی واپسی کی کوئی صُورت نہیں ۔ اس لئے سُود لینے کو سود کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یہ لوگ قیامت کو اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے شیطان نے ان سے لپٹ کر ان کو خبطی بنا دیا ہے ۔

جنّات و شیاطین کا اثر

اِس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جنّات و شیاطین کے اثر سے انسان بے ہوش یا مجنون ہو سکتا ہے یہ بات کتاب اللہ ، احادیثِ مبارکہ اور متواتر مشاہدات سے بھی ثابت ہے اور اطبا نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ صرع ، جنون یا بے ہوشی کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب جنّات کا اثر بھی ہو سکتا ہے ۔ یہ بھی یاد رہے کہ جزا از قسم اعمال ہوا کرتی ہے ۔

دُنیا میں سُود خوار ایسا مدہوش تھا کہ کسی کی غربت اور بے کسی کی پرواہ تھی نہ احکام الٰہی کی ۔ آخرت میں اُٹھا تو ایسا خبطی تھا جیسے کسی کو جنّات لپٹ کر مخبوط الحواس بنا دیں ۔ کہ یہ دنیا میں کہتا تھا سُود مثل بیع ہی تو ہے ۔ کہ اشیا ۔ کی خرید و فروخت سے مقصود دولت کو بڑھانا اور نفع کمانا ہے اور سود سے بھی دولت کی بڑھوتری ہی مراد ہے تو پھر تم لوگوں نے بیع کو کیوں حلال سمجھ رکھا ہے ! اور وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سُود کو حرام اور اللہ مالکُ الملکِ والملکوت ہے وہ ساری مخلوق کے نفع نقصان کو خود مخلوق سے بہت ہی زیادہ جانتا ہے ۔

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ حاکم ہے جب اس نے حکم دے دیا تو بات ختم ہو گئی ۔ بیع حلال اور ربوٰ حرام ، کسی کو اس کی ذات پر اعتراض کرنے یا سوال کرنے کا حق ہی حاصل نہیں ۔

دوسری بات یہ کہ سُود کو حلال کہنے والے کی دلیل تو عقلی تھی اور جواب حاکمانہ ہے عرض ہے اللہ حاکم بھی ہے اور رب العالمین بھی ۔ وہ مجموعہ نظامِ عالم کا خالق بھی اور ساری مخلوق سے اور مخلوق کے بھلے بُرے سے آگاہ بھی ۔ جب اس نے حرام کر دیا تو ظاہر ہے اس میں ضرور نقصان چھپا ہوا ہوگا اور خباثت بھی ۔ خواہ ہم اس کو کسی حد تک جان سکیں یا بالکل ہی نہ جان سکیں کہ ہم اپنے نفع و نقصان کو تو ممکن ہے کسی حد تک سمجھ سکتے ہوں مگر پورے عالم پر کیا گزرے گی یا پُوری قوم پر کیا اثر ہوگا ؟ اسے وہی علیم و خبیر جانتا ہے ۔

جس کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ سود کو حلال کہنے کے کُفر یہ فعل سے باز آ گیا اور سُود لینا بھی چھوڑ دیا ، تو اس سے پہلے جو کچھ وہ لے چکا ہے وہ اُسی کا ہوا اور ظاہراً اس کی توبہ قبول ہوئی ، اگرچہ اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے

یعنی صحیح تائب ہوا ہے یا نہیں - یہ اللہ کے علم میں ہے اور وہی اس سے بازپُرس کرے گا لیکن اگر توبہ کے بعد پھر سُود لینا شروع کر دیا تو یہ فعل اُسے دوزخ میں لے جائے گا اور اگر حرام جان کر بھی کھاتے تو بھی - ہاں ! حرام جاننے والا ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا - واللہ اعلم

رسُول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو گوشت حرام لقمے سے بنا اس کے لئے آگ ہی سزاوار ہے نیز یہ بہت بڑا گناہ ہے - ابن کثیر اور صاحبِ مظہری رحمہم اللہ تعالیٰ نے احادیث نقل فرمائی ہیں جن میں ارشاد ہے کہ سُود کے ستر گناہ ہیں اور اُدنیٰ یہ ہے کہ کوئی اپنی ماں سے زنا کرے - العیاذ باللہ !

یہ گناہ اُسے دوزخ میں لے جائے گا اور اگر حلال جانتا ہے تو یہ کفر ہے پھر ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا -

بیع کیا ہے ؟ اور ربوٰ کسے کہا جائے گا یہ بحث تفسیر مظہری میں دیکھ لی جائے - یا صاحبِ معارف القرآن نے بہت اعلےٰ انداز میں بیان فرمایا ہے وہاں سے ملاحظہ فرمائیں -

یمحق اللہ الربٰو .... کفارٍ اثیم -

اللہ تعالےٰ سُود کو مٹاتے اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور کسی کافر یعنی سود کو حلال جاننے والے یا بدکار یعنی سود جیسا کبیرہ گناہ کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے بلکہ مبغوض رکھتے ہیں یاد رہے کہ سُود لینے والا ، دینے والا یا سود کی دستاویز لکھنے والا سب برابر کے گناہگار ہیں نیز جس لالچ میں سود خور کام کرتا ہے وہ ہو بھی نہیں پاتا کہ اللہ سود کو مٹاتے ہیں -

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سٹے کے بازاروں میں بڑے بڑے کروڑپتی دیکھتے دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ دولت فی نفسہٖ مقصود نہیں ، نہ سونا چاندی کوئی کھانے کی چیز ہے بلکہ مقصود دولت سے ان اشیاء کا حصُول ہے جو جسم کو آرام پہنچا دیں تو اوّل سُود خور اپنے آرام کے لئے بھی خرچ نہیں کرتا اگر کوئی کرے بھی تو جب اللہ آرام اندر نہیں پہنچنے دیتے تو ظاہری اسباب کا کیا فائدہ - ان محلوں میں رہنے کا کیا سکھ جن میں نیند کی گولیوں کے بغیر رات بسر نہ ہو اور پھر آخری بات یہ ہے کہ سارا جمع شدہ مال تو دُنیا میں رہ گیا لیکن ابدی زندگی کے لئے ایک بہت بڑا عذاب بن کر مسلط ہو گیا -

صاحبِ تفسیر مظہری نے ایک حدیث واقعہ معراج کے بارے میں نقل فرمائی ہے کہ میں نے کچھ لوگوں کو راستے میں پڑا ہوا دیکھا جن کے پیٹ بڑی بڑی کوٹھڑیوں جتنے تھے اور ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے

پھر دُور سے لوگوں کے دوڑنے کی آواز آتی تو ان لوگوں نے راستے سے ہٹنا چاہا مگر وہ پیٹ انھیں اُٹھنے نہ دیتے تھے حتیٰ کہ وہ لوگ آپہنچے اور انھیں روند کر گزر گئے۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سُود کھانے والے راستے میں پڑے ہیں اور اُنھیں روند کر گزرنے والے فرعونی ہیں جو صُبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں جو دوڑتے ہوئے چیخ اُٹھتے ہیں کہ اللہ کبھی قیامت قائم نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ خُون کی نہر میں کچھ لوگ تھے جو کنارے پر آتے تو فرشتہ مُنہ میں پتھر ٹھونس دیتا۔ پھر لڑھکتے ہوئے واپس چلے جاتے۔ پوچھنے پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ سُود خوار ہیں۔ ایسے طرح طرح کے عذاب تو برزخ میں ہو رہے ہیں آخرت میں اس سے کہیں شدید ہوں گے۔

رہا معاملہ صدقات کا تو اللہ ایسے آدمی کے مال میں برکت دیتا ہے۔ اس کا دل مطمئن رہتا ہے وہ ہنکوں پر ایسی راحت پاتا ہے جو سُود خوار کو محل میں نصیب نہیں، اور پھر آخرت میں اس کا مال ہزاروں گنا بڑھا کر اسے اجر کی صُورت میں ملتا ہے یہاں تک ارشاد ہے کہ جو اللہ کی راہ پر ایک کھجور دے اللہ اس کی پرورش فرماتا ہے حتیٰ کہ وہ کھجور اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کبھی دیوالیہ ہوتے نہیں دیکھے بلکہ ان کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ زندگی پرسکون اور اُخروی اجر کا اندازہ ممکن نہیں جو مقصود ہے اور حقیقی زندگی کی حقیقی راحت بھی ہے اور اس کے ساتھ اللہ کی رضا، اس کی خوشنُودی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے جو سُود خواروں کو نصیب نہیں۔

ان الذین اٰمنوا .... ولا ھم یحزنون۔

پھر ابدی راحت کا صحیح راستہ ارشاد فرما دیا۔ جو صرف ایک ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یعنی تکمیل ایمان یہ ہے کہ انسان کا عمل اس کے عقیدے کے تابع ہو جائے زندگی کے تمام امور معاملات ہوں یا اخلاقیات سب اس عقیدے کے تابع ہوں جس کا وہ مدعی ہے اور پھر عبادات کے لئے اپنی ممکن کوشش صرف کرے۔ اقام الصلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرے پُوری محنت، پورے خلوص کے ساتھ۔ نماز اور زکوٰۃ ارشاد فرما کر مقصود عبادات ہیں بدنی ہوں یا مالی، پُورے خلوص سے ادا کرے تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے رب کے پاس انعامات اور اجر ہے جنہیں نہ کسی قسم کا ڈر ہوگا اور نہ افسوس۔ جو گذشتہ پر بھی اللہ کا شکر ادا کر رہے ہوں گے۔ اور آئندہ بھی اللہ کی نعمتوں میں روز افزوں زیادتی کے اُمیدوار۔

یاایھا الذین اٰمنوا تقوا اللہ .... وھم لا یظلمون۔ ۲۷۸ تا ۲۸۱

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دو اور سُود چونکہ اللہ نے

تمہارے لئے حرام قرار دیا ہے جو باقی ہے سب چھوڑ دو، اگر تم اپنی بات میں سچے ہو اور تم نے صدقِ دل سے ایمان قبول کیا ہے تو پھر اطاعت کے سوا کوئی راستہ نہیں اور اگر تم باز نہ آئے تو ظاہر ہے صرف دعوٰے ایمان ہے ورنہ سُود جیسی لعنت میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ اور اس کے رسُول ﷺ کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ! یعنی سُود کو مسلمان حاکم زبردستی روک دے اور اگر سود خواروں کی جماعت ہو جن کو روکنے کے لئے لڑنا پڑے تو ان سے جہاد کیا جائے گا. جب تک وہ تائب نہیں ہو جاتے۔

یہی حکم نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا ہے کہ انکار کرنے والا قطعی کافر ہو کر مرتد ہو گا اور واجب القتل۔ اگر کثیر جماعت ہے تو اس کے ساتھ جہاد مسلمان امیر پر فرض ہے تاوقتیکہ وہ توبہ کریں یا قتل ہوں، اور اگر انکار کرے نہ عمل کرے تو فاسق ہو گا اور حاکم اسے قید کرے تاوقتیکہ وہ تائب ہو۔ اگر بغیر توبہ کے مر جائے تو نہ جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو گا۔

فرمایا اگر تم توبہ کر لو تو تم اصل مال لینے کے حقدار ہو نہ تم کسی سے زیادہ لے کر ظلم کرو، اور نہ کوئی تمہارا اصل مال روک کر تم پر زیادتی کرے۔ یہاں ثابت ہوتا ہے کہ سود خوار اگر توبہ نہ کرے تو اس کا اصل مال بھی ضبط کیا جائے گا۔ اُسے نہیں مل سکے گا۔ ہاں! اگر جس سے اصل مال واپس لینا ہے اسے تنگی میں پاؤ تو اسے مُہلت دو صبر سے کام لو، اس پر احسان کرو۔ تاوقتیکہ اللہ اُسے فراخی دے اور وہ مال واپس کرنے کے قابل ہو جائے۔ لیکن اگر بالکل ہی بے بس ہے تو صدقہ کر دو۔ اللہ کے لئے چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر اور بہت بڑے اجر کا سبب ہے۔ اگر تم سمجھ سکو تو یہ بہت اعلیٰ نیکی ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔ بلکہ یہاں تک ارشاد ہے کہ غریبوں کو تنگی کی حالت میں ادائے قرض کی مہلت دینے والے یا اللہ کے لئے معاف کرنے والے لوگ عرشِ الٰہی کے سایہ میں ہوں گے جبکہ میدانِ حشر میں اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ فرمایا کہ اس دن کا خیال کرو اور اس روز کے لئے اپنی کوئی جائے پناہ بنا لو جس روز تم سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے اور پھر ہر کسی کو اس کی محنت یا کارکردگی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی سے کوئی زیادتی نہ کی جائے گی، جو کچھ کسی نے دُنیا میں عقیدہ و ایمان رکھا، اس کے مطابق اور جو کچھ اس نے کیا اس پر جو بھی اجر ملنا چاہیئے عذاب یا ثواب ہر کسی کو بغیر کسی کی حق تلفی کئے دیا جائے گا۔

سبحان اللہ! اندازِ بیان ایسا ہے کہ گناہ بخشش کی گنجائش ہے مگر نیکی کے زیاں کا کوئی امکان نہیں۔

رکوع نمبر ۳۹ آیات ۲۸۲ تا ۲۸۳ تلك الرسل ۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ
بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ
وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ
وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا
عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ
رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ
فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ
أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ
بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ
مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا
الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا
مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ
صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ
ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ
وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا
يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ
تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ

مومنو! جب تم آپس میں کسی میعادِ معین کے لئے قرض
کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا
تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے
نیز لکھنے والا جیسا خدا نے اُسے سکھایا ہے لکھنے سے انکار
بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔ اور جو شخص قرض لے
وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور خدا سے کہ
اُس کا مالک ہے خوف کرے اور زرِ قرض میں سے کچھ کم
نہ لکھوائے اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا
مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اُس کا
ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے اور
اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے)
گواہ کر لیا کرو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد
اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں)
کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری
اُسے یاد دلا دے گی۔ اور جب گواہ (گواہی کے لئے)
طلب کئے جائیں تو انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا
بہت اس (کی دستاویز) کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا
یہ بات خدا کے نزدیک نہایت قرینِ انصاف ہے
اور شہادت کے لئے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے
اس سے تم کو کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں پڑے گا
ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے
دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر
کچھ گناہ نہیں۔ اور جب خرید و فروخت کیا کرو
تو بھی گواہ کر لیا کرو۔ اور کاتبِ دستاویز اور گواہ
(معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح کا نقصان نہ کریں۔ اگر تم
(لوگ) ایسا کرو تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور
خدا سے ڈرو اور (دیکھو کہ) وہ تم کو (کیسی مفید باتیں) سکھاتا

282. O ye who believe! When ye contract a debt for a fixed term, record it in writing. Let a scribe record it in writing between you in (terms of) equity. No scribe should refuse to write as Allah hath taught him, so let him write, and let him who incurreth the debt dictate, and let him observe his duty to Allah his Lord, and diminish naught thereof. But if he who oweth the debt is of low understanding, or weak, or unable himself to dictate, then let the guardian of his interests dictate in (terms of) equity. And call to witness, from among your men, two witnesses. And if two men be not (at hand) then a man and two women, of such as ye approve as witnesses, so that if the one erreth (through forgetfulness) the other will remember. And the witnesses must not refuse when they are summoned. Be not averse to writing down (the contract) whether it be small or great, with (record of) the term thereof. That is more equitable in the sight of Allah and more sure for testimony, and the best way of avoiding doubt between you; save only in the case when it is actual merchandise which ye transfer among yourselves from hand to hand. In that case it is no sin for you if ye write it not. And have witnesses when ye sell one to another, and let no harm be done to scribe or witness. If ye do (harm to them) lo! it is a sin in you. Observe your duty to Allah. Allah is teaching you. And Allah is Knower of all things.

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿٢٨٢﴾
وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا
كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ
اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ
الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ
اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ
وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿٢٨٣﴾

ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے ﴿٢٨٢﴾
اور اگر تم سفر پر ہو اور (دستاویز) لکھنے والا مل نہ سکے
تو (کوئی چیز) رہن باقبضہ رکھ کر (قرض لے لو) اور اگر
کوئی کسی کو امین سمجھے (یعنی رہن کے بغیر قرض دیدے)
تو امانتدار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کردے
اور خدا سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے۔ اور (دیکھنا)
شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار
ہوگا۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے ﴿٢٨٣﴾

283. If ye be on a journey and cannot find a scribe, then a pledge in hand (shall suffice). And if one of you entrusteth to another let him who is trusted deliver up that which is entrusted to him (according to the pact between them) and let him observe his duty to Allah his Lord. Hide not testimony. He who hideth it, verily his heart is sinful. Allah is Aware of what ye do.

اسرار و معارف

یاایها الذین اٰمنوا اذا تداینتم .... واللہ بکل شیء علیم۔

آج کا دَور تو تعلیم و تعلّم اور نئی نئی ایجادات کا ہے اب تو بات کمپیوٹر کو بھی فیڈ کی جا سکتی ہے مگر معاملات کے بارے میں خصوصاً مالی معاملات جو اکثر جھگڑوں کی بنیاد بنتے اور پورے معاشرے کے سکون کو تباہی کے گڑھے میں پھینکنے کا سبب بنتے ہیں لیکن آج سے چودہ صدیاں پیشتر دیکھا جائے تو یہ صرف اسلام تھا جس نے انسان کو معاملات یا لین دین میں تحریر اور شہادت کا طریقہ تعلیم فرمایا کہ اس طرح سے نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ فساد پیدا ہونے کا امکان رہے آج جو طریقے رائج ہیں اسی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں جن میں اصل وُہی ہے کہ لین دین یا یادداشت کے لئے ضبطِ تحریر میں لایا جائے اگر جدت آ گئی ہے تو طرزِ تحریر میں اور بس۔

ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! جب تم آپس میں کسی مُدت تک اُدھار کا معاملہ کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔ یہاں یہ تعلیم فرمایا کہ ایک تو معاہدہ ہو اور پھر قرض کی مدت مقرر کی جائے ایسی مدت کہ جس میں ابہام نہ ہو کہ جی فصل آنے پر دے دوں گا یہ درست نہیں بلکہ تاریخ اور مہینہ تک معین ہونا چاہیئے اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ لکھنے والا تمھارے درمیان پُوری دیانتداری اور انصاف سے لکھے کسی فریق کی طرفداری نہ کرے کسی کے دنیوی نفع کے لئے اپنا ابدی نقصان نہ کرے۔ نیز پڑھا لکھا

آدمی لکھنے سے انکار نہ کرے کہ اللہ نے اُسے پڑھنا لکھنا سکھایا ہے تو اللہ کی مخلوق کے کام آکر ہی اللہ کا شکر بھی ادا کرسکتا ہے۔ نیز جس کے ذمہ حق ہے وہ تحریر لکھوائے یا دستاویز کا مضمون وہ اِملاء کرائے اور اللہ سے ڈرتا رہے لکھوانے میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی اور حیلہ سازی نہ کرے۔ اور اگر جس پر قرض ہے وہ بے عقل ہے یا ایسا بوڑھا جس کی عقل درُست نہیں یا املا نہیں کراسکتا جیسے گونگا یا پردہ نشین عورت تو چاہیئے کہ اس کا ولی تحریر کرادے۔ مجنون اور نابالغ کا تو ولی ہی تحریر کرائے گا۔ گونگے یا پردہ نشین عورت یا کسی غیر ملکی کی طرف سے جو زبان سے واقف نہ ہو، ولی ہی تحریر کرائے گا اور اگر وہ کسی کو اپنا وکیل مقرر کرے تو بھی درُست ہے کہ لفظ ولی کے معنیٰ میں وہ بھی شامل ہے۔ یاد رہے کہ یہ سارا حکم استحبابی ہے جیسے، واذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض۔

یہاں تک بات ضبط میں لانے کی تھی۔ اس کو درُست ثابت کرنے کے لئے ارشاد ہوا، اس پر تم میں سے دو مردوں کی گواہی ہونی چاہیئے۔ تم میں سے ظاہر ہے کہ گواہ مسلمان ہونے چاہئیں اور بالغ اور عادل ہوں کہ فاسق شہادت کا اہل نہیں اور اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ کرلو۔ ایسے مرد اور ایسی عورتیں جن کی گواہی تمہیں پسند ہو، یعنی عادل ہوں فاسق نہ ہوں، ناپسندیدہ افراد نہ ہوں۔ اور ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتیں اس لئے کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلا سکے۔ نیز اکیلی عورت کا مردوں کی مجلس میں جانا پسندیدہ بات نہیں دو ہونگی تو بات اور ہوگی۔

عورت کی شہادت

نہ اکیلا مرد شہادت کے لئے کافی ہے اور نہ دو عورتیں۔ بلکہ ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اور بہتر صورت یہ ہے کہ شہادت مردوں سے دلائی جائے۔ آجکل ہمارے ہاں اس بات کا بہت چرچا ہے شرعی قانونِ شہادت میں بالکل اسی طرح سفارش کی گئی جس طرح اللہ کا ارشاد ہے اس پر ملک بھر میں عورتوں کے ایک خاص طبقہ نے بڑا شور مچایا، یہاں تک کہ جلوس نکلے لاٹھی چارج ہوئے اور ابھی شورش ختم نہیں ہوئی۔ حیرت ہے کہ عورت اس بات پہ جلوس کیوں نہیں نکالتی کہ اُسے عورت کیوں بنایا گیا ہے غالباً مردانہ شکل بنا کر، بال ترشوا کر بازاروں میں گھومنے والی عورتیں اس بات پہ مجسم احتجاج ہیں۔

ان کے مقابلے میں مردوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو اپنے مرد بنائے جانے سے بیزار، سُرخی پاؤڈر لگا کر زنانہ لباس پہن کر بازاروں میں کھڑے صنعتِ باری پہ احتجاج کناں نظر آتے ہیں۔ یہ سب باتیں اللہ سے ناآشنائی، خالق کی عظمت

سے جہالت اور دین سے دُوری کا ثبوت ہیں۔

مساوات کے یہ معنیٰ نہیں کہ مرد اور عورت کو کانٹ چھانٹ کر، ملا جُلا کر کوئی درمیانہ راستہ اپنایا جائے اور ایسی مخلوق وجود میں آئے جو ہر طرح سے برابر ہو۔ بلکہ مساوات کا یہ معنیٰ ہے کہ مرد کو جو حق بحیثیت مرد حاصل ہے وہ ملے اور عورت کو جو حق بحیثیت عورت حاصل ہے وہ نصیب ہو۔ عورتوں کو قائل کرنے کے لئے ٹیلیویژن پروگرام آئے۔ بڑا زور لگایا گیا، لیکن صرف ان باتوں پر کہ عورت کہاں کہاں عدالتوں میں خوار ہوتی پھرے۔

اللہ نے اوّلاً مردوں کو گواہ کیا ہے اور مجبوراً گواہی دینی پڑے تو عورت اکیلی نہ ہو کم از کم دو ضرور ہوں۔ بھئی! یہ بات بھی اپنی جگہ درُست ہے مگر جو بات اللہ نے ساتھ بیان فرمادی ہے وہ کیوں نہیں کہتے کہ عورت فطرتاً مرد کی نسبت کم استعداد رکھتی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر ایک ہوئی اور بھول گئی تو پھر اس کے لئے کیسے گواہ لاؤ گے، شروع ہی سے دو رکھو کہ یاد دلا سکیں اور ایک دوسری کے ساتھ بھی ہوں۔

رہی استعداد کی بات، تو عرض ہے کہ اصل علم نبوّت ہے جو تمام علوم کا سرچشمہ اور ساری انسانیت کے لئے مصدر اور منبع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کی گود میں پرورش پائی بجز حضرت آدم علیہ السلام، جو براہِ راست مٹی سے تخلیق کئے گئے مگر کسی عورت کو نبوت عطا نہیں ہوئی اور یہ بارِ امانت عورت پر نہیں ڈالا گیا۔ کیا کوئی عورت یہاں احتجاج کرے گی؟

ایک حدیث پاک کا مضمون ہے کہ عقل مند اور سمجھ رکھنے والے مرد کو کم عقل اور کم دین رکھنے والی یعنی عورت سے بڑھ کر کوئی اندھا نہیں کرتا۔ تو کسی عورت نے عرض کی، یارسُول اللہ ﷺ! ہم عقل یا دین میں کمزور ہیں؟ ارشاد ہُوا ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی شہادت تو عقل کی کمی پر دال ہے اور ہر ماہ ایامِ مخصوصہ میں نماز، روزہ نہ کر سکنا یا نماز کا معاف ہونا، دین کے نقص پہ شاہد۔

تو کیا ہماری ترقی پسند خواتین جلوس نکالیں گی کہ آئندہ مرد بچے جنا کریں یا ایک بچہ عورت جنے اور ایک مرد، کہ مساوات قائم رہے؟ یہ ہرگز مساوات نہیں، بلکہ مساوات یہ ہے کہ جو فرائض عورت کے ذمہ ہیں وہ ادا کرے، اور جو حقوق اس کے بحیثیت عورت ہیں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اور جو فرائض اللہ نے مرد کے ذمّے لگائے ہیں وہ ادا کرے اور اپنے حقوق حاصل کرے۔ نیز جس کو گواہی کے لئے کہا جائے بلا عذر شرعی انکار نہ کرے کہ یہی احیائے حق کا طریقہ ہے اور شبہات

سے بچنے کا ذریعہ نہ کوئی ایسا شخص جو گواہ ہو گواہی پر حاضری سے انکار کرے اور نہ ہی دستاویز لکھنے میں سُستی کرو، معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ضرور مقررہ میعاد لکھا کرو کہ یہ تحریر اور شہادت ہی شک و شبہ سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

سودا دست بدست ہو تو تحریر نہ لکھی جائے تو بھی حرج نہیں مگر بہتر ہے اس پر بھی گواہ کر لو، کہ کسی وقت دینے والا یا لینے والا اپنی بات سے پھر نہ سکے۔ اور کوئی نزاع پیدا نہ ہو کبھی لکھنے والے یا گواہی دینے والوں کو تنگ نہ کرو کہ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ پتہ چلا کہ کاتب یا گواہ کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ کاتب اگر اُجرت مانگے یا گواہ آنے جانے کا خرچ طلب کرے تو یہ اس کا حق ہے ادا نہ کرنا بھی اس کو نقصان پہنچانا ہی ہوگا جو حرام ہے اور سخت گناہ۔

دینِ برحق نے پہلے تو معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے اور اُن پر شہادت قائم کرنے کا حکم دیا۔ پھر کاتب کو ارشاد ہوا کہ لکھنے سے انکار نہ کرے، نیز مسلمان شہادت دینے سے گریز نہ کریں اور آخر میں ارشاد ہوا کہ کاتب کو پریشان نہ کیا جائے نہ اس کو مالی نقصان پہنچایا جائے، نہ توہین کی جائے اور نہ بلا وجہ عدالتوں کے چکر لگوائے جائیں تاکہ بات صاف ہو جھگڑے کم ہوں اور ان میں بھی انصاف حاصل ہو سکے۔

اب تو حال برعکس ہے پہلے تو گواہ کو تھانیدار صاحب ہی یوں دیکھتے ہیں جیسے سارا قصور اسی بے قصور کا ہے پھر آئے دن تھانے کے چکر اور توہین آمیز دھمکیاں۔ جب وہاں سے بچے عدالتوں کے چکر۔ خصوصاً دیوانی عدالتیں تو دیوانہ کئے دیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر شریف آدمی شہادت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور پیشہ ور گواہوں کی بن آئی، عدالتیں اُن کے رحم و کرم پر اور انصاف بھی اُنکی مٹھی میں۔

کتاب اللہ نے سب کے حقوق مقرر فرما دیئے ہیں اور ارشاد ہوا کہ بحیثیت مسلمان اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمہارا تو آخرت پر ایمان ہے اللہ کے ہاں حاضری کی اُمید لئے بیٹھے ہو اور پھر اللہ ہی اپنے کمالِ کرم سے تمہیں تعلیم فرما رہا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ ہر بات سے واقف بھی ہے فقہا نے اس آیہ کریمہ سے تقریباً بیس اہم فقہی مسائل نکالے ہیں۔ تفسیر مظہری میں عمدہ بحث ہے۔ اس کے ساتھ خوفِ خدا اور آخرت کی یاد کو رکھا کہ قانون پر عمل تب ہی ہو سکتا ہے جب دل میں ایمان بھی ہو۔ ورنہ تو پس دیوار جو جی میں آئی کر گزرے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ .... وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔

اگر تم سفر میں ہو یا کسی وجہ سے کاتب دستیاب نہ ہو تو کوئی یہ چاہیے کہ اعتماد کے لئے کوئی چیز گروی رکھ لے، تو

اس کی بھی اجازت ہے لیکن لفظ مقبوضہ سے ظاہر ہے کہ مرتہن صرف قبضہ میں رکھ سکتا ہے اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا۔ اس سے نفع حاصل ہو تو راہن یعنی اصل مالک کا ہو گا۔

ہمارے ہاں زمین رہن رکھنے کا رواج ہے پھر مرتہن اسے کاشت کرتا ہے تو چاہیئے کہ مالک کا حصہ اس کی رقم سے وصول کر لیا جائے یا اُسے دے دیا جائے ورنہ جائز نہ ہو گا۔ نیز اگر باہم ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہو تو اس کو بحال رکھنے میں پُوری کوشش کرو۔ جس کے پاس دوسرے کا مال ہو وہ ضرور مقررہ وقت پر واپس کرے کہ باہمی اعتماد مجرُوح نہ ہو اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔ یعنی اس کی روزی تو اللہ کے ذمے ہے پھر کیوں امانت میں خیانت کا مرتکب ہو۔ نیز جس کو کسی معاملہ کی خبر ہو یہ بھی امانت ہے۔ ضرورت پڑنے پر ضرور بیان کرے اور شہادت کو نہ چھپائے اگر ایسا کرے گا تو اُس کا دِل گناہگار ہو گا۔ یعنی یہ محض زبانی گناہ نہیں بلکہ براہ راست دل کو متاثر کرے گا۔ یقیناً دِل جس طرح گناہ سے آلودہ ہوتا ہے اسی طرح نیکی سے روشن بھی ہوتا ہے۔ حقیقتاً دِل حکمران ہے اور گناہ کا حکم وہی صادر کرتا ہے تب اعضاء و جوارح عمل کرتے ہیں۔

اگر دل خود اللہ سے آشنا ہو اور اللہ کا ذکر کرنے والا ہو۔ اللہ کی ذات اور اللہ کا اسم ذاتی جو اس کا مذکور ہے اس میں موجود ہو تو وہ اس کے خلاف حکم نہیں کرتا۔ جب وہ حکم نہیں کرتا تو اعضاء و جوارح اللہ کی نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اسی لئے صوفیائے کرام دِل پر حملہ آور ہوتے اور ذکرِ قلبی تعلیم کرتے ہیں کہ جب دِل ذاکر ہو کر روشن ہو گا تو سارا جسم نیکی کرے گا۔ ذہن نظر، کان، زبان، ہاتھ پاؤں سب اس کے درباری اور پیادے ہیں جو اس کے سامنے دَم نہیں مار سکتے۔ اور یہی مفہوم اس حدیث پاک کا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک بوٹی ہے اگر بگڑ گئی تو سارا جسم بگڑ گیا۔ اگر سُدھر گئی تو سارا جسم سُدھر گیا۔ خوب جان لو! وہ بوٹی دِل ہے۔

سو جو تم سے صادر ہوتا ہے اللہ اس سے خوب آگاہ ہے اس سے واقف ہے اور اس پر ایسا ہی پھل لگتا ہے جیسا تم پودا کاشت کرتے ہو۔ ہمہ وقت اس بات کو دھیان میں رکھنا چاہیئے کہ انسانی زندگی کی اصلاح اس کے سوا محال ہے۔

رکوع نمبر ۴۰ آیات ۲۸۴ تا ۲۸۶ تلک الرسل ۳/۸

284. Unto Allah (belongeth) whatsoever is in the heavens and whatsoever is in the earth;	جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے تو اور چھپاؤ گے تو	لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ

تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾

خدا تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے ﴿٢٨٤﴾

and whether ye make known what is in your minds or hide it, Allah will bring you to account for it. He will forgive whom He will and He will punish whom He will. Allah is Able to do all things.

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾

رسول اس کتاب پر جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی سب خدا پر اور اُسکے فرشتوں پر اور اُسکی کتابوں پر اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اُسکے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (خدا سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سُنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿٢٨٥﴾

285. The messenger believeth in that which hath been revealed unto him from his Lord and (so do) the believers. Each one believeth in Allah and His angels and His Scriptures and His messengers—we make no distinction between any of His messengers—and they say: We hear, and we obey. (Grant us) Thy forgiveness, our Lord. Unto Thee is the journeying.

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾ ع

خدا کسی شخص کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اچھے کام کریگا تو اس کو اُن کا فائدہ ملے گا بُرے کریگا تو اُسے ان کا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کیجیو۔ اے پروردگار ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار جتنا بوجھ اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اُتنا ہمارے سر پر نہ رکھیو۔ اور (اے پروردگار) ہمارے گناہوں سے درگذر کر۔ اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے۔ اور ہم کو کافروں پر غالب کر ﴿٢٨٦﴾

286. Allah tasketh not a soul beyond its scope. For it (is only) that which it hath earned, and against it (only) that which it hath deserved.

Our Lord! Condemn us not if we forget, or miss the mark! Our Lord! Lay not on us such a burden as Thou didst lay on those before us! Our Lord! Impose not on us that which we have not the strength to bear! Pardon us, absolve us and have mercy on us. Thou, our Protector, and give us victory over the disbelieving folk.

—o

اسرار و معارف

لِلّٰہِ مافی السمٰوٰت .... واللّٰہ علیٰ کل شیئٍ قدیر۔

حقیقتاً تو جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ کریم کا ہے اصل مالک وُہی ہے انسان یہاں محدُود مدت کے لئے آتا ہے اور اسے بطور خلیفہ اور امین کے ان چیزوں پر عارضی اختیار عطا ہوتا ہے۔ بالآخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلا جاتا ہے اور وہی مال اور جائیداد بعد میں آنے والوں کو مل جاتے ہیں۔

یہاں آسمانوں اور زمین میں کی اشیاء کا ذکر فرما کر سب مخلوق مراد لی ہے ورنہ عرش و کُرسی اپنا علیحدہ وجود رکھتے

ہیں یا قلب روح سر خفی اور انخفایا ارواح انسانی سب کچھ اللہ کا ہے مگر طرزِ کلام ایسا ہے کہ عام آدمی جن چیزوں کے بارے عموماً علم رکھتا ہے وہی ارشاد فرما کر سب جہاں مراد لیا جا رہا ہے۔ خواہ عالم خلق ہو یا عالم امر۔ مگر ان چیزوں کا نام نہیں لیا گیا۔ جن سے خواص بھی کم ہی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اب اگر تم کوئی شے دل میں چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تم سے سب کا حساب لے گا اور پھر وہ مالک ہے جسے چاہے بخش دے خواہ اس کے گناہ کیسے ہی بڑے ہوں۔ سوائے ان گناہوں کے جن کے بارے اعلان فرما دیا ہے کہ نہ بخشوں گا اور وہ کُفر یا شرک ہیں۔

یہاں چونکہ مخاطب مومنین ہیں، لہٰذا صرف کبائر یا صغائر کی بات ہوگی جسے چاہے عذاب دے، خواہ کسی چھوٹے گناہ پر پکڑ لے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یوں تو بہت طویل بحثیں کی گئی ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ ارشادِ نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ وساوس میری اُمت سے معاف کر دیئے گئے تو ان چھپی باتوں سے وہ پوشیدہ ارادے مراد ہیں جو کسی کام کے بارے میں دل میں آئیں پھر یہ الگ بات ہے کہ عمل کیا یا نہ کیا۔

یعنی اعتقادات، عبادات اور معاملات سب میں اوّلاً بات دل ہی میں آتی ہے پھر عمل کیا تو ظاہر ہو گئی ورنہ دل میں رہی تو بازپُرس ہوگی۔ دراصل اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اعمال ہیں ہی دو طرح سے۔ ایک اعضاء وجوارح سے متعلق ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ یا معاملات۔ دُوسرے دل سے تعلق رکھتے ہیں جیسے ایمان، کُفر یا اخلاق صالحہ قناعت، تواضع، صبر، سخاوت وغیرہ یا رذائل کبر، حرص، حسد، بُغض، حُبِ دنیا وغیرہ، ان سب کا حساب ہوگا۔

صفائیِ قلب

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو صفائیِ قلب کو حاصل کرتے ہیں۔ جو نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سینہ بسینہ چلی آ رہی ہے کہ صحابیت صرف صحبتِ نبوی ﷺ سے حاصل ہوئی۔ ایک خاص کیفیت اُن کے دل میں پیدا ہوئی جو اُن کی صحبت سے تابعین کو نصیب ہوئی اور تابعین کی زیارت ہی سے تبع تابعین کو ایک خاص مقام حاصل ہو گیا۔ ازاں بعد خوش قسمت افراد نے زندگیاں وقف کر دیں اور اس نعمت کو حاصل کیا حتیٰ کہ انھیں وہ مقام حاصل ہوا کہ دولت و مال کجا، خود اپنی ذات اور اپنے کمالات کو عطائے باری جانا اور کبھی اس کی ملکیت کے مدعی نہ ہوئے۔ اگر کبھی خطا ہوئی جو بحیثیت انسان قلب منور ہونے کے بعد بھی ممکن ہے تو سخت شاق گزری تضرع و زاری کرنے لگ گئے۔ جس سے اُن کے گناہ بھی اللہ نے حسنات میں بدل دیئے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ مومن کو اللہ قریب کرے گا اور اپنے دستِ قدرت سے ڈھانک لے گا۔ پھر ارشاد

ہو گا کہ تو نے یہ بھی کیا، یہ بھی کیا۔ حتیٰ کہ وہ سمجھے گا کہ میں ہلاک ہو گیا تو ارشاد ہو گا کہ ہم نے دُنیا میں تیرا پردہ رکھا، یہاں بھی رکھیں گے، جا! تجھے بخش دیا۔ اور کافر کو اعلانیہ بتایا جائے گا کہ رُسوا ہوں۔ پھر ارشاد ہو گا کہ میری اُمت کے ستر ہزار افراد بے حساب جنت میں داخل ہوں گے جن کے ساتھ ستر ستر ہزار ہوں گے اور پھر تین لپ بھر کر اللہ بے حساب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ صاحب تفسیر مظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ستر ہزار وہ ہوں گے جو نہ صرف خود کامل ہوں گے بلکہ کامل گر ہوں گے کہ ان کے ذریعہ سے دُوسرے لوگ بھی کمال کو پہنچے اور انھوں نے خلوصِ دل سے ہر شے کو اللہ ہی کی ملکیت جانا حتیٰ کہ اپنی نیکیوں کو بھی اللہ کی عطا سمجھے اور مغرور نہ ہوئے۔

دُوسرے گروہ ان فقرائ کے ہوں گے جنہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کمال حاصل کیا اور صفائی قلب کے حصول میں لگے رہے۔ فرماتے ہیں کہ پہلا گروہ کامل گروں کا ہو گا دوسرا کاملین کا۔ اور اللہ کی لپوں کا کیا اندازہ کہ ہر دو عالم لپ میں سما جائیں۔ فرماتے ہیں دراصل تین طرح کے لوگ مراد ہیں جنہوں نے واقعی کاملین سے فیض پایا اور مردانِ با صفا ثابت ہو کر کسی نے عبادات میں درجہ پایا، کوئی راہِ حق میں شہید ہوا اور کسی نے مال اللہ کی راہ میں صرف کیا۔ ایسے تین طرح کے مخلص افراد بھی ان کے طفیل بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے پھر باقی مخلوق کا حساب ہو گا۔

یہاں صاحبِ تفسیر مظہری، اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے! رقمطراز ہیں کہ صُوفیاء کے طریقہ پر چلنا اور مجاہدات کے ذریعہ سے امراضِ نفسانی کو دُور کرنے کے لئے ان کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسا کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکام کو سیکھنا کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں۔ ایک کتاب اللہ اور دُوسری آلِ رسُول ﷺ۔ یہ مردانِ باصفا ہیں جن کے قلوب انوارِ محمدی ﷺ سے منور ہیں۔ کہ آل سے مراد حقیقی متبعین ہوا کرتے ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ .... فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

یہ سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات بے شمار فضیلت رکھتی ہیں۔ حتیٰ کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ یہ مجھے خزانہ خاص سے عطا ہوئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے اس لئے ان کو خاص طور سے سیکھو۔ اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ جس آدمی کو ذرا عقل ہوئی، سورہ بقرہ کی ان آخری آیات کو پڑھے بغیر نہ سوئے گا۔ نیز سورۃ بقرہ میں اکثر احکام نازل ہوئے ہیں جن میں عقائد، معاملات، معاشرت،

اخلاق، عبادات غرض کچھ اجمالاً اور بعض تفصیل کے ساتھ۔ اس کا خاتمہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت اور اللہ سے عافیت طلب کرنے پر اور استقامت علی الدین کی ترغیب پر فرمایا۔

ارشاد ہوا کہ ایمان رکھتے ہیں رسول ﷺ اس چیز پر جو ان پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی۔ بیان کا ایک خاص انداز ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا نام نامی لینے کی بجائے "رسول" ارشاد فرمایا۔ اس سے آپ ﷺ کی عظمت کا اظہار ہے۔ قرآن کریم میں کسی جگہ بھی بطور خطاب کے "یا محمد!" ارشاد نہیں ہوا بلکہ یاایھا النبی۔ یاایھا المزمل یا اسی طرح کے اوصاف سے پکارا گیا۔ جہاں نام مبارک آیا ہے وہاں پکارا نہیں گیا۔ آپ ﷺ کی ذات کو متعین کرنا مقصود ہے، جیسے محمد رسول اللہ یا وما کان محمد ابا احد من رجالکم۔

یا محمد! کتاب اللہ میں کہیں نہیں

"یا محمد!" کتنا خلاف ادب ہے۔ جب کتاب اللہ میں اس کا لحاظ رکھا گیا، تو عام مسلمان کیوں نہ رکھے گا؟ دوسرے لاؤڈ سپیکر پر پکار کر اور بلند آواز سے کہنا کتاب اللہ کی کھلی خلاف ورزی ہے کہ ارشاد ہے،

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول۔

کہ نہ نبی اکرم ﷺ کی آواز مبارک پر آواز بلند ہو نہ اس طرح پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو تو بھلی اور اچھی بات تو یہ ہے کہ وہ درود شریف پڑھا جائے جس کے بارے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ثواب میں کوئی دوسرا درود شریف اس کو نہیں پا سکتا۔ لیکن اگر اپنی طرف سے بنا کر پڑھنا چاہتا ہے تو حضور قلب سے اطمینان سے بیٹھ کر یا چلتے پھرتے بھی پڑھے تو ادب کے ہاتھ سے نہ جانے دے خواہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ہی پڑھا کرے مگر اس عقیدے کے ساتھ کہ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے میرا صلوٰۃ وسلام پیش کر دیں گے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ سب سے بہتر یہ ہے کہ مسنون اوراد پڑھا کرے۔

سو جس طرح آپ ﷺ کا ایمان و اعتقاد وحی پر ہے ایسا ہی سب مسلمانوں کا ہے مگر یہاں آپ ﷺ کا ذکر علیحدہ ہوا ہے کہ نفس ایمان میں بے شک سب مسلمان شریک ہوں لیکن مراتب اپنے اپنے ہیں۔

ایمان اور مدارج

آپ ﷺ کا ایمان مشاہدہ اور سماع پر ہے اور دوسرے مسلمانوں کا ایمان بالغیب اور آپ ﷺ کی رویت اور آپ ﷺ سے سماع پر۔ ایسے ہی ان عظیم ہستیوں کا ایمان جنہیں فنا،

فی الرسُول اور بارگاہ نبوی ﷺ کا مشاہدہ حاصل ہے ان سے بدرجہا بلند تر ہے جن کا صرف روایات پر ایمان ہے۔

اس کے بعد اجمالاً ایمان کی تعریف فرمائی کہ وحی پر اللہ کی توحید ذاتی اور صفاتی پر، اللہ کے فرشتوں کے موجود ہونے پر، اللہ کی کتابوں پر اور جو حقائق ان میں ارشاد ہیں ان پر، اللہ کے سب نبیوں پر کہ کسی بھی نبی کی تکذیب نہیں کرتے اگرچہ اطاعت صرف آخری کتاب اور آخری رسُول ﷺ کی ہوگی مگر ایمان سب پر ضروری ہے۔

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جاں سپاری کا تذکرہ ہے کہ اُنھوں نے کہا سُنا ہم نے اور سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اے اللہ! تیری بخشش کے طالب ہیں کہ تیرے ہی دربار میں لوٹ کے حاضر ہونا ہے سبحان اللہ! ہر دو عالم سے دست بردار ہو گئے اور صرف رضائے الٰہی کو مقصود بنا لیا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تعریف براہِ راست صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے۔ قیامت تک مسلمان اگرچہ اس میں شریک ہوں گے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع کے طفیل اور اُن کے نقشِ پا کے صدقے۔ سو جس نے ان کی اطاعت سے روگردانی کی اس کا ایماندار ہونا ثابت نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ رضائے باری کا طالب ہو۔

پھر ارشاد ہوا کہ اسلام تو دینِ فطرت ہے اور اللہ کا احسانِ عظیم۔ جو کاوش انسان نے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے بہر حال کرنا تھی اسی کوشش کا سب سے اچھا طریقہ اور اعلیٰ ترتیب بھی بتا دی اور اس پر عمل کو عبادت بھی قرار دیا۔

اِنسان اعمالِ اختیاریہ کا مکلف ہے

پھر یہ احسان مزید فرمایا کہ جو شخص کسی کام کے کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اُس کے لیے جوابدہ بھی نہ ہوگا۔ سبحان اللہ! گویا غیر اختیاری وساوس جن پر عمل تو کجا انسان رد کرنے کی کوشش کرتا ہے معاف ہوئے یا ایسے اعمال جو غیر اختیاری طور پر سرزد ہو جائیں جیسے رعشہ کی وجہ سے ہاتھ ہل گیا اور کسی کو ایذا پہنچ گئی، ان پر مواخذہ نہ ہوگا۔

ہاں! انسان افعالِ اختیاریہ کا مکلف ہے خواہ ظاہر کے متعلق ہوں یا باطن سے، جو کرے گا پائے گا۔ نیکی پہ ثواب اور برائی پہ عذاب۔ یعنی ہر کام میں انسان کے قصد و ارادہ کو دخل ہے اور آخر میں ایک جامع دعا فرمائی کہ اے اللہ! بھول چوک پر بھی اور خطا سرزد ہونے پر جو بحیثیت انسان سوائے انبیاءؑ کے سب سے ممکن ہے۔ اللہ! ہمارا مواخذہ نہ فرما، اور توبہ کی توفیق بخش۔ نیز ہم پر ایسی بھاری توبہ بھی نہ ڈال اور ایسے اعمالِ شاقہ کا بوجھ نہ ڈال جیسے ہم سے پہلوں پر ڈالا

گیا کہ غلطی پر فوری گرفت ہوتی اور شکلیں مسخ ہو جاتی تھیں۔ یا توبہ کے لِئے قتلِ نفس کی شرط عائد فرمادی اور اس طرح کے حالات بنی اسرائیل کے دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہاں اُن سے پناہ طلب کرنا سکھایا جا رہا ہے کہ اے اللہ! جس بوجھ کو سنبھالنے کی ہم میں سکت نہیں، ہمیں اس سے معاف رکھ اور ہماری لغزشوں سے درگذر فرما اور ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما۔ اور کفار کے مقابل ہماری مدد اور نصرت فرما۔ ہمیں کفار کے غلبہ سے ہمیشہ مامون رکھ۔

یہاں اُن لوگوں کو سوچنا چاہیئے جو کفار کے ساتھ دوستی کے طالب ہیں اور اسقدر فدا ہیں کہ حُلیہ لباس کھانے پینے کے طور طریقے تک کفار سے لیتے ہیں اور اُن جیسے بن کر اپنے کو ترقی پسند جانتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے حُلیہ مبارک نیز اطاعت کو قدامت پسندی کا طعنہ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

اللہ کریم کے کرم سے سورہ بقرہ تمام ہوئی۔ سب توفیق اللہ کی عطا کردہ ہے اور سب احسان اسی مالکِ کا حقیقی ہے